TEXT CUT WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL LIBRARY
OU_188871
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author 14957

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

سفرنامہ شیخ الہندؒ

اسیر مالٹا

از

شیخ الحرام مولانا حسین احمد صاحب مدنی

دینی بک ڈپو دہلی

جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں

1965

قیمت

1969.

تین روپے

سنہ ۱۹۴۷ء

مطبوعہ

علیمی پریس دہلی

پیش لفظ

یہ سفرنامہ اب سے پہلے کبھی کا چھپ چکا ہوتا اگر میرا وہ لفافہ جو حضرت شیخ کو میں نے سلہٹ کے پتہ پر بھیجا تھا اگر وہ آپ کو مل گیا ہوتا، یہ خط میں نے رمضان میں آپکو لکھا تھا۔ یہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں مجاہدین لیگ حضرت شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی پر قاتلانہ حملہ کر رہے تھے۔ اگر چند خدام اپنی جانوں پر کھیل کر حضرت کی حفاظت نہ کرتے تو شاید مجاہدین لیگ کا دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لئے منہ کالا ہوتا، جن خداموں نے جان پر کھیل کر حضرت شیخ کی حفاظت کی تھی وہ زخمی ہو گئے اور خدا نے حضرت شیخ کو غنڈوں سے محفوظ رکھا اور اصل بات یہ ہے جس کو خدا رکھے اسکو کون چکھے۔ بہرکیف میرا لفافہ جس میں میں نے اس کے طبع کرنے کی اجازت چاہی تھی وہ حضرت شیخ کو نہیں ملا۔ جب آپ بخیر و عافیت بمع اہل و عیال کے دیوبند پہنچے تو میں نے ایک خط لکھ کر آپ سے اسکی چھاپنے کی اجازت چاہی آپنے از راہ مہربانی اس کے چھاپنے کی اجازت مرحمت فرمادی جس کا میں شکر گزار ہوں۔

یہ سفرنامہ آپ نے اپنی اسیری کے زمانہ میں کراچی جیل میں قلمبند کیا تھا۔ اگرچہ اسکے کئی ایڈیشن پہلے بھی چھپ چکے ہیں مگر ٹائیٹل وغیرہ کی آب و تاب کے ساتھ یہ پہلی دفعہ دینی بک ڈپو دہلی کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

نیازمند

محمد سعید

۳۰ر دسمبر سنہ ۴۶

فہرست مضامین سفرنامہ اسیر مالٹا

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	دیباچہ مصنف	۸	۱۳	مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر	۲۶
۲	مولانا مرحوم کے مجمل اور مختصر احوال	۱۲	۱۴	مکہ سے روانگی	۲۶
۳	ابتدائی تحریک	۱۵	۱۵	راستہ کا انتظام	۲۷
۴	مولانا مرحوم کی ابتدائی حالت جنگ میں اور گورنمنٹ کی بدظنی کی وجہ	۱۹	۱۶	مولانا پر ایک اتہام	۲۸
۵	مولانا مرحوم کی حجاز کو روانگی۔		۱۷	مدینہ منورہ میں داخلہ	۳۱
۶	مولانا کے رفقاء سفر	۲۲	۱۸	مولانا کے رفقاء کا سفر	۳۲
۷	مولانا کے سفر کی نسبت افواہ		۱۹	ترکی پولیس	۳۳
۸	بمبئی سے مولانا کی روانگی	۲۳	۲۰	انور پاشا اور جمال پاشا مدینہ منورہ میں	۳۶
۹	خفیہ پولیس کی افواہ	۲۳	۲۱	شیخ الحرم	۳۸
۱۰	افواہ	۲۴	۲۲	روضۂ مسجد	۴۰
۱۱	مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی	۲۵	۲۳	انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات	
۱۲	مولانا مرحوم کے مطوف	۲۵	۲۴	ترکی گورنمنٹ	۴۳
			۲۵	مولانا کی نسبت افواہ	۴۴
			۲۶	مدینہ منورہ سے روانگی	۴۵
			۲۷	طائف	۴۷
			۲۸	فتنۂ حجاز	۴۸

سفرنامہ اسیر مالٹا

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹	مولانا کا رمضان طائف میں	۵۱
۳۰	طائف سے روانگی	۵۳
۳۱	مولوی مسعود احمد صاحب پر شبہ	۵۶
۳۲	خان بہادر مبارک علی	۵۷
۳۳	حکیم نصرت حسین صاحب کا ذکر	۶۰
۳۴	واقعہ اسارت مکہ معظمہ	۶۳
۳۵	شیخ الاسلام سے گفتگو	۶۴
۳۶	مصالحت کی کوشش	۶۶
۳۷	مکہ معظمہ کے قید خانے	۶۷
۳۸	تاجروں کی ہمدردی	۶۸
۳۹	مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خواب	۷۱
۴۰	جدہ سے روانگی	۷۲
۴۱	سوئز کا پہونچنا	۷۳
۴۲	مسرہ اور جیزہ	۷۴
۴۳	مصر کے سیاسی قید خانہ کی چارپائی	۸۱
۴۴	جیزہ کی تنہائی کے قواعد	۸۲
۴۵	ٹہلنے کی جگہ	۸۳
۴۶	مولانا کا فکر	۸۵
۴۷	مولانا کا اپنے غلاموں سے برتاؤ	۸۷
۴۸	مولانا کی توجہ اور فکر کا اثر	۸۸
۴۹	فکر کی ایک خاص وجہ	۹۱
۵۰	مصر کی حالت	۹۴
۵۱	روانگی مالٹا	۱۰۲
۵۲	ترکی افسروں اور سپاہیوں کی آمد	۱۰۳
۵۳	جہاز میں کھانیکا انتظام	۱۰۴
۵۴	جہاز کی روانگی	۱۰۴
۵۵	جہاز میں موت کی تیاری	۱۰۵
۵۶	ترکی افسر	۱۰۷
۵۷	وصول مالٹا	۱۰۹
۵۸	مالٹا کی اسارت گاہ	۱۱۰
۵۹	کیمپوں میں دوکانیں	۱۱۲
۶۰	آفس	۱۱۳
۶۱	شفاخانہ	۱۱۳
۶۲	مریضوں سے ملاقات	۱۱۴
۶۳	کیمپوں کا انتظام	۱۱۶
۶۴	رسد کا انتظام	۱۱۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۵	اسیران کو آپسیں ملنے کا طریق	۱۱۸	۸۳	کھانے کا ہمارا طریقہ	۱۳۷
۶۶	ڈاک کا انتظام	۱۱۹	۸۴	روگیٹ کمپ کا فیلم	۱۳۹
۶۷	اسیران کی تعداد اور نمبر	۱۲۰	۸۵	مولانا کی جفاکشی	۱۴۱
۶۸	اسیران کیلئے اخبار و تار	۱۲۲	۸۶	عرب کمپ کو انتقال	۱۴۲
۶۹	ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی	۱۲۳	۸۷	انتظام پارچہ وغیرہ	۱۴۷
۷۰	لکڑی کے مکانات	۱۲۴	۸۸	ان صیدادی عربوں کی امانت	۱۴۷
۷۱	اسیران کے علمی اشتغال	۱۲۵	۸۹	مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات	۱۵۰
۷۲	اسیران کی باہم ہمدردی	۱۲۶	۹۰	مالٹا میں پہنچے پر نقد میں تنگی	
۷۳	عام اسیران کی تجارت	۱۲۸	۹۱	میجر حسن عزت بیگ	۱۵۵
۷۴	اسیران کی صناعت	۱۲۸	۹۲	افسروں کی تنخواہ	۱۵۷
۷۵	اسیران کے مقدمات	۱۲۹	۹۳	مسٹر سیدار اور ڈاکٹر کی علیحدگی	۱۶۰
۷۶	قید خانہ اور اسارت گاہ	۱۲۹	۹۴	علی بیگ کا واقعہ	۱۶۰
۷۷	مولانا کا کمپ اسارت میں	۱۳۰	۹۵	اسلامی قبرستان	۱۶۱
۷۸	داخلہ		۹۶	مولانا کی مراعات کا حکم	۱۶۲
۷۹	اس گوشت کے حلال	۱۳۱	۹۷	عرب کمپ کو پینکرہ نکلا	۱۶۵
	نہ ہونے کی وجہ	۱۳۶	۹۸	مسٹر برن کی آمد	۱۷۰
۸۰	حلال گوشت	۱۳۶	۹۹	ترکی میں اسیران کی حالت	۱۷۴
	کے طریقے		۱۰۰	حکیم نصرت حسین صاحب کی	
۸۱	دال کے اقسام	۱۳۷		استقامت	۱۷۸
		۱۳۸	۱۰۱	نقد کا بجائے رسد مقرر ہونا	۱۷۹

سفرنامہ اسیر مالٹا

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۲	مسٹر برن کے لائے ہوئے خطوط	۱۸۲
۱۰۳	مولوی عزیز گل صاحب کا اشتغال	۱۸۳
۱۰۴	وحید کا اشتغال	۱۸۴
۱۰۵	کاتب الحروف کا اشتغال	״
۱۰۶	مولوی حکیم نصرت حسین صاحب کا اشتغال	۱۸۵
۱۰۷	اسرار کا چھوڑا جانا	۱۹۲
۱۰۸	مالٹا سے روانگی	۱۹۴
۱۰۹	سیدی بشر سے سویز کو روانگی	۱۹۶
۱۱۰	سویز سے روانگی	۱۹۷
۱۱۱	عرض حال	۱۹۹
۱۱۲		
۱۱۳	کرنیل اشرف بیگ کے مفصل حالات	۲۰۰
۱۱۴	اشرف بیگ کی اخلاقی حالت	۲۰۱
۱۱۵	ان دونوں پارٹیوں کی مختصر کیفیت	۲۰۴
۱۱۶	اشرف بیگ کی فوج اور اوڑیا نوبل	۲۰۷
۱۱۷	اشرف بیگ کی گرفتاری	۲۱۲
۱۱۸	اشرف بیگ کا حسن انتظام	۲۱۶
۱۱۹	ترکوں کا تدین	۲۱۸

.. ..

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ وصلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وسلم

امابعد حسب الارشاد احباب واکابر مدت دراز سے قصد تھا کہ حضرت مولٰنا مقتدانا وسیلتنا وذریعتنا فی الدارین۔ حضرت خاتم المحدثین امام المفسرین مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے احوال سفر حجاز اور مصر ومالٹا وغیرہ قلمبند کروں۔ لیکن بدقسمتی سے اسقدر موانع خلاف اُمید پیش آتے رہے جن کی وجہ سے ابتک یہ آرزو میدان ظہور میں جلوہ نما نہ ہوسکی۔ چونکہ جن بزرگوں نے مجکو اس تحریر کا حکم فرمایا تھا۔ اُن میں یادہٗ برگزیدہ اور میرے لئے واجب الاطاعت اور جن کی تابعداری میرے لئے سعادت دارین ہے۔ میرے وسیلۂ دُنیا وآخرت میرے ہادی ورہنما میرے ماوا وملجا مجکو اللہ اور رسول سے ملانے والے قطب العالم شمس العالمین المام الفقہاء والمحدثین مرکز دائرۃ الحقیقت منطقۂ سموات الطریقت فخر الاکابر ملاذ الاصاغر مرشدی مولائی مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہ العلیتہ وامدنا بفیوضاتہ البہیتہ الانصاری الگنگوہی کی صاحبزادی اور محترمی و معظمی جناب حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی دام مجدہ کی والدہ ماجدہ

دام مجدہا ہیں۔ اس لئے امتثالاً للامر میں اسکو تحریر کرتا ہوں، اور اُن کی خدمت اقدس میں نذر کر کے اُنکی دعوت صالحہ کا امیدوار ہوتا ہوں۔

مولٰنا مرحوم کے جملہ احوال وسوانح کا قلمبند کرنا ان اوراق میں نہ منظور ہے اور نہ ہی مجھ میں اتنی قابلیت اور واقفیت ہے۔ مجکو بیشک ایک عرصہ دراز اپنی عمر کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیش کرنیکا ملا اور اس میں حضرت رح کے گہر بار فیض سے اپنی استعداد گنگ اور اپنی خدمت لنگ کے موافق کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور ہوا مگر نہ تو وہ مدت حضرت مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ کے احوال زندگی کو احاطہ کر سکتی ہے اور نہ اپنی معلومات اس مدت کی قابل وقعت شمار ہو سکتی ہیں۔

میں ۱۳۰۹ھ کے ابتدا میں جبکہ مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیالیس ۴۲ برس کی تھی دیوبند حاضر ہوا چونکہ میرا وہ زمانہ طفولیت اور صغر سنی کا تھا یعنی بارہواں یا تیرہواں سال تھا کتابیں بھی بالکل ابتدائی پڑھتا تھا عقل و فراست تو نہ جب تھی نہ اب ہے۔ اس لئے جامع اکابر میں حاضر ہونا اور ہر قسم کے احوال روحیہ و علمیہ سے فیصیاب ہونا کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت (جس کا انکار کرنا سراسر کفران نعمت ہے) مجھ نالائق کے حال پر اس زمانہ میں بھی نہایت زیادہ متوجہ رہی اور اس وجہ سے ابتدائی کتابیں صرف منطق ادب وغیرہ کی حضرت سے پڑھنے کی نوبت آتی رہی۔ حالانکہ بڑی کتابوں کے پڑھنے کے شائق وقت تک نہیں پاتے تھے۔ مگر مولانا مرحوم کے لطف وکرم نے اپنے ناچیز نام لیوا کو خارج از وقت مدرسہ کے بے بہا

بے بہا گوہر سے محروم نہ کرنے دیا۔ رفتہ رفتہ جب عقل و شعور کچھ آیا اور ۱۳۱۶ھ میں کتابوں کے ختم کرنے کی نوبت آئی تو سفر حجاز پیش آیا اور بمعیت حضرت والد صاحب مرحوم وہاں مقیم ہونا پڑا جس کی وجہ سے مولنا مرحوم کی حضوری سے ایک گونہ محرومی رہی ۱۳۱۹ھ میں جبکہ پہلے سفر ہند میں احقر حاضر ہوا تو اکثر مدتِ اقامت گنگوہ شریف اور مختلف سفروں میں گذری حالانکہ اس سفر میں تقریباً سات ماہ ہندوستان میں قیام ہوا تھا۔ اس لئے حضرت مولنا مرحوم کی خدمت فیضدرجت سے اس مرتبہ بھی تقریباً محرومی ہی رہی۔ ۱۳۲۶ھ میں جب دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو بیشک تقریباً تین برس خدمت اقدس میں حاضر رہا اگرچہ حسب قول مشہور ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل   کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

محرومی اور ناکامی نے اپنے کرشموں کے دکھلانے میں کوئی کمی نہ کی۔ مادی افکار، دنیاوی خیالات، سفلی ہمتوں، اخلاقی کمزوریوں نے کبھی بامِ ترقی اور استفادۂ کمالات کی پرواز پر قدرت اور توجہ نہ کرنے دی۔ تیسرا سفر ۱۳۳۰ھ میں واقع ہوا جس میں فقط چند ماہ قیام ہوا۔ مگر وہ بھی مختلف اسفار و اذکار ہی کے نذر ہونیکی وجہ سے باعث محرومی رہا۔

الحاصل میں ہرگز اپنی علمیت اور واقفیت نہیں رکھتا کہ مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کے جملہ احوال قلمبند کرسکوں، ہاں اپنی کوتاہ نظر اور سرسری واقفیت کی حیثیت سے اس سفر حجاز اور اس کے بعض احوال کے متعلق کچھ ضرور عرض کرونگا۔

لیکن قبل از عرض اتنا ضروری پیشکش کرنا چاہتا ہوں کہ حسب مسلمۂ اکابر ع "قدرِ جوہر شاہ داند یا کہ داند جوہری" مولنا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالاتِ

باطنیہ اور فواضل علمیہ کی اطلاع حقیقتہ یا تو خود جناب باری عز اسمہٗ کو ہو سکتی ہے یا اُن اہل اللہ اور علمائے نحول کو جن کو خداوند کریم نے چشم تحقیق اور بصیرت کاملہ عطا فرمائی ہے۔ ہم جیسے مادر زاد اندھے کیا پہچان سکتے ہیں۔

نیز یہ بھی جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھکو سلیقہ عبارت آرائی اور مضامین کو نئے قالب اور عام پسند طرز میں لانیکا نہیں۔ اگر بتکلف اسکو لانا بھی چاہتا ہوں تو چونکہ وہ نہ تو طبعی ہے نہ اسقدر مشق ہے کہ طبیعت ثانیہ کا حکم لے چکا ہو اس لئے عاجز رہ جاتا ہوں۔ میرے معزز ناظرین مجھکو ایسی ہفوات اور عبارت کی غلطیوں پر معاف فرمائیں

حسین احمد مہاجر (مدنی)

مولانا مرحوم کے مجمل و مختصر حوال

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہوگا اور اُن کے اخلاق لاالف پر نظر ڈالی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا کو قدرت کی فیاضیوں نے ایک ایسا دل دیا تھا جس کی وسعت سات سمندروں سے کہیں زیادہ تھی۔ اقالیم سبعہ اُسکے ایک زاویہ میں بھی اپنا پتہ بتلا نہ سکتی تھیں۔

اُس نے بحر امدادی سے فیوضات حاصل کئے مگر ڈکار نہ لی۔ اُس نے قاسمی نہریں پی ڈالیں اور ہضم کر گیا۔ اُس رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا مگر کبھی بے اختیار نہوا۔ دعویٰ نہ کیا۔ شطحیات نہ سُنائیں استقامت سے نہ ہٹا۔ شریعت کو نہ چھوڑا عشق میں گھُل کر لکڑی ہوگیا۔ مگر دم نہ مارا ۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

رُوحانیت کی بھینی بھینی باد صبا اُس کے سویدا اور دماغ میں گونجتی ہوئی مخمور کرتی رہتی تھیں مگر دائرہ تمکین سے باہر نہ ہوتا تھا۔ نسبت چشتیہ صابریہ کی روشن اور اغیار سوز بجلی اسکے اطراف و جوانب اور اعضائے نہ

کو سوختہ کرتی رہتی تھی۔ مگر مثل شمع سوزاں کبھی اُف نہ کرتا تھا۔ طریقت کے خوش آیندہ احوال اُس پر متجلی ہوتے رہتے تھے۔ مگر کبھی آواز ادنیٰ لوگوں کو سُننے نہ دیتا تھا۔

اُس نے فقط باطنی فیوضات کے لئے ہر قسم کے ضبط سے کام نہیں لیا بلکہ علوم ظاہریہ میں بھی باوجود مجدّدِ حدیث و فقہ وامام تفسیر وکلام وغیرہ ہونیکے کبھی اپنے آپ کو دفتر علماء میں شمار نہ ہونے دیا۔ اس کی کسی حالت اور کسی عملی کارروائی سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ اپنے آپ کو عالم اور ہادیٔ خلق یکتائے زمانہ شمار کرتا ہے۔ اس نے جس فروتنی سے اور کسر نفسی سے اپنی زندگانی گذاری ہے وہ اہل اللہ میں بھی خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے مولانا کے معاصرین اور اساتذہ کو دیکھا ہے۔ بلکہ خود اُن کے اُن معاصرین کو جنھوں نے مولانا کے اکثر بلکہ جملہ اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا تھا کہتے ہوئے سُنا کہ فروتنی اور کسر نفسی میں تو مولانا اپنے زمانہ کے جملہ علماء تو درکنار اپنے جملہ اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے۔ پھر جب کہ کوئی فرد بشر اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مولانا مرحوم کی جملہ حرکات و سکنات للّٰہیت اور اخلاص پر مبنی تھیں۔ اغراض و نفسانیت کا اُن میں نام و نشان بھی نہ تھا تو حسب قاعدہ نبویّہ۔

مَن تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ[1]

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کیسی اور کتنی علو شان کا بارگاہ رب العزت میں پتہ چلتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔ وہ سب کچھ حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی قدس اللہ اسرارہما کی

---

[1] جس نے اللہ کے لئے فروتنی اختیار کی اسکو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا ۱۲

کا فیض تھا مگر حسنِ قابلیت اور مبدا فیاض کے کرم نے نہایت ہی عجیب اور عدیم النظیر شگوفہ بنا دیا تھا۔ اللّٰھم ارض عنہ وارضہ وامدنا بامدادہ۔ آمین

اس قلب کو جس طرح خداوند کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی اسی طرح تحمل اور حوصلہ اسقدر عطا فرمایا تھا کہ واقف احوال دنگ رہ جاتے تھے۔ لوگوں کے وہ عیوب واخلاق جن کو بڑا حلیم الطبع دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے، مولانا کی جبیں پر تغیر بھی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔ معصیت خداوندی میں تو دوسری حالت تھی۔ مگر غیر معصیت اور اصلاح خلق میں علیٰ ہذا القیاس تکالیف و آزار کے برداشت کرنے پر تو وہ ایک نہایت بلند پہاڑ تھے کہ جن کو نہ زلزلہ ہلا سکتا ہے، نہ بجلی گرا سکتی ہے۔

اسی تحمل اور قصد اصلاح کی بنا پر بسا اوقات کوتاہ نظروں اور ضعیف الحوصلہ لوگوں کو مولانا مرحوم کی نسبت لفظ مداہنت وغیرہ کے کہہ دینے کی بھی نوبت آئی مگر جب کہ انجام اور مولانا کے دیگر احوال پر ان کی نظر پڑی تو دم بخود رہ گئے اور اپنی خطا پر نادم ہوئے۔

فطرۃ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ کو ذکاوت اور حفظ کا بھی وہ اعلیٰ درجہ عنایت فرمایا تھا جس کی نظیر وہ آپ ہی آپ تھے۔ جن لوگوں نے مولانا کے حلقۂ درس میں کچھ زمانہ گذارا ہو گا اور پھر دوسرے علماء زمانہ کی تحقیقات اور علمی قابلیتوں کی سیر کی ہو گی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں پر بے شبہ یہ شعر صادق آتا ہے۔ ؎

ما شبہ علماء البریۃ منک
الا کنسبۃ الدھر من آسد الشری

خداوند کریم کے کمالات کی جس طرح کوئی حد و نہایت نہیں اسی طرح اُن کی فیاضیوں کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکرٍ
اَنْ یَجْمَعَ العالمَ فی واحدٍ

جب کبھی کسی نے شعر و سخن میں مولانا سے مذاکرہ کیا ہے تو اس قدر اُردو، فارسی، عربی کے اشعار اُس کو سُننے پڑے ہیں کہ اس کو سوائے حیرانی کے اور کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ قدرت نے موزونیت طبع وہ عطا فرمائی تھی کہ کھرے اور کھوٹے کو خوب پہچانتے اور اس میں تمیز کامل فرماتے تھے وہ اعلیٰ درجہ کے اشعار تالیف فرماتے تھے کہ طبقۂ علماء تو درکنار عقلاء ادباء بھی عش عش کر جاتے تھے۔

قدرت کی فیاضیوں میں سے ایک یہ بھی بڑی فیاضی تھی کہ مولانا کے قلب و دماغ میں اسلامی ہمدردی اور انسانی غیرت، مذہبی حمیت، قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے۔ وہ فقط مدرسہ نشین یا خانقاہی بزرگ حضرات کی سی ہمت پر اکتفا نہ کر سکتے تھے۔ اُن کی ہمت مردانہ اُن کو چین نہ لینے دیتی تھی اُن کو قومی جذبات بے قرار رکھتے تھے۔ ان کی مذہبی حمیت اُن کے لئے تمام مصائب سَہل کرتی تھی۔ اُن کی انسانی غیرت اغیار سے جوڑتی رہتی تھی۔ اُن کی اسلامی اور وطنی ہمدردی اُن کو کبھی اپنے سن و سال ضعیف العمری اور امراض مزمنہ کا خیال بھی نہ لانے دیتی تھی۔ اُن کو اس راہ میں نہ عزت کا خیال تھا نہ راحت کا نہ عزیز و اقارب کی فکر تھی نہ مال و دولت کی۔

ابتدائی تحریک | بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعہ

نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بے چین کنندہ اثر ڈالا۔ چنانچہ اُس وقت حسب طریقہ استادِ اکبر مولنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دورِ (جنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی فتوے چھپوائے۔ مدرسہ کو بند کرایا، طلباء کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے، چندے کئے اور ہر طرح سے مدد کی ترغیب دے کر ایک اچھی مقدار بھجوائی۔ مگر اس پر بھی چین نہ پڑا کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجہ نے دور بینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفاریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنے کی فکر میں ہیں۔ پھر ذمہ داران برطانیہ مسٹر اسکوئیتھ وغیرہ کی روباہ بازیاں خرس روس کی جفا کاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ٹرکی اور اجراء وصایائے گلیڈسٹون کا زمانہ سر پر ہی آگیا ہے جو متفقہ مسیحی دُنیا کے زمانہ دراز سے چلے آتے تھے اور جن چالوں سے اسلامی دُنیا اور خلافت مقدسہ کے تکے بوٹی کئے جا رہے تھے۔ اب اُن کے انتہا کا زمانہ آگیا ہے۔ اب کوئی دن ہیں اسلامی وجود دُنیا سے اسی طرح مٹا دیا جائیگا۔ جس طرح یہودیت تمام عالم اور اسلامیت اسپین اور پرتگال سے۔ مولانا مرحوم کو اس فکر نے سخت بے چین کر دیا زندگی تلخ ہوگئی، نیند اُچٹ گئی مگر زمانہ تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں، مسلمانوں اور اہل ہند کی ناگفتہ بہ کمزوریاں ہر طرح اس میدان میں قدم رکھنے سے مانع ہوتی رہیں۔ چونکہ اس مقدس ہستی کو فقط اپنے خدائے قدوس پر بھروسہ تھا اس لئے اس نے تمام خیالات اور اوہام پر لاحول پڑھا اور مردانہ وار گامزن ہوا اُس کو مشکلوں کا سامنا ہوا۔ اس کو سخت اور مخالف آندھیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اُس پر باد سموم کے جھلسانے والے تھپیڑوں نے طمانچے مارے۔

اُس کے لئے احباب واقارب مار آستین بن گئے ہر شخص ناصح بن کر سد راہ ہوا مگر اُس کے مضبوط قدموں نے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ سب کو چھوڑ دیا۔ مگر اپنے خدا پر بھروسہ کر کے دن ورات کام میں لگا رہا۔ چونکہ کوشش کا نتیجہ کامیابی ضروری ہے۔ اُس کو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابھی تک دُنیا میں کام کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ مگر کام لینے والے بہت کم ہیں۔ مسلمانوں میں قابلیت ہے مگر اُن کو جمع کرنے والا کوئی نہیں۔

چونکہ میں اُس زمانہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ اس لئے تفصیلی احوال پبلک کے سامنے پیش کرنے سے عاجز ہوں۔ مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اُس نے ایسے تاریک زمانہ میں بہت سا کام کر ڈالا۔ میرے معزز ناظرین کہیں بے سوچے سمجھے یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ کون سا ملک فتح کر لیا یا کون سی حکومت قائم کر لی یا کون سا کارنمایاں دکھلا دیا۔ میرے پیارے ناظرین یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی طرف آنکھ اُٹھانا سنہ ستّاون کا سماں باندھتی تھی۔ آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اُس کا پتّہ پانی ہو جاتا تھا۔ خود مختار حکومت کی خواہش زبان پر لانا برق جہاں سوز سے زیادہ تباہ کُن شمار ہوتی تھی۔ برطانی ہوّے نے عالم کے دل ودماغ پر اپنا کا نسہ جمار کھا تھا۔ اُس قدر بلکہ اُس کا عشر عشیر بھی خدائے قہار کا اثر نہ تھا۔ جیسا کہ اب بھی بہت سی ہستیاں اسی خیال میں ہیں تو غالباً میں دروغ گو شمار نہ کیا جاؤں گا۔ ایسے نازک وقت میں ایک شخص کا بھی ہم خیال بنا لینا بڑی کامیابی ہے۔

حضرات! بنیاد کا پڑ جانا ہی سخت مشکل کام ہے پھر تو مکان کا تعمیر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ الحاصل مولانا نے اسی تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور کام کرنے والوں کے لئے جن کو مدت سے تحیر اور مدہوشی تھی۔ مگر

طریق کار ہاتھ نہ آتا تھا۔ شاہراہ عمل قائم کردی۔ اصحاب دل اور ارباب درد خوشی خوشی مولانا کے ہمراز ہوگئے اور علاوہ اس کے اور بھی بہت سے کام ہوگئے۔ جن کو ان مختصر اوراق میں لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسی اثنا میں فلک نے نیا گل کھلایا اور جنگ عمومی کی تاریک بنیاد پڑگئی سارے عالم میں خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ بستیاں کی بستیاں برباد ہونے لگی۔ بر و بحر میں فتنہ و فساد پھیل گیا مظلوم و بیمار ٹرکی پر بھی جور و جفا کی آندھیوں نے اندھیر چھادیا۔ ابھی تک اس نے بلقان کے تباہ کرنے والے صدموں سے سنبھالا نہ لیا تھا کہ ایک خونخوار بلا ناگاہ اس کے سر پر آدھمکی۔ دشمن جو کہ مدتوں سے تقسیم ٹرکی کی فکر میں تھے موقع مناسب دیکھ کر وقت کو غنیمت سمجھنے لگے۔ عراق میں مدتوں کی سازشیں، سوریہ میں سالہا سال کی ریشہ دوانیاں، حجاز میں برسوں کی خفیہ کوششیں، آرمینیہ میں قرنوں کی ظاہر اور پوشیدہ کارروائیاں۔ پیٹر اعظم کی قدیم وصیتیں، فرانس اور گلیڈسٹون کی قلبی خواہشیں پھول اور پھل لانے کے لئے تیار ہوگئیں۔ اس ایک زبان اسلام پر بتیس ۳۲ مسیحی دانتوں نے خوب زور آزمائی کی۔ ہر ایک نے طرح طرح کی دھمکیوں اور قسم قسم کی قوتوں سے اسکو دبانا شروع کیا۔ اُسکے بنے بنائے مکمل دو ڈریڈ ناٹ جن کو اس نے اپنے خون سے بنوایا تھا۔ اپنی قوم پر فاقے برداشت کر کے جیبوں سے کروڑ ہا پونڈ نکلوا کر تیار کرائے تھے۔ برطانیہ نے عمداً چھین لئے۔ ہر ہر محاذ پر قوت جنگی جمع کر دی گئی۔ الحاصل ایسے گوناگوں معاملات کئے گئے۔ جن کی وجہ سے مجبوراً خلافت کو بھی ایک ایسے فریق کا ساتھ دینا پڑا جس کا ضرر گذشتہ زمانہ میں عالم اسلام پر بہ نسبت فریق ثانی نہایت ہی کم تھا۔ اور جس سے بہت زیادہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ استقبال

ہیں عالم اسلام کے لئے مفید اور اُن کی آزادی کا ہمدرد ہو گا۔

مولانا مرحوم سے گورنمنٹ کو بدگمانی

اس حالت نے مولانا مرحوم کے قلب حزین پر نہایت زہریلا اثر ڈالا۔ ان کو نا انصافیوں نے بے حد بےچین کر دیا۔ ہر وقت اس جنگ کی فکر لگی رہتی تھی۔ چونکہ عالم اسلامی کی حامی فقط ایک خلافت ٹرکی باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے جملہ اہل ایمان کو اُسی سے لگاؤ اور تعلق تھا۔ اسی لئے قلباً اور قالباً اُسی کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ اگر اس جنگ کے زمانہ میں بھی مثل بلقان ہلال احمر وغیرہ کے چند دن کی اجازت ہو جاتی تو غالباً مسلمانوں کے جوش دینی کی کسیقدر صورت ظاہر ہو جاتی۔ مگر اس زمانہ میں تو یہ امداد بھی جو کہ محض انسانی امداد تھی جنگ سے اس کو کوئی علاقہ نہ تھا، جرم خیال کیا جانے لگا۔ خلافت کی ہمدردی گناہ شمار ہونے لگی۔ یہانتک کہ بعض مقامات میں خلافت کے لئے دعا کرنا بھی جرم شمار کیا گیا۔ ہر ہر ضلع میں معزز لوگ جمع کئے گئے اور خلافت اسلامیہ کے تعلقات کو پوچھا گیا عموماً ایمان فروشوں نے ٹرکی سے بے تعلقی اور برطانیہ سے ہمدردی کا اظہار کیا بہت سے علماء سوء نے خلافت ٹرکی کے متعلق فتاوی میں زہر اُگلنا شروع کر دیا۔ بہتیروں نے خوف زدہ ہو کر سکوت یا ذو وجہین بیان کو ترجیح دی علم پبلک نے سر طرح خلافت اسلام کی داد دی۔ پھر جبکہ گورنمنٹ نے عام اعلان شائع کر دیا کہ یہ جنگ ٹرکی سے سیاسی ہے مذہبی نہیں تب تو کھلے ہاتھوں منافقوں کو میدان میں کھیلنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ ان واقعات سے اہل دل کے جوش اور غیرت کو بید بھڑکا دیا۔ چونکہ مولانا کی غیرت دینی بہت تھی اُن احوال کو دیکھ کر اپنے آپے

میں نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے اوقات بعض کلمات مخالف مصلحت اور مغائر سیاست جوش مذہبی میں نکل جاتے تھے جنکی وجہ سے گورنمنٹ کے بہی خواہ دشمنانِ اسلام، خواہشاتِ نفسانی کے بندوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اچھا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ وہ مولانا مرحوم جن کو مدتوں سے آرزو تھی کہ کوئی وقت ہاتھ آئے کہ مولانا کی تذلیل و توہین کا سامان ہو۔ اُن کی آرزو پوری ہو گئی (۲) دنیا میں کوئی کتنا ہی صلح جو کیوں نہ ہو دشمن اور دوست سے خالی نہیں رہ سکتا۔ خصوصاً وہ ہستی جو کہ مرجع انام ہو جاتی ہے۔ اُس کے دشمن بھی بہت ہوتے ہیں ــــ اور ہر وہ فتوی جو درباره عدم استحقاقِ خلافتِ ٹرکی تھے دو مرتبہ پیش کئے گئے دونوں مرتبہ مولانا نے رد کر دیئے۔ اور جن لوگوں نے اُس کو لکھا تھا سخت کلمات استعمال کئے مجمع عام میں اُن کو پھینک دیا۔ چونکہ یہ فتوے باشارہ یا بامر گورنمنٹ تھے اسلئے اُن کی وجہ سے گورنمنٹ کو اور بھی بدظنی کا موقع ہاتھ لگا۔ چنانچہ مولانا سے ان فتووں کی نسبت مصر میں سوال کیا گیا۔ مولوی عبدالحق حقانی وغیرہ ان فتووں کے محرک اور موجد تھے۔ سرحد افغانستان میں کبھی اُن ایام میں واقعات پیش آئے، اور گورنمنٹ کا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ چونکہ عام طور پر قبائل میں اس قسم کی تحریکات وہاں کے مولویوں کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہیں اور اکثر مولوی یاغستان یا افغانستان وغیرہ کے مولانا مرحوم کے شاگرد یا اُن کے معتقد ہیں۔ اس لئے دشمنوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اور بھی زیادہ موقع ہاتھ آ گیا اور یہ سمجھا گیا کہ جو تحریکات جہاد قبائل یاغستان میں ہو رہی ہیں وہ سب مولانا کے اشارہ سے ہیں۔ اس موقع پر بدخواہوں نے مولانا مرحوم کے جوش زمانۂ جنگ بلقان و طرابلس سے بھی گورنمنٹ کو بدظن کرنیکا نفع اُٹھایا خلاصۂ کلام یہ کہ اِدھر تو جنگ کے واقعات مولانا مرحوم پر اثر ڈال

رہے تھے۔ ادھر گورنمنٹ کو بدظنی بڑھتی جاتی تھی۔ دشمنوں کو بھی برابر موقع ہاتھ آرہا تھا۔ آخر کار نوبت بایںجا رسید کہ گورنمنٹ کو بہت زیادہ بدگمانی مولانا سے ہوگئی۔ بعض باخبر احباب نے مولانا سے عرض کیا کہ ان دونوں زیر قانون تحفظ ہند گورنمنٹ لوگوں کو اسیر کررہی ہے۔ چنانچہ مولوی ظفر علیخانصاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار مولانا محمد علی صاحب ایڈیٹر کامریڈ اور اُن کے بھائی مولوی شوکت علی صاحب وغیرہ نظیر بند ہوچکے ہیں۔ آپ کی نسبت بھی یہی فکر ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس زمانہ فتنہ میں جبکہ کوئی تحقیق واقعی طور پر نہیں ہوتی۔ آپ اپنی حفاظت کا کوئی سامان کریں۔ مولانا مرحوم کا قصد عرصہ سے حجاز کا تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دنوں حجاز کا سفر کیا جاوے اور کم ازکم مدتِ جنگ عمومی میں وہیں امن وامان کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغول بنے رہے۔ یہ آخری زمانہ عمر کا ایسے مسعود و مبارک سرزمین میں صرف ہونا نہایت افضل اور انسب ہوگا۔ اسلئے وہاں کی تیاری شروع کردی جو کہ یکبارگی وقوع میں آئی۔

مولانا کی حجاز کو روانگی

ماہ شوال ۱۳۳۳ھ میں قصداً فرمایا چونکہ مولوی عزیز گل صاحب خاص خادم کو اپنے وطن کی طرف جانا اور اپنے اکابر سے ملنا اور اجازت چاہنا ضروری تھا۔ اس لئے اُن کی واپسی کا انتظار فرمایا اس مدت میں سامانِ سفر قدرے مہیا ہوگیا۔ عالی جناب حکیم عبدالرزاق صاحب غازی پوری برادرِ بزرگ جناب ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اس سفر میں نہایت زیادہ مدد دی جس کے حضرت مولانا مرحوم ہمیشہ ممنونِ منت رہا کئے۔ حکیم صاحب موصوف مولانا سے پہلے بمبئی پہونچ گئے اور ہر قسم کا ضروری سامان سفر نہایت فراخ دلی کے ساتھ مہیا کردیا۔ بلکہ جائے قیام اور ٹکٹ وغیرہ کا بھی انتظام کافی طور پر کردیا۔

مولانا کے رفقائے سفر مولانا کی روانگی ایک معمولی شخص کی روانگی نہ تھی۔ بہت سے ارباب عقیدت استفاضہ یا خدمت کیلئے ساتھ ہو لیے۔ جن میں سے خاص خاص حضرات حسب ذیل ہیں:۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری۔ مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری۔ مولوی محمد میاں صاحب انبہٹوی۔ مولوی عزیز گل صاحب ساکن زیارت کاکا صاحب۔ حاجی خان محمد صاحب مرحوم۔ مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب دیوبندی۔ حاجی محبوب خان صاحب سہارنپوری۔ حاجی عبدالکریم صاحب سرونجی۔ وحید احمد وغیرہ

مولانا کے سفر کی نسبت افواہ عام لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ مولانا دیوبند سے ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ اور اب ہمیشہ حرمین شریفین میں عمر بسر فرمائیں گے۔ اور چونکہ مولانا مرحوم نے بخوف دغابات اپنی جائداد شرعی طریقہ پر ورثہ میں تقسیم کر دی تھی۔ اس لئے اور بھی لوگوں کو اس خیال میں تقویت ہوئی۔ مولانا نے ایک عرصہ تک کے لئے اپنے گھر کے مصارف کا بھی انتظام کر دیا تھا۔ اس خاص افواہ کی وجہ سے ہر اسٹیشن پر لوگوں کا بہت بڑا مجمع زیارت کے لئے موجود رہتا تھا۔ طلبا، مدرسہ نے اپنے اپنے اعزہ کو تاریخ روانگی سے تار کے ذریعہ مطلع کر دیا تھا۔ غرضکہ ہر اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے مصافحہ کرنا بھی سخت دشوار تھا۔ تشیع کرنے والے بھی بہت سے ساتھ ہو گئے تھے۔ دہلی میں مولانا مرحوم نے گاڑی میں قدرے تاخیر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب انصاری کی کوٹھی پر جا کر چار بھی نوش فرمائی اور بہت تھوڑی دیر قیام فرما کر گاڑی کے وقت اسٹیشن پر آ گئے۔ ناگدہ ریلوے سے روانہ ہوئے لاستہ میں رتلام، راندیر، میں بھی قدرے قیام فرمایا۔ کیونکہ ان مقامات پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص لوگ تھے۔ جنھوں نے سخت

اصرار فرمایا تھا۔

راندیر سے روانہ ہو کر بمبئی پہونچے اور انجمن محافظ حجاج کے آفس میں جس کو حکیم عبدالرزاق صاحب نے پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا قیام فرمایا۔ وہاں پر بھی مولانا کے زائرین کا ایک بڑا مجمع رہتا تھا۔ اگر انجمن کے کارکن انتظام کافی نہ کرتے تو غالباً مولانا کو آرام کی صورت ممکن ہی نہ ہوتی۔

بمبئی سے روانگی

وہ تاریخیں اکبر جہاز کی روانگی کی تھیں۔ اسی کے ٹکٹ مولانا مرحوم اور ان کے ساتھیوں کیلئے لئے گئے تھے۔ مولانا اور اُن کے خاص بعض خدام کے ٹکٹ سیکنڈ کلاس کمرہ کے اور باقی ماندہ کے چھتری یا تستی کے تھے۔ چنانچہ بروز شنبہ ۷ ذی القعدہ ۱۳۳۳ ہجری کو جہاز پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہو گئے۔ چونکہ اکثر ہمراہیوں کی طبیعت دریائی سفر سے مانوس نہ تھی۔ اسلئے عموماً اُن کو بدمزگی اور چکر وغیرہ کی شکایت رہی جس کی وجہ سے میوہ جات اور عمدہ غذائیں اس موقع پر صرف نہ ہوئیں جنکی بڑی مقدار حکیم صاحب نے مولانا اور اُن کے رفقاء کے لیے مہیا کی تھی۔ بلکہ بہت سی چیزیں ضائع ہوئیں۔ بوجہ ظہور جنگ ان دنوں قرنطینہ جزیرہ کامران سے اُٹھا لیا گیا تھا۔ اور قریب جدہ کے مقام سعد میں ہوتا تھا۔ چنانچہ جہاز نے وہاں لنگر ڈالا اور مولانا اپنے رفقاء کیساتھ اُترے اور ایام قرنطینہ نہایت عافیت سے انجام دے کر جدہ پہونچے۔

خفیہ پولیس کی افواہ

بمبئی میں سوار ہوتے وقت بعض لوگوں نے مولانا کے رفقاء سے یہ کہا کہ تقریباً آٹھ دس آدمی تمہارے ساتھ خفیہ پولیس کے ہیں اُن سے احتیاط رکھنا (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط) چونکہ یہ بات اہل جہاز کو معلوم ہو چکی تھی کسی شخص سے

جو کہ غالباً جدہ یا مکہ معظمہ کا رہنے والا تھا اُس کو ٹرکی پولیس تک پہونچا دیا۔ اور جو لوگ مشتبہ تھے اُن کے نام ونشان بتا دیئے اور کہہ دیا کہ یہ لوگ مولانا پر مسلط ہو کر آئے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کا خیال نہ مولانا کو تھا اور نہ اُن کے رفقاء کو۔ ٹرکی پولیس نے فوراً ان لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مولانا مرحوم کی خدمت میں پولیس کا افسر تصدیق کرانے کیلئے حاضر ہوا۔ مولانا خود تو آفس میں نہ گئے مگر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہ کو بھیج دیا۔ چونکہ واقعی طور پر کوئی یقینی بات تھی ہی نہیں۔ اسلئے مولوی صاحب موصوف نے یہی بیان دیا کہ ہم کو کوئی یقین ان لوگوں کے سی۔ آئی۔ ڈی ہونے یا مولانا پر تسلط کئے جانے کا نہیں ہے۔ ہم کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکتے جس کا ہمکو علم نہیں۔ مگر پولیس نے اس جواب کو اس پر حمل کیا کہ چونکہ ان لوگوں کو پھر ہندوستان جانا ہے اسلئے صحیح طور پر اپنی معلومات کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ الحاصل ٹرکی پولیس نے ان لوگوں زیر حراست رکھا اور اسی طرح ان کو حج کرا کر یہ کہا کہ اگر تم اپنے محافظ سپاہیوں کا خرچ دو تو تمکو مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ تم کو ہندوستان واپس ہونا پڑے گا چونکہ ان لوگوں کے پاس اسقدر خرچ نہ تھا اس لئے وہ بمبئی واپس کر دیئے گئے۔

افواہ بعض خفیہ کے افسروں کا بیان ہے کہ جب مولانا مرحوم بمبئی پہونچے تو وہاں کے افسر پولیس کے پاس تار آیا کہ مولانا کو بمبئی میں گرفتار کر لیا جائے اور آگے جانے نہ دیا جائے۔ مگر چونکہ مولانا کے پاس بہت بڑا مجمع رہتا تھا اس لئے بمبئی کے مقامی حکام کو بلوہ کا خوف ہوا۔ اور اس وجہ سے اُنھوں نے عملدرآمد سے پہلو تہی کی۔ پھر دوسرا حکم روانگی کے بعد جہاز کے کپتان کے پاس پہونچا کہ مولانا کو جدہ میں اُترنے نہ دیا جائے بلکہ جہاز ہی پر گرفتار کر لیا جائے مگر یہ حکم اس کے پاس اُسوقت پہنچا جب کہ مولانا جزیرہ سعد میں برائے قرنطینہ اُتر

چکے تھے اس لئے ہمیں معذوری رہی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں بیان کہاں تک صحیح ہیں) مگر ہمکو معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے۔

مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی

۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اونٹوں کی سواری پر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور اٹھائیسویں کو مکہ معظمہ میں شب بحرہ گذار کر شام کو داخل ہوئے وہ زمانہ طبعی طور پر حجاج کے ہجوم کا ہوتا ہے مگر چونکہ جنگ کی وجہ سے بہت ملکوں سے حجاج کی آمدورفت بند یا کمی پر تھی۔ اس وجہ سے حسب دستور ہجوم میں کمی ضرور تھی۔ مگر تاہم مکہ معظمہ کی گلیاں اور مکانات مسافرین سے لبریز تھے۔ حرم محترم میں بھی لوگوں کی کثرت تھی۔ مولانا مرحوم طوافِ قدوم وسعی وغیرہ ادا کرنے کے بعد احباب سے ملنے اور ادائے عبادات میں بدل وجان مشغول ہوئے۔

مولانا مرحوم کے مطوف

مولانا مرحوم نے حسب مشورہ مولنا مرتضیٰ حسن صاحب ودیگر حضرات سیّد ابین صاحب عاصم کو مطوف بنایا تھا۔ سیّد صاحب موصوف حقیقت میں ایک نہایت شریف الطبع خوش خلق آدمی ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ معاملہ اُس کی حیثیت اور قابلیت کے موافق کرتے ہیں حجاج کو عموماً اُن کی ذات سے راحت پہنچتی رہی اور چونکہ خود بھی صاحب علم ہیں ادائے مناسک میں حتی الوسع احکام شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ عام مطوفوں کی طرح اُن کے معاملات پیچیدہ نہیں۔ سید صاحب موصوف میں مروّت بہت زیادہ ہے۔ شریف سابق یعنی شریف علی کے زمانہ میں ان کو نہایت وسعت اور دولت حاصل تھی زمانہ کے انقلابات نے اُن پر اس زمانہ میں بہت زیادہ گرانباری کردی ہے۔ جس کی وجہ سے مقروض رہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے سال گذشتہ میں

مجبور ہو کر ہندوستان آئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سید صاحب ممدوح نے مولانا اور اُن کے رفقاء کے ساتھ نہایت آدمیت اور شرافت کا معاملہ رکھا ہم جملہ متوسلین مولانا مرحوم کے اُن کے خاص طور سے شکر گذار ہیں۔

سید صاحب موصوف نے سفر حج کا حسب عادت انتظام کیا اور آٹھویں کو قافلہ روانہ ہو کر شب کو منیٰ میں اور صبح کو عرفات میں پہونچا اور پھر تمام مناسک بفضلہ تعالیٰ نہایت کمال کے ساتھ ادا کیے گئے۔

مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر اسی سال مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی سفر حجاز کا قصد فرمایا تھا اور مولانا موصوف کا یہ خیال تھا کہ اگر ممکن ہوا تو ایک مدت دراز تک سرزمین حجاز خصوصاً طیبہ مبارکہ سے استفادہ حاصل کریں اور اشغال باطنیہ اور فیوضات ظاہریہ سے خلق اللہ کی ہدایت میں حسب استطاعت دلچسپی لیں۔ لیکن چونکہ یہ خیال مولانا صاحب کا مدت سے پختہ ہو کر تعیین تاریخ وغیرہ تک کرا چکا تھا۔ اور اُس وقت تک مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ارادہ مصمم نہ کیا تھا۔ اس لئے سفر میں رفاقت نہ ہو سکی بلکہ مولانا خلیل احمد صاحب کچھ عرصہ پہلے ہندوستان سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہونچ چکے تھے اُن کے ساتھ کوئی مجمع کثیر بھی نہ تھا۔ فقط ان کی اہلیہ صاحبہ اور حاجی مقبول احمد صاحب اور بعض حضرات دیگر ہمراہ تھے۔ چونکہ مطوف مولانا موصوف کا سید مرتضیٰ تھا۔ اسلئے حج میں بھی دونوں حضرات کی رفاقت نہ ہو سکی کیونکہ ہر ایک کے شتربان مغائر تھے اور وہ سب علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ مدینہ منورہ کے سفر میں بھی اگرچہ قافلہ ایک ہی تھا مگر اتحادِ کلی نہ ہو سکا۔ شتربان دُور دُور رہتے تھے۔

مکہ معظمہ سے روانگی تیرہویں تاریخ کی شام کو حسبِ عادت منیٰ سے واپس

ہوئے اب مدینہ منورہ کی روانگی کی فکر میں شروع ہوئیں۔ انہیں ایام میں حاجی خان محمد مرحوم نے ملک عدم کا قصد فرمادیا۔ اونٹوں کے کرایہ، شغادف کی درستی، سامان سفر کی فراہمی، تبریز وغیرہ میں سات آٹھ دن لگ گئے۔ الحاصل ۲۱ ذی الحجہ بروز دوشنبہ ۱۳۳۳ھ کو قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ سید امین عاصم صاحب نے اپنے شتربانوں کے سردار کو مولانا مرحوم اور اُن کے رفقاء کے لئے منتخب کیا اور اس کو مولانا کی راحت رسانی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے تمام راستہ میں بہت ہی زیادہ آدمیت اور شرافت سے کام لیا نماز ہمیشہ مولانا مرحوم اور اُن کی جماعت اتر کر باجماعت ادا فرماتے تھے۔ یہ شتربان یا تو اسوقت تک اونٹوں کو روکے رکھتا تھا یا قافلہ چلنے دیتا۔ اور خود مع دو ایک آدمیوں کے بندوق لئے ہوئے حفاظت کرتا تھا۔ یہانتک کہ نماز سے فراغت ہو جاتی اور پھر سب اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو جاتے تھے۔

راستہ کا انتظام موجودہ رفقاء میں سے مولوی مطلوب الرحمن صاحب تو مکہ معظمہ ہی سے ہندوستان واپس ہو گئے تھے۔ کیونکہ اُنکی ملازمت سرکاری تھی اور رخصت اس قدر نہ تھی کہ وہ مدینہ منورہ سے لوٹ کر ملازمت پر وقت سے پہلے پہونچ سکیں اور شاید خرچ میں بھی کچھ کمی تھی۔ باقی ماندہ حضرات سب ساتھ تھے۔ مولانا مرحوم نے حسن انتظام کے لئے ابتداء ہی سے مولانا عزیز گل صاحب کو امیر قافلہ بنادیا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص دلچسپی ہے اور منجملہ دیگر کمالات کے اس میں بھی اُن کو خاص کمال ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور جملہ خدمتیں انجام پاتی تھیں۔ چونکہ تمام رفقاء اہل علم اور ایک مذاق کے تھے۔ اسلئے نہایت خوش اسلوبی سے یہ سفر فرحت و سرور کے ساتھ طے ہوا۔

مولانا پر ایک اتہام

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس خبر کی غلطی بھی کھول دی جائے جس کو دشمنوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک پہونچائی تھی۔ اور جس سے سوال ہم سبھوں سے بار ہا کیا گیا۔ گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہونچائی گئی کہ مولانا مرحوم نے مدت قیام مکہ معظمہ میں غالب پاشا گورنر حجاز سے ملاقات کی اور ایک تحریر اہل ہند کے ورغلانے اور ترکوں کے ہر طرح ممد و معاون ہونے وغیرہ کے حاصل کی جس کو مولوی محمد میاں صاحب مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ہندوستان میں اس کو لوگوں نے دیکھا میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی غیر واقعی افواہوں پر گورنمنٹ کیونکر کان دھرتی ہے اور ہر کس و ناکس کے غیر معقول بیان پر اعتبار کر لیتی ہے۔

مولانا کا ملنا غالب پاشا سے یا تو قبل از حج ممکن تھا یا بعد از حج مگر تمام عالم کو معلوم ہے کہ غالب پاشا طائف میں رہتا تھا۔ خصوصاً ایام گرما میں۔ اس لئے اس سے ملاقات قبل از حج مکہ میں ممکن ہی نہ تھی غالب پاشا اس سال بھی طائف سے سیدھے روانہ ہو کر عرفات میں آکر شریک حج ہوا تھا۔ مولانا مرحوم بھی حج سے پہلے مکہ معظمہ سے باہر کہیں تشریف نہیں لے گئے۔ البتہ حج کے بعد وہ مکہ معظمہ آیا۔ مگر چونکہ محمل شامی آیا ہوا تھا۔ اور اُس کے مہتمم وزیر جنگ انور پاشا کے والد ماجد تھے۔ اس لئے گورنر موصوف کو اپنے رسمی کاروبار سے اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ کسی سے بات تک کر سکتے۔ تمام محمل کے انتظامات، خزانہ کی افکار و انور پاشا کے والد ماجد کی تکریمات، حج کے انتظامات، شہر کی کارروائیاں، دُور دراز سے آنیوالے ترکی افسروں سے ملاقات، وغیرہ وغیرہ اس قدر کاروبار تھے جنکی بنا پر اس کو اتنی مہلت کہاں تھی کہ مولانا سے ابتدائی ملاقات اور ربط و ضبط کی نوبت آئے۔ اور پھر وہ روابط اس درجہ کے قابل اعتماد ہو جائیں کہ شاہی عہد نامے اور وثائق کے

تنظیم و تسطیر کی نوبت آئے۔ ایسے معاملات میں تو مہینوں گذر جاتے ہیں۔ اِدھر مولانا کو آدکار سفر مدینہ منورہ اور اُس کے انتظامات، مختلف طبقات کے ہندوستانی حجاج کی ہر وقت آمد و رفت جن کا ہجوم ہمیشہ مولانا کے پاس لگا رہتا تھا۔ شوقِ ادائے عبادات و حرم محترم جو کہ مدتہائے دراز کے بعد نصیب ہوا تھا کہاں ایسی باتوں کی مہلت لینے دیتی تھی۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ غالب پاشا محمل کے روانہ ہوتے ہی طائف لوٹ گیا۔ نہ وہ ترکی زبان کے سوا اُردو فارسی وغیرہ جانتا تھا (عربی کے دو چار ضروری الفاظ کے علاوہ گفت و شنید سے بھی واقف نہ تھا)
نہ مولانا کو ترکی زبان سے واقفیت۔ مولانا کے لئے وہاں کوئی وسیلہ بھی ایسا نہ تھا جسکی وجہ سے ایسے بڑے حکام کے یہاں تک کی رسائی ہوتی اور نہ ہی مولانا کو مدت العمر حکام اور اہل دُنیا سے قلبی میلان تھا۔ پھر باوجود ان امور کے نہ معلوم گورنمنٹ نے کہاں سے اس غالب پاشا کے وثیقہ کے خواب پریشان دیکھے اور اُن پر یقین کر لیا۔ اسی طرح گورنمنٹ کو لوگوں نے جو کہ حقیقتاً گورنمنٹ کے دوست نما دشمن ہیں۔ بہت سے غلط سلط دھوکے دیئے ہیں جن کی غلطی واقعات نے آفتاب کی طرح روشن کر دی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا کو اسلام کی ہمدردی اور دینی حمیت بہت زیادہ تھی اور بایں ہمہ اپنے ملک اور قوم کی آزادی کا نہایت زیادہ خیال تھا۔ اس میں وہ ہمیشہ بیچاں رہا کرتے تھے۔ طرح طرح کی تدبیریں اور کاروائیاں بھی عمل میں لاتے رہتے تھے۔ مگر گفتگو اس میں ہے کہ مولانا ان مقاصد کیلئے کسی خارجی حکومت سے مدد لینا اور اُس سے گورنمنٹ کو ضرر پہونچانا چاہتے ہوئے کوئی ایسی عملی کارروائی کر رہے تھے یا نہیں۔ دشمنوں نے تو گورنمنٹ کو اسی کا ہوا دکھا کر مولانا سے بدظن بنا دیا تھا۔ گورنمنٹ اندروں ملک آزادی

کی کوشش اور قانونی حدود میں ہمدردی اسلامی کے اعمال کو جب کہ وہ امن و سکون سے ہوں نہیں روکتی اور نہ برا سمجھتی ہے وہ آزادی کے پروپگنڈے کو ہندوستانی نا قابلیت کا معیار خیال کرتی ہوئی مدتوں سے اسی کی خواہشمند ہے۔ اس کے ذمہ دار وزراء اور بادشاہوں کے صاف الفاظ میں وعدے اور وعید ہیں۔ اور جملہ عقلائے انگلستان اس کے گویا ہیں کہ ہندوستان کو بوقت قابلیت و استعداد پوری آزادی دیدیں گے۔ چونکہ فطرت نے قابلیت کا معیار طلب صادق رکھ دیا ہے، اس لئے جب ہندوستان میں قابلیت پیدا ہوگی تو طلب صادق ضرور بالضرور ہوگی۔ اور جب طلب صادق ظہور پذیر ہوگی۔ جب ہی قابلیت کا علم ہوگا۔ معدہ میں جب ہضم غذا کی استعداد پیدا ہوتی ہے جب ہی بھوک معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ظہور بھوک سے حکیم حاذق معدہ کی قابلیت کو پہچانتا ہے۔ نوجوان مرد اور عورت میں جب کہ قابلیت تولید پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت ایک دوسرے کی طلب ہوتی ہے۔ فطرت کے قوانین کو اگر جا بجا دیکھا جائے تو اس کی سینکڑوں نظیریں مل سکیں گی۔

غرضکہ جو اسباب طلب صادق کی عوام و خواص میں ہونی چاہئیں۔ اُن کے لئے کوشش کرنا گورنمنٹ کے عین مقصد میں مدد دینا ہے۔ اسی لئے گورنمنٹ کے نزدیک یہ امر نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے ہاں دول خارجہ کے تعلقات کو البتہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جس کی بہت سی افترا پردازیاں دشمنوں نے کیں مگر الحمدللہ کوئی بھی پایہ ثبوت کو نہ پہونچ سکی۔ اور نہ اُن میں واقعیت کی جھلک تھی۔

لوگوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ بھی پہونچایا کہ مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا کے تحریری وثائق اور عہود حاصل کرکے مولوی ہادی حسن صاحب

کے ذریعہ سے فلاں صندوق میں جس میں فلاں کپڑے رکھے ہوئے ہیں۔ بھیجے ہیں۔ اس خبر پر فوراً دوڑا اور گارد مولوی ہادی حسن صاحب کے مکان پر اُن کی غیبت میں پہونچی اور مکان کی تلاشی لے کر صندوق کو دیکھا پھر ہر ہر تختہ کو توڑا مگر کچھ بھی نہ نکلا اور نکلتا کیسے جبکہ کوئی شئے ہو ہی نہیں تو کہاں سے نکلے۔ مگر دشمنوں نے گورنمنٹ کو دھوکہ دینے میں کوئی فروگذاشت نہ کی۔ ایسے اعمال سے غالباً اتنا نفع تو ضرور ہو گیا کہ گورنمنٹ کو بھی کچھ پتہ چل گیا کہ اکثر باتیں لوگوں کی مولانا کے حق میں خلاف واقع ہیں بلکہ شخصی اغراض پر ان کا دارومدار ہے۔

مدینہ منورہ میں داخلہ

اہل مدینہ منورہ جو کہ بذریعہ سانڈنیوں کے حج کو ہمیشہ جایا کرتے ہیں اور سب سے پہلے واپس آجاتے ہیں۔ وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں مل چکے تھے۔ ادھر خطوط سے مولانا کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اسلئے ماہ محرم الحرام کی ابتدائی اُن تاریخوں میں جن میں قافلہ کی آمد آمد تھی ایک بڑی جماعت اہل علم وفضل کی مدینہ منورہ سے باہر مولانا کے استقبال کو بیر عروہ تک جو کہ شہر پناہ کے دروازہ باب عنبریہ سے تقریباً دوڈھائی میل ہے نکلا کرتی تھی اور دن بھر وہاں قیام کرتی کھانا اور چائے وغیرہ کا انتظام کرکے وہاں انتظار کرتی۔ اور بالآخر جب مولانا کو نہ پاتی تو شام کو لوٹ آتی۔ چار اور پانچ محرم کو ایسا ہی واقعہ ہوا۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ قافلہ مکہ معظمہ سے نکلتا تو ایک ہی دن ہے۔ مگر راستہ میں چند منزلوں کے بعد الگ الگ ہو جاتا ہے۔ جس کے اسباب مختلف ہیں۔ اول تو یہ کہ اگر پورا قافلہ ایک جگہ ٹھہرے تو بسا اوقات کنوے کا پانی سب کو کافی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر شتربان

مدینہ منورہ کے اطراف وجوانب کے قبائل میں سے ہوتے ہیں وہ اپنے مکانوں پر جانے کی غرض سے اپنے گاؤں کی طرف سے گذرتے اور قریب کے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے ایک دو دن وہاں ٹھیرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ بعض مختصر راستے ہیں وہ اُن کو مرغوب ہوتے ہیں۔

الحاصل مکہ معظمہ کا قافلہ مولٰنا کی تشریف آوری سے دو تین دن پہلے سے داخل ہورہا تھا بالآخر ۶ محرم بروز دوشنبہ صبح کو قریب ۹ یا ۱۰ بجے مولٰنا بیرعروہ پر پہونچے استقبالیہ جماعت موجود تھی۔ لوگوں کو خبر ہوئی۔ جوق جوق جماعت اہل علم اور فضل کی نکلی اور مولانا مرحوم و نیز مولانا خلیل احمد صاحب کی قدمبوسی سے مستفیض ہوئی ہر دو حضرات مع جملہ رفقاء راقم الحروف کے مکان پر فروکش ہوئے اہل شہر ائمہ وخطباء رؤساء وغیرہ وغیرہ میں دھوم مچگئی کہ ہندوستان کے آفتاب نے بارگاہ نبوت کی خاک روبی کا قصد کرکے عتبۂ عالیہ پر جبہہ سائی کی ہے۔ چنانچہ تمام دن لوگ قدمبوسی کے لئے آتے رہے اور شہ نشین میں جو کہ اسی واسطے مزین کی گئی تھی۔ مشرف ہوتے رہے تقریباً تین چار دن تک ہجوم زواروں و مسافرین سے نہایت ہی زیادہ چہل پہل رہی۔

مولانا کے رفقاء کا سفر

بالآخر مولانا کے رفقاء کے سفر کا وقت آگیا۔ مولانا ہر ایک کی وطنی ضرورتوں اور ملازمت اور قرابت کے علائق سے بخوبی واقف تھے۔ سبھوں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو چکے ہو وطن کو واپس چلے جاؤ میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جملہ رفقاء بجز مولانا عزیرگل صاحب مولوی ہادی حسن صاحب اور وحید احمد صاحب سب روانہ ہوگئے۔ جن میں مولانا مرتضٰی حسن صاحب مولوی محمد میاں صاحب۔ حاجی عبدالکریم صاحب۔ حاجی محبوب خاں صاحب۔

مولوی محمد سہول صاحب وغیرہ حضرات تھے۔ ادھر مولانا خلیل احمد صاحب کے رفقاء بھی روانہ ہو گئے۔ فقط مولانا صاحب معہ اہلیہ و حاجی مقبول احمد صاحب باقی رہ گئے۔ اس زمانہ میں طلباء و مدرسین مدینہ منورہ نے ہر دو حضرات سے اصرار کیا کہ ہمارے استفادہ کے لئے بعض کتابیں شروع کرا دیجئے۔ علاوہ اس کے بہت سے علماء اور طلباء نے حسب قاعدۂ اسلاف اوائل کتب حدیث سُنا کر اجازت بھی لی۔ خلاصہ یہ کہ مولانا نے بخاری شریف اور بعض دیگر کتب حدیث لوگوں کے اصرار پر شروع کرا دیں۔ تقریر عربی میں فرماتے تھے۔ طلباء اور مستفیدین کا جو کہ اکثر وہاں کے مدرس اور معتبر عالم تھے اسقدر مجمع ہوتا تھا کہ مکان میں جگہ بمشکل ملتی تھی مولانا نے حلقۂ درس حرم محترم میں اپنی کسر نفسی کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا بلکہ مکان ہی پر پڑھاتے تھے۔ دوسری بعض کتابوں کا درس مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی اس مزید اصرار کی بناء پر شروع کرا دیا تھا۔

ٹرکی پولیس چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اس لئے ہر گورنمنٹ اپنے یہاں کی فکر زیادہ رکھتی تھی۔ ٹرکی پولیس کو بھی اس کا خیال تھا۔ جو لوگ زائرین کے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے۔ اُن کی خفیہ طور پر نگرانی شروع کر دی اور جن لوگوں پر کسی قسم کا شبہ ظاہر ہوا اُن سے معمولی طور پر اظہار و تفتیش کی نوبت آئی اور پھر مشتبہ لوگ نظر بند ہو کر سوریا (شام) کو روانہ کر دیئے گئے۔ اور وہاں سے بعد از تفتیش ایشائے کوچک وغیرہ میں تا اختتام جنگ نظر بند ہو گئے۔ رضائیہ فرقہ کے لوگ جن کو سوائے فساد اور نفسانی خواہشات کے دُنیا میں کوئی مقصد نہیں۔ نہ ان کو اسلامی ہمدردی ہے نہ حقانیت کی تلاش نہ ان کو خوف آخرت ہے نہ پاس ملامت اہل بصیرت پر اُن کے نمایاں کارنامے اسوقت بھی ظاہر و باہر ہیں۔ اُنھوں نے اپنے پرانے بغض اور عداوت

کا موقع پایا اور پولیس کمشنر عزتی آفندی جلبی تک رسائی پیدا کر کے اس کے کانوں کو بھرا کہ یہ دونوں حضرات انگریزوں کے خفیہ اور سی۔ آئی۔ ڈی ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہاں مقیم ہوئے ہیں۔ ورنہ ایسے پر آشوب زمانہ میں اُن کے یہاں آنے اور قیام کرنے کے کیا معنی۔ غرضکہ اس قسم کی بہت سی باتیں خلاف واقع اس کو پہنچا کر بدظن کر دیا اور پھر موقع پا کر عقائد کے متعلق (جو نا روا پہلا طائفہ کا ہے) بھی نیش زنی کر کے اس کو اور بھی برانگیختہ کیا۔ اس لیے جوش اسلوبی سے آسکے تصفیۂ خیالات کی کوشش کی گئی اور اس میں ابتدائی میں کامیابی بھی ایک درجہ تک ہو گئی ہوتی۔ ہونی شدنی بات ہو کر رہتی ہے۔ ادھر جدہ سے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اُردو کے طویل خطوط خلاف قانون[1] بلا واسطہ آئے اور بالا بالا پولیس کے ہاتھ لگ گئے اُدھر محض حسن ظن پر دو غیر معلوم شخصوں کیلئے بعض اکابر کا سعی فرمانا اور اُنکی براءت کی کوشش کرنی جن کی نسبت پولیس نے اپنے خیالات جما لئے تھے۔ پھر بعض بے عنوانیوں کے ظہور نے پولیس کمشنر اور اسکے بہی خواہوں کے خیالات میں سخت تغیرات پیدا کر دیئے جن کی بناء پر اُس نے گورنر مدینہ منورہ بصری پاشا کو بھی دونوں حضرات سے بدظن کر دیا۔ خود پولیس کمشنر بھی ایک بدطینت شخص تھا۔ اسکو بھی رضائیوں کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے کچھ آہٹ ہو گئی۔ اس نے دونوں حضرات سے کچہری میں بلا کر کچھ بیانات لئے اور کاغذات مرتب کر کے شام (دمشق) جہاں پر کمیٹی تحقیقات تھی بھیجے۔ اُس زمانہ میں شام میں قوانین مارشل لا جاری تھے جبکی

---

[1] کیونکہ اس وقت میں سوائے عربی اور ترکی زبان کے دوسری زبانوں میں خط بھیجنا قانوناً منع کر دیا گیا تھا۔ اور اسیطرح بغیر واسطہ ڈاکخانہ دوسری زبانوں میں منع تھا ۱۲ منہ

بنا پر ہمیشہ یہ خیال تھا کہ دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مدینہ منورہ کے عموماً عہدیدار بڑے بڑے روساء وخطباء وآئمہ وغیرہ اگران حضرات کے معتقد اور جاں نثار نہ ہوتے تو وہ کمبخت ضرور دست درازی کر بیٹھتا مگر اس خوف نے اس کو مجبور کیا کہ اوپر سے حکم منگائے۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اس درمیان میں شام کی طرف سفر کرنا چاہا اور اجازت چاہی جسکی وجہ بیت المقدس جیسے مبارک مقام اور انبیاء وصلحاء شام کے مزاروں کی زیارت کے سوا اور کیا ہوسکتی تھی۔ مگر اس نے اسکو بھی وجوہ اشتباہ قرار دار دیا۔ اکابر مدینہ منورہ مثل مفتی احناف وغیرہ اس کی اس شہک حرکتی اور شرارت سے سخت بیزار تھے۔ مگر بوجہ زمانہ جنگ واجراء قوانین مارشل لاء دم نہیں مار سکتے تھے اور یہی خاص وجہ رضائیوں کے سر اٹھانے کی واقع ہوئی۔ ورنہ ان کے تو پہلے سے چھلکے عرصہ دراز سے ہو چکے تھے انہیں احوال میں یکبارگی خبر آئی کہ وزیر جنگ جناب دولتلو انور پاشا حضرتلری اور جناب دولتلو جمال پاشا حضرتلری وزیر بحریہ وقوماندان فیلق رابع معہ دیگر جنیلوں وغیرہ کے مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں۔ حکومت کے جملہ ارکان انتظام اور استقبال کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ موقع نہایت مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت میں پولیس کی شرارتیں کھول لی جائیں جس سے فقط اپنا تحفظ مقصود تھا۔ کسی دوسرے کو ضرر پہونچانا مطلوب نہ تھا جو جماعت انور پاشا کے ساتھ آئی تھی۔ اس میں دمشق کے نقیب الاشراف بھی تھے جو کہ وہاں کے سادات کے رئیس اور ٹرکی حکومت کے بہت بڑے معتمد تھے۔ اور چونکہ پہلے بھی یہ ماہ ربیع الاول میں بمعیت علماء شام وسوریہ مدینہ منورہ میں آ چکے تھے اور بواسطہ آفندی اسعد صاحب خالدی ان سے ملاقات دونوں

حضرات کی ہو چکی تھی اور ان کو دونوں حضرات سے بہت زیادہ خوش عقیدگی اور محبت پیدا ہو گئی تھی۔ ان کو اس وقت میں پولیس کی بعض شرارتوں کی بھی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس سفر میں جناب جرنیل جمال پاشا سے مولانا کے تعارف کی کوشش کی ادھر مفتی احناف جناب مامون آفندی بری شیخ علماء مدینہ منورہ نے بھی اس طرف خاص توجہ کی۔

انور پاشا اور جمال پاشا مدینہ منورہ میں

چونکہ امور جنگ کا انتظام سب انور پاشا کے ہاتھ میں تھا اور نیز محاذ جنوبی اور غربی یعنی میدان سویز، سینا۔ حجاز، یہ جمال پاشا کے متعلق اور ان کی کمان میں تھا۔ اس لئے جمال پاشا تو فقط اپنے محاذ پر مقیم تھے اور بضرورت دوسری جانب کو بھی جاتے تھے مگر پھر وہیں لوٹ آتے اور فوجی کمانڈاری کرتے تھے۔ مگر انور پاشا مرکز کی محافظت کرتے ہوئے ہر میدان جو کہ تقریباً گیارہ یا بارہ تھے اپنے آپ کو پہنچاتے تھے اور جنگی احوال اور ضروریات کو ملاحظہ کرتے تھے۔ جب وہ سوریہ میں آئے اور سویز وغیرہ کے میدانوں کے دیکھنے سے فارغ ہوئے تو قصد کیا کہ بادشاہ دوجہاں وسیلۂ دنیا و آخرت حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جائیں اسلئے بمعیت جماعت عظیم روانہ ہوئے ایک خاص اسپشل میں روانگی کی خبر آئی اور اگلے دن بروز جمعہ تقریباً دس بجے دن کے اسپشل مدینہ منورہ پہنچی چونکہ یہ ایک پہلا موقعہ تھا کہ ایسے دو بڑے بڑے وزیر مع بہت سے جرنیلوں اور افسروں کے آئے ہوں۔ اس لئے بہت بڑا ہجوم اسٹیشن پر موجود تھا اور ہر طائفہ نہایت انتظام سے استقبال اور سلامی کے لئے وہاں موجود تھا۔ حکومت کا جو کچھ انتظام تھا وہ تو تھا ہی مگر اہل شہر

نے جو جو انتظامات اپنی عقیدت و اخلاص و محبت کیلئے کئے تھے وہ بھی نہایت دلچسپ تھے۔ جس وقت گاڑی اسٹیشن پر پہونچی تو اسٹیشن اندر اور باہر لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہر ایک کی آنکھیں انور پاشا کے دیکھنے کو اٹھیں مگر ایسے ہجوم میں دیکھنا کوئی آسان بات نہ تھی انور پاشا نے مدینہ منورہ کا سفر کرتے وقت اپنے افسری کے کپڑے اور نشانات وغیرہ فقط اس خیال سے کہ بادشاہ دو جہاں کی بارگاہ میں حاضری ہے غلام بن کر جانا چاہیئے اتار دیئے تھے۔ نہایت سادہ لباس پر بعض نشانات وعلامات افسری نمایاں تھے۔ ٹرین سے جس وقت دونوں وزیر معہ ہمراہیوں کے اترے تو اسٹیشن کے بڑے ہال میں میونسپلٹی (بلدیہ) کی طرف سے چار کی دعوت پیش کی گئی اور ایڈریس بھی اہل شہر کی طرف پیش کیا گیا جس پر اظہار شکریہ و مسرت طرف ثانی سے عمل میں آیا چونکہ جمعہ کا دن تھا۔ اس لئے مسجد نبوی میں پہونچنے کی جلدی کی گئی۔ اسٹیشن کے دروازے پر فٹن وغیرہ سواریاں موجود تھیں۔ گورنر مدینہ منورہ اور دیگر حکام نے سواری میں بیٹھنے کی آرزو ظاہر کی۔ مگر انور پاشا نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پیدل بارگاہ نبوت تک غلامانہ طریق سے چلیں گے۔ اہل شہر نے عجب طرح سے جلوس نکالا جو کہ قابل دید تھا۔ اہل تصوف کے مختلف حلقے مدینہ منورہ میں تھے سب کے سب علیحدہ علیحدہ مع اپنے مریدوں اور زرین جھنڈوں کے آگے آگے ذکر کرتے ہوئے اشعار مدحیہ اور دعائیہ پڑھتے جاتے تھے جن کی بڑی بڑی جماعتیں تقریباً آٹھ دس ہونگی۔ اسکے بعد حرم محترم نبوی کے مختلف خدام کی تھیں۔ موذنوں کی جماعت جس میں تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ آدمی تھے علیحدہ تھی۔ حرم کے جاروب کشوں کی علیحدہ اماموں کی علیحدہ خطیبوں کی علیحدہ یہ سب کے سب درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے حمد وصلوۃ دعا و ثنا

پڑھتے ہوئے اپنے رسمی لباس پہنے ہوئے چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے ان کے رفقا اور دیگر حکام تھے۔ ان کے بعد اہل شہر۔ دائیں اور بائیں ترکی فوجیوں کی زنجیریں (قطاریں) تھیں جو کہ تمام ہتھیار اور سامان سے مکمل تھے، اور دونو طرف قطار باندھے ہوئے خراماں چل رہے تھے۔ ان دونوں قطاروں کے باہر دائیں اور بائیں اور پیچھے اور مکانوں پر خلقت کا ہجوم تھا۔ جمال پاشا اور دیگر جرنیلوں وغیرہ کی نظریں کبھی کبھی دائیں اور بائیں بھی پڑ جاتی تھیں۔ مگر انور پاشا کی آنکھیں زمین سے لگی ہوئی تھیں۔ نہایت ادب اور احترام سے جا رہے تھے۔ جیسے کہ ایک شہنشاہ والاتبار کے سامنے کھڑے ہوں۔ اسی طرح یہ مجمع باب السلام تک پہونچا۔ باب السلام سے جب دست بستہ حرم نبوی میں داخل ہوئے ہیں اور مزوّر نے دعائے دخول پڑھانی شروع کی ہے تو انور پاشا کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں بہا رہی تھیں۔ اسی طرح گریہ کنان بادشاہ دو جہاں کے سامنے دونوں وزیر کھڑے ہوئے اور حسب اوامر شریعت بہ تلقین جناب شیخ الحرم حضرت سعید پاشا صلوٰۃ و سلام کی رسم کو پورا کیا۔

شیخ الحرم

پادشاہان روم اور خلفائے ترک نے جب سے کہ حرمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہے ہمیشہ دونوں حرم محترم کا اپنے آپکو خادم سمجھتے رہے اور اسی لفظ کو اپنے لیئے باعث نجات تصور کرتے ہوئے خطبہ میں داخل کیا گیا یہی نہیں کہ فقط زبانی جمع خرچ تھا۔ دو روز کے بعد جاتا رہا یا عمل میں نہ لایا گیا۔ بلکہ آخر دم تک یہ عمل جاری رہا۔ اسی بناء پر ہزاروں پونڈ ماہوار خالص خزینہ اور اوقاف سے دونوں مقدس مقاموں میں صرف ہوتا تھا۔ یہاں کے باشندے گورنمنٹ ترکی کو کسی قسم کا خراج یا عشر یا مالگذاری نہیں دیتے تھے۔ البتہ کچھ فی اونٹ شتربانوں سے لیا جاتا تھا

اور کچھ بندروں میں کسٹم تاجروں سے لیا جاتا تھا۔ جو کہ فیصدی دس تک تھا آخیر میں کچھ زیادتی بھی ہوگئی تھی مکانوں یا باغوں یا مزارع وغیرہ پر دونوں مقدس مقامات میں کچھ نہ تھا۔ بلکہ اُلٹے ہزاروں باشندے مختلف عنوانوں سے تنخواہیں اور وظائف پاتے تھے جن سے مقصد اصلی اہل حرمین شریفین کی پرورش تھی۔ مجھکو وثوق سے معلوم ہوا ہے کہ قبل از جنگ حرمین شریف کا خرچ گورنمنٹ ترکی پر تیس ہزار پونڈ ماہوار پڑتا تھا۔ فقط حرم محترم مدینہ کے آئمہ دو سو سے زائد تھے۔ موذنوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی، جھاڑو دینے والے ساٹھ سے زیادہ تھے۔ خطبہ پڑھنے والے چھپن سے زیادہ تھے۔ خواجہ سرا یعنی آغاوات خادمین روضۂ مطہرہ ساٹھ ستر آدمی تھے جن کی کم سے کم تنخواہ دو پونڈ ماہوار اور زیادہ سے زیادہ تیس پونڈ ماہوار تھی یہ مقدار خاص طور سے مقرر تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی طریقے ان کو عطا کرنے کے بہت سے تھے خلاصہ کلام یہ کہ اکثر اہل مدینہ خصوصاً اور بعض اہل مکہ عموماً دولت علیہ گورنمنٹ ترکی کی پرورش سے جیتے تھے۔

شاہان روم نے روزانہ خدمت روضۂ اقدس کے لئے اور علی ہذا القیاس خدمت بیت اللہ کیلئے ایک خاص شخص کو مقرر کر رکھا تھا جس کے ہاتھ میں ہر دو حرم کے کاروبار کا انتظام تو تھا ہی مگر اصلی وظیفہ یہ تھا کہ ہر روز خدمت جاروب کشی اور روشنی قندیل خادمانہ لباس پہن کر سلطان کی طرف سے ادا کیا کریں یہ شیخ الحرم استنبول کے بڑے خاندان کا اور بڑے رتبہ کا آدمی ہوتا تھا اسکی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد اس پر لازم تھا کہ حجرہ شریفہ یعنی روضۂ مطہرہ کی جاروب کشی کے لئے ان کا معینہ لباس زیب بدن کرتا اور حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر سلطان اور اپنی طرف سے صلوٰۃ و سلام

عرض کرکے دعا کرتا اور پھر جاروب کشی کرتا۔ اور اسی طرح شام کے وقت مغرب سے کچھ پہلے داخل ہوتا اور چند قندیلیں خلام کے ساتھ روشن کرتا اور یہ سب فعل اُس کا سلطان کے قائم مقامی میں شمار ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں شیخ الحرم سعید آفندی تھے جو کہ باعلم نہایت سمجھدار اور پرہیزگار شخص تھے۔ مولانا سے بھی ان کو خاص تعلق تھا۔ تصوف کی طرف اُن کی طبیعت بہت مائل تھی۔

روضۂ مسجد انور یا شاہ زیارت کرنے کے بعد روضہ شریف میں جا بیٹھے حجرہ مطہرہ کے درمیان میں واقع ہے اس کو روضہ یا ریاض الجنۃ کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ[1]۔

یہ مقام تمام مسجد شریف میں بہت زیادہ مقدس شمار کیا جاتا ہے اور احادیث اس کے فضائل میں بہت زیادہ ہیں کچھ عرصہ کے بعد جمعہ کی اذان ہوئی۔ خطبہ اور نماز کو حسب معمول ادا کیا گیا، پھر دونوں وزیر ہمراہیوں کے جائے استراحت پر تشریف لے گئے۔ بیرون باب المجیدی سید مدنی کا ہوٹل (دار السرور) ان کے قیام کے لئے تیار کیا گیا تھا میونسپلٹی کی طرف سے ہر قسم کا انتظام خورونوش وغیرہ کا تھا۔ الغرض وہاں جاکر بعد از جمعہ کھانا کھایا اور استراحت فرمائی۔ عصر کے وقت نماز کے لئے حاضر ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی شام کے وقت حجرہ مطہرہ میں خادمانہ لباس پہن کر قندیل روشن کرنے کے لئے بھی داخل ہوئے۔ پھر نماز مغرب باجماعت ادا کرکے قیام گاہ پر تشریف لے گئے، چونکہ پولیس کو ہمارے دونوں حضرات کی طرف سے بدظنی تھی جس کا

[1] میرے حجرے اور منبر کے درمیان میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ۱۲

پہلے ذکر ہو چکا ہے اس لئے جناب نقیب الاشراف صاحب موصوف نے چاہا کہ اگر ایسے میں حضرت مولانا کی جمال پاشا سے ملاقات ہو جاتی تو میں ایک اچھا موقعہ پولیس کے خطرہ کے دفعہ کرنے کا پاتا۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ قیامگاہ پر بعد از مغرب دونوں حضرات تشریف لائیں میں ملاقات کراؤنگا۔ مگر بدقسمتی سے جب ہم سب پہنچے تو وہ ہوٹل میں داخل ہو چکے تھے اور چونکہ ہوٹل کے دروازہ پر نہایت سخت پہرہ تھا۔ اس لئے ہم اندر داخل نہ ہو سکے۔ اور نہ کسی سے ملاقات ہو سکی۔

حکام مدینہ منورہ نے سخت پہرہ اس لئے بٹھا رکھا تھا کہ لوگ مخالف اخبار ان دونوں وزراء تک نہ پہنچائیں۔ جسکی وجہ سے انکی پوزیشن میں نقصان واقع ہوگا۔ علیٰ ہذالقیاس اہل حاجت کے ہجوم کا بھی زیادہ خیال تھا۔

انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

مفتی مدینہ منورہ اور شیخ العلماء یعنی مفتی مامون بری حضرات شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مرحوم و مغفور کے شاگرد تھے۔ ان کو ہمارے اکابر سے خاص تعلق تھا وہ بھی اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان حضرات کی عزت پر کوئی دھبہ نہ آوے اور کسی قسم کی تکلیف ان بزرگوں کو پیش نہ آوے۔ اگر زمانہ جنگ کا نہ ہوتا تو اس قدر فکر نہ ہوتی۔ مگر زمانہ جنگ کی وجہ سے حکم فوجی تھا۔ اہل سیاست کا زور نہایت کمزوری پر تھا۔ اس لئے زیادہ فکر تھی۔

شب کو انور پاشا نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبح کو اشراق کے بعد علمائے شہر کا مسجد شریف میں اجتماع ہو اور سب اپنی اپنی تقریریں سنائیں۔ چونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہر ایک کے حلقۂ درس میں جا کر تقریریں سنوں۔ اس لئے اس ایک مجلس میں منصرف

ہونا چاہتا ہوں۔ علی الصباح مفتی صاحب نے کاتب الحروف سے کہا کہ بہت زیادہ مناسب ہے کہ دونوں حضرات اس مجلس میں تشریف لائیں تاکہ مجھکو تعارف کرانے کا موقع ہاتھ آدے اور پھر میں مناسبت پاکر صفائی کرا دونگا۔ چنانچہ ہر دو حضرات تشریف لائے۔ صف اوّل میں مفتی صاحب موصوف بیچ میں بیٹھے اُن کے بائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تھے، اُن کے بائیں مولانا خلیل احمد صاحب، اُن کے بائیں کاتب الحروف تھا۔ اور اسی طرح اور دوسرے علماء تھے مفتی صاحب کے دائیں بھی بہت سے علماء تھے۔ شیخ الحرم صاحب خاص طور سے منتظم تھے۔ اُنھوں نے ہر دو حضرات سے خواہش کی کہ اگر دولتہ وزراء میں سے کوئی صاحب آپ سے تقریر کی خواہش ظاہر کریں تو آپ انکار نہ فرمائیں جب کہ مجمع پورا ہو گیا اور دونوں وزراء تشریف لے آئے تو اولاً اُنہوں نے مفتی صاحب سے تقریر کی خواہش کی۔ اُنھوں نے تھوڑی دیر فرمائی اُسکے بعد انور پاشا نے مولانا مرحوم سے خواہش کی مگر مولانا مرحوم نے انکار فرمایا۔ پھر اُنھوں نے مولانا خلیل احمد صاحب سے درخواست کی۔ لیکن دونوں حضرات نے یہ عذر پیش کیا کہ ہماری آواز نہایت کمزور ہے ہم تقریر نہیں کر سکتے اُسکے بعد کاتب الحروف کی طرف اشارہ ہوا۔ میں نے حسب لیاقت عربی میں تقریر کی اُسکے بعد دوسرے علماء نے تقریریں کیں۔ اختتام جلسہ پر مفتی صاحب اور شیخ الحرم نے اسی جلسہ میں مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب کا تعارف کرایا۔ آپسمیں مصافحہ ہوا۔ اور مزاج پرسی کی نوبت آئی۔ اس سے زیادہ نہ وہاں موقع تھا اور نہ وقت تھا مجمع بہت ہی زیادہ تھا۔ ہر دو وزراء اسی وقت اُٹھے اور اپنی قیامگاہ پر چلے گئے اور کھانا کھا کر ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے۔ مگر اس تعارف کی وجہ سے

مفتی صاحب اور دوسرے احباب کو موقع مل گیا کہ انھوں نے کھانا کھاتے وقت یا اور کسی وقت یہ عرض کر دیا کہ پولیس ایسے مقدس اشخاص کی نسبت ایذا رسانی کا قصد رکھتی ہے۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چونکہ مسلمانوں کا مرکز ہے یہاں پر ہر ملک کے لوگ مذہبی حیثیت سے آتے رہتے ہیں۔ ان پر یہ شبہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں چنانچہ شام پہونچکر جمال پاشا نے ایک خاص حکم بھیجا کہ حرمین شریفین میں دول متحاربہ کے رعایا کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو ہماری رعایا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس حکم کے آنے کے بعد پولیس کی تمام کارروائیوں پر پانی پھر گیا۔

ترکی گورنمنٹ انور پاشا نے اہل مدینہ اور خادمان حرم نبوی اور علماء وغیرہ کے لئے پانچ ہزار پونڈ دیئے جو کہ تقسیم کئے گئے بڑے علماء کو پانچ پانچ پونڈ اور دوسروں کو حسب مرتبہ کم یا زیادہ۔ جنکی تقسیم ایک جماعت کے ذریعہ سے کی گئی تھی جسکے رئیس شیخ الحرم صاحب تھے۔ چنانچہ انھوں نے پانچ پانچ پونڈ ان دونوں بزرگوں کو اور پانچ پونڈ کاتب الحروف کو بھیجے۔ حضرت مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب نے اُن کے لینے سے انکار کیا کہ ہم مستغنی ہیں ہم کو ضرورت نہیں مگر ادھر سے کہا گیا کہ یہ شاہی ہدیہ ہے صدقہ نہیں۔ اس لئے دونوں حضرات نے قبول فرما کر پھر کاتب الحروف کو دیدیئے جمال پاشا نے اہل حجاز کی حاجت دیکھ کر بارہ ریلوے گاڑیاں گیہوں سے بھری ہوئی مدینہ منورہ کے اہالی پر تقسیم کرنے کے لئے بھجوائیں مگر بدقسمتی سے اس کے تقسیم کا کام شریف حسین کے بیٹے کے سپرد کیا گیا۔ جو کہ ان دنوں بڑے وفادار اور خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔ اس لئے اسمیں اہل مدینہ کو بہت کم فائدہ ہوا۔ خود ان کے لوگوں اور فوج کو زیادہ فائدہ ہوا۔

انور پاشا نے پانچہزار گنی مکۂ معظمہ بھی وہاں کے لوگوں کے لئے بھیجیں۔ جن کو شریف صاحب کی تھیلیوں کی نذر ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ اسی طرح انور پاشا جہاں جاتے تھے وہاں کے ضعفاء فقراء مساکین پر تقسیم فرماتے تھے۔ حالانکہ جنگ کا زمانہ تھا۔ رعایا کو دینا تو درکنار ان سے لوٹ کھسوٹ کر چندہ کے نام سے قرض کے نام سے سینکڑوں طریقہ سے ہر جگہ ہندوستان میں وصول کیا جاتا تھا۔ مگر ٹرکی گورنمنٹ فقراء کا پیٹ بھر رہی تھی

مولانا کی نسبت افوہ

یہی وہ ملاقات ہے جسکی نسبت اصحاب اغراض نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ مولانا تو جمال پاشا اور انور پاشا سے ملے اور دیر تک خلیہ میں گفتگو کرتے رہے اور ان سے عہدنامے اور وثائق حاصل کیئے مگر افسوس ہے کہ ایسی دروغگوئی اور افترا پردازی پر کیونکر جرأت کی گئی۔ دونوں وزیروں کی مدینہ منورہ میں مدت اقامت کل ۲۴ گھنٹے کے قریب تھی جس میں ان کو ہزاروں کام درپیش تھے ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا اجتماع ہر وقت رہتا تھا۔ ان کو بات کرنے کی فرصت نہ تھی۔ شہر کے بڑے بڑے عمائد تو ان کے پاس پھٹک نہیں سکتے تھے پردیسی اور وہ بھی مولانا مرحوم جیسے زاہد اہل دنیا سے نفرت کرنے والے کب وہاں تک پہونچ سکتے تھے اور پھر وثائق اور عہدناموں کا لکھنا اور مقرر کرنا شروط کا لحاظ کرنا کیسے ہو سکتا تھا۔ مگر جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ کو خود اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو گیا تھا۔ کیونکہ گورمنٹ کو لوگوں نے بہکایا کہ مولانا مرحوم نے وہ کاغذات جو انور پاشا سے حاصل کیئے ہیں ایک صندوق میں اس کے تختوں میں سوراخ کرکے رکھ لیے ہیں اور اسی صندوق میں اپنے خاص خاص کپڑے رکھ دیئے ہیں جس کو

مولوی ہادی حسن صاحب اپنے ہمراہ جدہ سے لائے ہیں اور بمبئی سے اپنے مکان پر اسباب کے ہمراہ بھیج دیا ہے۔ بیچارے مولوی ہادی حسن صاحب اُس وقت نینی تال ہی میں تھے کہ اُن کے مکان پر دوڑ گئی۔ اور اس صندوق کو توڑ کر تختہ تختہ پارچہ پارچہ الگ الگ کر دیا گیا مگر کچھ نہ نکلا اس لئے گورنمنٹ کو بھی غالباً یقین ہو گیا کہ مولانا کی نسبت اکثر خبریں غلط افواہ تھیں۔

مدینہ منورہ سے روانگی

اس واقعہ کے بعد ہی مناسب سمجھا گیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو قافلہ جانے والا ہے اُسکے ساتھ وہاں کا قصد کیا جائے۔ اُن دنوں مدینہ منورہ میں خبر پہونچی تھی کہ ایک اگبوٹ ہندوستان سے مختلف سامان خصوصاً چاول لے کر چلا ہے اور عنقریب جدہ پہونچنے والا ہے چونکہ ان چند ماہ میں یعنی صفر سے جمادی الثانی تک کوئی آگبوٹ غلہ کا ہندوستان سے جدہ نہ پہونچا تھا۔ ادھر مصر کے آگبوٹ بھی وہاں نہ آتے تھے۔ بحر احمر بالکل بند تھا فقط اتحادیوں کے آگبوٹ اس میں آتے جاتے تھے۔ اسلئے عرب کے بندرگاہوں پر جملہ اشیاء تجارت کا آنا بند ہو گیا تھا۔ بادبانی کشتیاں پہلے پہل سفر کرتی اور افریقہ کے بندروں سے چیزیں خرید کر لاتی اور عرب کے بندروں پر پہنچاتی تھیں مگر انگریزی جہازوں نے ان کو بھی پکڑنا مال کا چھین لینا کشتیوں کا غرق کر دینا۔ قید کر کے لے جانا وغیرہ مظالم اسقدر برسائے کہ انکی بھی آمد و رفت بالکل بند ہو گئی۔ اس لئے تمام حجاز میں سخت گرانی پھیل گئی لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ مدینہ منورہ چونکہ ریل کی وجہ سے شام سے متصل تھا۔ اس لئے گیہوں آٹے وغیرہ کی تو یہاں گرانی نہ ہوئی مگر شکر۔ چاول۔ چاء وغیرہ اشیاء یہاں بھی سخت گراں ہو گئی تھیں۔

اُس قافلہ جانا اس لئے بھی ضروری معلوم ہوا کہ اب رمضان شریف کا

زمانہ قریب ہے۔ مکہ معظمہ میں رمضان کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ علاوہ ازیں مکہ معظمہ میں پولیس کی اسقدر سختی بھی نہ تھی۔ اور چونکہ مدینہ منورہ کا پولیس افسر ایک قسم کی پُرخاش رکھنے لگا تھا۔ اس لئے اس سے دُور ہی رہنا ضروری معلوم ہوا۔ پھر ہندوستان جانے کے لئے مکہ معظمہ سے قرب اور انتظام کا آسان ہونا بھی ظاہر تھا۔

خلاصہ یہ کہ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۴ھ کی بارھویں یا تیرھویں کو قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی عزیرگل صاحب، وحید احمد اور کاتب الحروف حسین احمد اور منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی تھے نیز جناب مولانا خلیل احمد صاحب معہ اپنی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب بقصد مکہ معظمہ ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے۔ مولوی ہادی حسن صاحب اس سے تقریباً دو ماہ پہلے مع حاجی شاہ بخش صاحب ساکن حیدر آباد سندھ روانہ ہوکر جدہ آ چکے تھے مگر اتفاق سے ان کو کوئی آگبوٹ ہندوستان جانے والا نہ ملا تھا۔ اس لئے دونوں صاحب، مکہ معظمہ ہی میں آ گئے تھے بایں خیال کہ جب آگبوٹ آجائیگا۔ اس وقت روانہ ہونگے۔ کیونکہ جدہ کی خبریں مکہ میں برابر پہونچتی رہتی تھیں۔

قافلہ مذکورہ جدہ روانہ ہوتا ہوا مکہ معظمہ اخیر ماہ جمادی الثانی میں پہونچا اور قریب باب العمرہ ایک مکان کرایہ پر لے کر قیام کیا گیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب مع متعلقین باب ابراہیم کے پاس قاری عبدالحق صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے۔ اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں گرمی بہت تھی۔ اِدھر طائف کا موسم تو بوجہ سردی خوب مناسب تھا ہی۔ وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے مزارات بھی ہیں جن کی زیارت کی غرض سے اکثر لوگ وہاں جایا کرتے ہیں۔ اہل مکہ عموماً گرمیوں میں مکہ معظمہ میں نہیں رہتے طائف

ہی میں چلے جاتے ہیں۔ مولانا نے بھی قصد فرمایا کہ طائف چلے جائیں، اور کچھ دنوں ٹھہر کر نصف شعبان سے پہلے مکہ معظمہ کو واپس چلے آئیں گے۔ چنانچہ بمعیت سید امین عاصم صاحب آمد و رفت کا اونٹ کرایہ پر لے کر ۲۰ر رجب ۱۳۳۴ھ کو روانہ ہو کر ۲۳ر یا ۲۴ر رجب کو طائف پہونچے۔ شہر پناہ کے باہر ایک باغ میں فروکش ہوئے جس کا انتظام سید صاحب نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ باغ کے بالائی حصہ مکان میں سید امین عاصم صاحب مع اپنے متعلقین تھے اور نیچے کے ایک حصہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس سفر میں مولانا کے ہمراہ فقط تین آدمی تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب وحید احمد اور کاتب الحروف حسین احمد۔

طائف طائف حقیقتاً ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ مگر اس کا اطلاق بہت بڑے حصہ پر کیا جاتا ہے۔ جس میں بہت سے قصبات اور دیہات شامل ہیں۔ یہ قطعہ زمین کا بہت اونچائی پر واقع ہے۔ اونٹوں کے راستہ سے تین دن میں یہاں پہونچتے ہیں۔ کیونکہ چکر زیادہ ہے اور چڑھائی بہ آسانی طے ہوتی ہے اور جبل کرہ کے راستہ سے جس میں خچر گدھے گھوڑے چلتے ہیں ۲۴ گھنٹے بلکہ اس سے بھی کم میں آدمی پہنچتا ہے۔ مگر راستہ دشوار گذار ضرور ہے۔ آدھے راستہ ہی سے ہوا بالکل متغیر ہو جاتی ہے۔ جبکہ مکہ معظمہ میں سخت گرمی کی وجہ سے شب کو بھی آرام نہ آتا ہو طائف میں پتلی رضائی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کا موسم گرمیوں میں نہایت عمدہ رہتا ہے جابجا باغات ہیں۔ ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ انگور۔ انجیر۔ برشومی۔ (ناگ پھل) انار۔ آڑو۔ آلوچہ وغیرہ وغیرہ جملہ سرد ملکوں کے میوے بکثرت اور عمدہ ہوتے ہیں۔ زراعت اور سبزی ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے۔ جابجا نہریں

بھی ہیں۔ کنویں میٹھے بکثرت ہیں۔ بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ حجاز کے لئے طائف ہندمیں شملہ کی مانند ہے۔ ترکی گورنر اکثر گرمیوں میں طائف میں رہا کرتا تھا۔ اور بڑے درجہ کے حکام اور اہل عرب شریف وغیرہ بھی وہاں ہی چلے جاتے تھے۔

فتنہ حجاز جب ہم مکہ معظمہ میں پہونچے تو عجیب عجیب افواہیں مشہور تھیں عام بدؤں اور اہل شہر کی زبانی سُنا جاتا تھا کہ عنقریب بد عملی ہونے والی ہے۔ شریف حسین انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور بغاوت کرنیوالا ہے۔ مگر ترکی استقلال میں کوئی فرق نہ تھا۔ ترکی فوج تمام حجاز میں غالباً چار یا پنجہزار ہوگی۔ کیونکہ اکثر فوج دوسرے مقامات جنگ پر چلی گئی تھی۔ شریف نے باب عالی کو اطمینان دلا رکھا تھا کہ حجاز کا ذمہ دار میں ہوں یہاں زیادہ قوت رکھنے کی ضرورت نہیں۔ جائے ضرورت جنگ پر اپنی قوت پہونچاؤ۔ یہ موجودہ فوج بھی جدہ۔ مکہ۔ طائف پر منقسم تھی۔ ہم کو یہ تھی۔ ہم کو یہ بھی اسوقت کہا گیا کہ جلد طائف جانا اور لوٹ آنا چاہیئے۔ مبادا بد عملی ہو جائے۔ مگر ہم کو یقین کامل نہ ہوا۔ اسی زمانہ میں یہ بھی خبر مشہور ہوئی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے کوئی خط شریف کے نام آیا ہے کہ فلاں تاریخ تک یا تو تم ترکوں کو حجاز سے نکال دو ورنہ ہم شریف علی کو (جو پہلے شریف حجاز تھا اور شریف حسین موجودہ کا بہنوئی ہے اور اسوقت مصر میں مقیم تھا) اس کو حجاز کا شریف بنا کر بھیجیں گے (نہ معلوم یہ خبر کہانتک صحیح تھی)۔ جدہ میں ہمیشہ جنگی اگبوٹ آتے اور بندر میں تین تین چار چار اور کبھی کم زیادہ جمع ہو جاتے تھے اور ٹھہرے رہ کر چلے جاتے تھے۔ نہ وہ کچھ تعرض کرتے تھے اور نہ ترکی حکومت ان سے۔

ہم اس رسالہ میں اُن واقعات کو دکھلانا نہیں چاہتے جو اس فتنہ کے زمانہ میں ہوئے۔ کیونکہ اس کے لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو مستقل رسالہ لکھیں گے۔ اس مقام پر تو فقط حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سفرنامہ لکھنا ہے ہمکو طائف پہونچکر کچھ طبیعت سیر ہونے کا موقعہ ہاتھ آیا تھا کہ شتربان آیا اور کہا کہ اگر چلتے ہو تو شتر حاضر ہے ورنہ میں آٹھ دن کے بعد پھر آؤنگا مطوف صاحب اور ہم لوگوں کی رائے ہوئی کہ ایک ہفتہ یہاں اور قیام کر لیا جائے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ جانا چاہیئے۔ اتفاق سے اُسوقت طائف میں میوے بہت کم تھے۔ شہتوت، اور خوبانیوں وغیرہ کا ابتدائی موسم تھا۔ البتہ شہد خوب آتا تھا۔ دو چار دن کے بعد مولانا مرحوم نے تقاضا فرمایا کہ مکہ معظمہ چلنا چاہیئے مگر شتربان جا چکا تھا۔ ایک دو دن کے بعد پھر زیادہ تقاضا فرمایا۔ ہم نے جب دوسری سواریاں تلاش کیں تو معلوم ہوا کہ راستہ بند ہو گیا ہے۔ ہم اس وقت راز کو نہ سمجھ سکے کہ کیوں اسقدر تقاضا کیا جا رہا ہے۔ مگر دو ہی تین دن کے بعد معلوم ہو گیا کہ آیندہ آنیوالے واقعات نے خلاف عادت مولانا کو تقاضائے سفر پر مجبور کیا ہے۔ جن کو نظر کشفی سے مولانا نے معلوم کر لیا تھا۔ مگر چونکہ ضبط اور اخفاء کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ ادہر مقام رضا میں قدم راسخ تھا۔ اس لئے چند مرتبہ ظاہری تقاضا کرنیکے بعد چپ ہو رہے اور پھر معلوم ہوا کہ طائف نہایت سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ باہر باغوں میں مقیم ہیں ان کو شہر پناہ میں چلا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے مطوف سید امین عاصم صاحب بھی مع اپنے اہل و عیال شہر میں سید علی حبشی کے مکان پر چلے گئے اور ہمارے لئے بھی وہاں ایک کوٹھری لے دی۔ تمام شہر میں اس وقت ہل چل تھی ۹ر شعبان روز شنبہ کو ہم لوگ شہر میں چلے گئے تھے۔ ترکی افسروں

کو بھی یہ بات محسوس ہو گئی۔ اُنھوں نے شہر کے اردگرد حسب قواعد جنگ مورچے بنائے اور جن جن باغوں اور مکانوں کو مورچہ کے لئے مناسب جانا اُن کو خالی کرالیا گیارہویں شعبان کی شب کو صبح صادق کے قریب چاروں طرف سے شریف کی فوجوں نے چڑھائی کی جو کہ زیر کمان عبد اللہ بیگ کام کر رہی تھیں۔ صبح صادق کے وقت ہم سب بمعیت حضرت مولانا مرحوم صبح کی نماز کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد میں جا رہے تھے کہ ناگاہ ایک بندوق کی آواز سنائی دی۔ پھر تو چاروں سے بندوقیں چلنے لگیں۔ ترکی فوج جس نے چاروں طرف حسب قواعد جنگ مورچے بنا رکھے تھے پورے طور سے جواب دیتی رہی۔ اگرچہ ترکی فوج کی مقدار تقریباً ایکہزار مسلح سپاہی کے تھی باقیماندہ لوگ مسلح نہ تھے۔ مگر چونکہ منظم جماعت تھی اس نے بدوی فوجوں کو بہت زیادہ اور قوی نقصان پہونچایا۔ بدوؤں کی مقدار بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اس سے دو دن پہلے مکہ معظمہ، جدہ، ینبع، مدینہ منورہ میں یہی واقعہ پیش آچکا تھا، کیونکہ شریف نے انتظام کیا تھا کہ ایک ہی دن میں سب جگہ یہ کام ہو۔ اس جنگ کی وجہ سے جو لوگ طائف میں غلہ اور ترکاری میوہ وغیرہ لاتے تھے اُن کا آنا بند ہو گیا اور یہاں سے باہر کا جانا بھی بند ہو گیا۔ ادھر فوجی حکام کو رسد کی فکر ہوئی۔ حسب قواعد جنگ اُنھوں نے تاجروں سے موجودہ غلہ کی نصف مقدار لینی شروع کی۔ جس نے خوشی سے دیدیا اُس کی مقدار میں سے نصف لے لیا، اور نصف چھوڑ دیا اور لئے ہوئے نصف کی قیمت اُس وقت کے حساب سے لگا کر اس کو رسید دیدی کہ حکومت ترکی بعد از جنگ یہ مقدار مجھکو ادا کرے گی۔ البتہ جن لوگوں نے چھپایا اُن پر تشدد کیا گیا اور تمام مال تجارت ان کا خورونوش اور

ضروریات فوجی کی قسم کا لے لیا گیا۔ فقط بمقدار ان کے اہل وعیال کی ضرورت کے ان کو دیدیا گیا۔ ادھر تو شہر میں غلہ کی کمی اُدھر آمد بالکل بند غرضکہ اس وجہ سے شہر میں سخت گرانی ہوگئی۔ پھر شریف کے لوگوں نے نہر کو بھی اوپر سے بند کردیا۔ اس وجہ سے پانی کی سخت تکلیف ہوئی۔ اگر قشلہ (فوجی قیامگاہ) کا کنواں نہ ہوتا تو زیادہ پریشانی کا سامنا ہوتا۔ اگرچہ شریف کی فوج کثیر التعداد بھی تھی اور اس کے پاس نئی اور عمدہ انگریزی رائفلیں بھی تھیں اور سامان جنگ نہایت کثرت سے تھا۔ مگر باوجود سعی بسیار ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ جب انھوں نے ہجوم کیا منہ کی کھائی۔ دن رات برابر گولیاں چلتی رہتی تھیں۔ ترکی فوج ان کے مجمعوں پر توپوں سے گولے برساتی تھی۔ نصف رمضان تک یہی حالت رہی اس کے بعد وہ مصری فوجیں جو جدہ میں اسکے لے لینے کے بعد آتاری گئی تھیں اور جنہوں نے مکہ معظمہ کے قلعہ اور قشلہ کو توپوں کے ذریعہ سے فتح کیا تھا۔ طائف میں مع توپوں کے پہونچیں اور طائف کے چاروں طرف سے توپیں سات یا آٹھ نصب کر کے قلعہ اور قشلہ پر گولہ باری کرنے لگیں۔ صبح صادق سے تقریباً بارہ بجے تک یہ عمل ہوتا رہا۔ اسکے بعد توپیں ٹھہر جاتی تھیں۔ ترک بھی انکا جواب دیتے تھے۔ یہی حال عید مبارک تک رہا۔ افسوس کہ عید کے دن بھی شریف کے لوگوں نے جنگ کو موقوف نہ کیا۔

مولانا کا رمضان طائف چونکہ رمضان کا مہینہ طائف میں نہایت بدامنی کی حالت میں واقع ہوا تھا اس لئے نہ تو دن کو حسب خواہش لوگوں کو خوراک کا انتظام کرنا ممکن ہوتا تھا۔ نہ مساجد میں تراویح وغیرہ کا انتظام حسب ضرورت ہو رہا تھا۔ مسجد ابن عباسؓ وہاں کی بڑی مسجد ہے اس میں بھی تراویح الم ترکیف سے ہوتی تھیں۔

اور اس میں بھی بہت کم آدمی آتے تھے۔ باقی لوگ محلہ کی مسجدوں اور اپنے مکانوں میں پڑھتے تھے۔ کیونکہ گولیاں ہر وقت اوپر سے گذرتی رہتی تھیں۔ مولانا نے بھی اولاً مسجد ابن عباسؓ میں حسب عادت سابقہ تراویح پڑھنی شروع کی مگر چونکہ راستہ وہاں کا ایسا تھا۔ جہاں پر گولیاں برابر آتی رہتی تھیں اس لئے اس مسجد میں جاتے وقت خطرہ ضرور رہتا تھا اور پھر ایک شب میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز مغرب پڑھکر فارغ ہوئے ہی تھے اور ابھی نفل وغیرہ پڑھ رہے تھے اور اندھیرا ہو چکا تھا کہ بدوؤں نے ہجوم کیا مسجد ابن عباس کی چھت اور میناروں پر بھی ایک بڑا دستہ ترکی فوجیوں کا تھا اور مسجد کے قریب جو دروازہ تھا وہاں پر مورچہ بھی تھا۔ غرضکہ طرفین میں خوب تیز گولی اور گولوں کی بارش دیر تک ہوتی رہی۔ خود مسجد میں بھی برابر گولیاں برستی رہیں۔ جو لوگ مسجد میں باقی تھے وہ ایک کونہ میں جدھر گولیوں کے آنے کا گمان نہ تھا بیٹھ گئے۔ اس روز تراویح بھی نہیں ہوئی فقط چند آدمیوں نے بوقت نماز عشا ایک طرف پڑھ کر جب کچھ سکون ہوا چلے گئے۔ اس کے بعد احباب اور خصوصاً سید امین عاصم صاحب نے اصرار کیا کہ آپ مسجد ابن عباس میں نماز کے لئے نہ جایا کریں۔ دروازہ مکان کے قریب جو مسجد ہے اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کریں۔ چنانچہ تمام رمضان اوقات خمسہ کی نماز وہاں پڑھتے تھے۔ اس سال تراویح فقط الم ترکیف سے پڑھی گئی۔ اس کے بعد مولانا رحمۃ علیہ نوافل میں سحر کے وقت تک مسجد میں مشغول رہتے تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب اور کاتب الحروف بھی اسی مسجد میں علیحدہ علیحدہ نفلوں وغیرہ میں وقت گذارتے۔ چونکہ گرمیوں کی رات تھی جلد ہی سحر کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھر آکر کچھ سحری پکاتے جو کہ میٹھے چاول

ہوتے تھے۔ مگر چونکہ شکر وہاں ملتی نہ تھی۔ اس لئے شہد کو بجائے شکر کے چاول اور چائے میں استعمال کرتے تھے، اور اکثر تو نمکین چاول بغیر گوشت کے پکائے جاتے تھے۔ اس وقت طائف میں چاول وغیرہ بھی دستیاب ہونا مشکل ہوتا تھا۔ ایک آنہ والی روٹی آٹھ آنے کو بمشکل ملتی تھی۔ مگر دہلی کے تاجروں میں سے حاجی ہارون مرحوم نے تھوڑے سے چاول مولانا مرحوم کے لئے ہدیۃً بلا طلب بھیج دیئے تھے جو کہ عمدہ قسم کے تھے۔ اُنھوں نے بہت کام دیا۔ اس مدت میں جو کہ تقریباً دو ماہ تھی ہم نے دس بارہ اشرفی طائف میں بوجہ سخت گرانی کھا ڈالیں۔

طائف سے روانگی

عید کے بعد چونکہ تمام اہل شہر بھوک سے مرنے لگے تھے حکام کے پاس جا کر شکایت کی کہ اب ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں رہا۔ ہمارے پاس جتنے حیوانات دودھ یا سواری کے تھے کھا ڈالے غلہ سب ختم ہو گیا۔ اب ہمارے لئے کوئی صورت کیجئے ہم سب مرے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ اچھا صبح کے آٹھ بجے تک باب ابن عباس سے روانگی کے لئے ہم تمکو اجازت دیں گے ہم اپنی حد میں تمکو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ باقی شریف کے آدمی تمکو نقصان پہنچائیں تو اسکے ہم ذمہ دار نہیں۔

الحاصل لوگوں کو اس طرح ایک فارم مع اُنکے اہل وعیال کے نام کا دیا جاتا اور اُن سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ کہیں آکر ترکی حکومت سے جنگ نہ کرینگے۔ پھر اُنکو مع اُن کے ضروری اسباب کے باہر نکلنے دیا جاتا تھا۔ جب اس طرح سے لوگ نکلنے لگے تو پھر ہم سبھوں کو بھی ضروری معلوم ہوا کہ نکل چلیں۔ چنانچہ ۱۰ر شوال ۱۳۳۴ھ کو بوقت صبح ہم بھی باب ابن عباس سے نکلے اور

وہاں سے چل کر پھرتے ہوئے رقیم ( ) میں پہونچے یہ وہ مقام ہے جہاں پر شریف کا بیٹا عبداللہ بیگ جو کہ کماندار بدوؤں کا تھا مقیم تھا۔ اور تمام فوجی حرکات کا یہی مرکز تھا۔ یہیں مصری فوج کے خیمے بھی تھے۔ چونکہ ہمارے پاس نہ سواری تھی اور نقد وغیرہ، اور راستہ دور تھا۔ ادھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت ضعیف تھے۔ تین دن تک پہاڑی راستہ کو قطع کرنا آسان نہ تھا۔ علاوہ ازیں اسباب بھی تھا۔ اسلئے وہاں جانا ضرور ہوا۔ عبداللہ بیگ سے ملاقات ہوئی۔ اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ ایک خیمہ کھڑا کرنے کا حکم کیا۔ ایک دُنبہ ذبح کرکے دعوت پیش کی (عرب میں عادت ہے کہ معزز مہمان کی دعوت میں دُنبہ ذبح کرنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاوے تو وہ کامل اکرام مہمان کا شمار نہیں ہوتا) اور پھر انجیر وغیرہ میوہ جات بھیجے۔ اور ایک اشرفی نذر کی۔ اور کہا کہ شب کو یہاں قیام کرو۔ علی الصباح تمکو روانہ کر دیا جائے گا۔ مگر علی الصباح لڑائی پر چلا گیا۔ اُس کے لوگوں نے خالی پُشت شتر کا انتظام کر دیا کرایہ بھی خود دیا اور زاد راہ بھی اس طرح وہاں سے روانہ ہوکر ہم دسویں شوال کو مکہ معظمہ علی الصباح پہونچے۔ عمرہ کا احرام تھا۔ افعال عمرہ ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ دو تین دن کا عرصہ گذرتا ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب مع متعلقین اور مولوی حسن صاحب اور حاجی شاہ بخش صاحب جدّہ تشریف لے گئے ہیں کیونکہ جدّہ میں ہندوستان جانیوالا جہاز آنے والا ہے۔ اس لئے ہندوستان کا قصد ہے۔ یہاں کے احوال دیکھکر مولانا صاحب گھبرا گئے۔ اور یہ معلوم نہ تھا کہ طائف سے مولانا مرحوم کب تک آ سکیں گے۔ چونکہ مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب میں ہمیشہ تعلقات نہایت قوی اور گہرے تھے۔ اس لئے مناسب نہ معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان چلے جائیں اور ملاقات

نہ ہونیز جدہ میں اور دوسرے کاروباری بھی تھے۔ ایک یا دو روز مکہ معظمہ میں قیام فرما کر جدہ سب کے سب پہونچے۔ وہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رامپوری کی رباط میں اوپر کے طبقہ میں فروکش تھے۔ اسی کے وسطانی طبقہ میں ہم سبھوں نے بھی قیام کیا۔ چونکہ جہاز کے آنے میں کچھ دیر لگی اسلئے تقریباً پندرہ [illegible] وہاں قیام کرنا پڑا۔ جب جہاز آگیا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب [illegible] صاحبہ و حاجی مقبول احمد صاحب، و مولوی ہادی حسن صاحب اور [illegible] بخش صاحب سوار ہو گئے۔ ان کو جہاز تک پہنچانے کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے۔

الحاصل اسکے بعد پھر جدہ کے قیام کی کوئی ضرورت نہ تھی بہت جلد مکہ معظمہ واپس چلے آئے۔ حج کا زمانہ قریب تھا۔ حجاج کی آمد ہو رہی تھی۔ کاتب الحروف پر بعض احباب نے زور دیا کہ علم حدیث وغیرہ کی بعض کتابیں درس کے طور پر حرم شریف میں شروع ہو جانی چاہئیں۔ چنانچہ ان کو شروع کرا دیا اوائل ماہ ذی الحجہ میں مولوی مسعود صاحب بھانجہ و داماد خورد حضرت مولانا مرحوم اور مولوی ولی احمد صاحب مدرس مدرسہ حسن پور ضلع مرادآباد اور دیگر حجاج تشریف لائے۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کی نگاہیں حضرت مولانا پر نہایت سخت پڑ رہی ہیں۔ گورنمنٹ تک اسقدر افواہیں پہنچائی گئی ہیں کہ مولانا مرحوم کا بہت سخت بدظنی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے۔ ہر آگبوٹ کی تفتیش بہت زیادہ کی جاتی ہے۔

آگبوٹ کے پہونچتے ہی پولیس کمشنر اور متعدد عہدہ دار آگبوٹ پر آتے ہیں اور مولانا کی نسبت ہر شخص سے پوچھتے اور تحقیق کرتے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا خلیل احمد صاحب بھی بمجرد پہنچنے کے بعد مع ہمراہیوں

کے زیر حراست لے گئے اور سیدھے نینی تال بھیج دیئے گئے۔ حاجی شاہ بخش صاحب اگرچہ ہمراہیوں میں نہ تھے مگر حیدر آباد پہونچکر وہ بھی زیر حراست لے لئے گئے۔ اسلئے مولانا مرحوم نے یہ قصد ضرور فرمایا کہ جو کچھ ہوا ابھی ہندوستان چلنے کا قصد مناسب نہیں۔ حج کے ادا کرنے کا تو پہلے ہی سے قصد تھا اور یہ ضروری خیال تھا کہ جب ایام حج سر پر آگئے ہیں تو ایسی مبارک نعمت کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ مگر ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ گورنمنٹ کو مولانا مرحوم سے کوئی خاص پُرخاش اور بدظنی نہیں ہے تو غالباً حج کرتے ہی مولانا مرحوم ہندوستان کو ضرور روانہ ہو جاتے۔

ایام حج آہستہ آہستہ آگئے۔ اور تمام امور حج سے بحمداللہ فراغت کاملہ حاصل ہوئی اس زمانہ میں یہ بات بھی خاص طور سے وقوع میں آئی کہ جناب حکیم عبدالرزاق صاحب نے بذریعہ مولوی مسعود احمد صاحب ایکہزار روپیہ مولانا مرحوم کے پاس اخراجات حجاز کے لیئے روانہ فرمایا۔ کیونکہ اس مدت میں جو روپیہ کہ مولانا کے پاس تھا وہ تقریباً خرچ ہو چکا تھا اور باقی ماندہ کچھ زیادہ مقدار نہ تھی۔

مولوی مسعود احمد صاحب پر شبہ مگر چونکہ مولوی مسعود احمد کی روانگی بلا شہرت ہوئی علیٰ ہذالقیاس ان کا بمبئی میں پہونچنا بھی جہاز کی روانگی کے وقت ہوا جس کا اصلی سبب غالباً یہ تھا کہ حکیم صاحب موصوف کو یہ خیال غالباً اخیر میں ہوا۔ وہ ان روپیوں کو تاجروں کے ذریعہ سے بھی بھیج سکتے تھے مگر ساتھ ہی شاید اس گمان پر کہ اگر مولوی مسعود احمد جائینگے تو گھر کے سب لوگوں کا احوال بیان کر دیں گے اور مولانا کو اپنے جملہ اقارب کی طرف سے مطمئن کر دیں گے۔ ان کے واسطہ سے بھیجنا ضروری سمجھا اور

اُن سے اسوقت کہا جب کہ جہاز کی روانگی سر پر آپہنچی تھی بمبئی تار دے کر ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کر دیا۔ غرضکہ اُن کی آگبوٹ کی روانگی کے بعد گورنمنٹ کو خبر پہونچی۔ اسلئے گورنمنٹ کو شبہ دلایا گیا کہ اس طرح روانہ ہونا خالی از علّت نہیں ہو سکتا۔ ضرور کوئی چیز ان کے ہمراہ ہے۔ چنانچہ جب وقت آگبوٹ عدن پہونچا۔ پولیس انکی تلاشی کے لئے سر پر آدھمکی۔ مگر وہاں کیا تھا تمام اسباب کی تلاشی لی ہر چیز کو دیکھا کوئی مشتبہ چیز ہاتھ نہ آئی۔ آخر کار اپنا سا منہ لے کر چھوڑ دیا مگر اس پر بھی گورنمنٹ کو باور نہ ہوا۔ ایک شخص سی۔ آئی۔ ڈی کا انسپکٹر مسمّی بہاؤالدین جدہ بھیجا گیا جو بعہدۂ ظاہری محافظ حجاج کے عہدہ پر تعینات کیا گیا تھا، اور غالباً وہ مولانا مرحوم کی نقل و حرکت کی تفتیش کی غرض سے وہاں مامور ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں اہلِ سورت و راندیر سے بعض احباب و تلامذہ نے بھی مولانا کی خدمت میں ایک ہزار روپیہ ارسال کیا جو بذریعہ تجار تھا۔ حج کرنے کے بعد مولوی مسعود احمد صاحب اور عموماً حجاج واپس ہو گئے۔ کیونکہ مدینہ منورہ کا راستہ اُس سال بند تھا۔ مولوی مسعود احمد صاحب جب جہاز پر سوار ہو گئے تو بہاؤالدین نے اُنکی تلاشی آگبوٹ پر لی، مگر کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی۔ مگر پھر بھی بمبئی پہنچتے ہی زیر حراست لے لئے گئے اور پھر ان کو الہ آباد جیل میں پہنچا دیا گیا۔ اور اسقدر سختی کی گئی کہ بیچارے نے جھوٹی جھوٹی باتیں بنا کر اپنی جان چھڑائی۔

خان بہادر مبارک علی ایام حج میں اورنگ آباد کے خان بہادر مبارک علی مکہ معظمہ تشریف لائے سرکاری آدمی تھے لن ترانیاں خوب ہانکتے تھے۔ شریف صاحب کے یہاں پہونچے ترکوں کو ہر مجلس میں بُرا کہتے تھے۔ حکومت موجودہ کی مدح سرائی میں زبان

خشک ہوئے جاتی تھی۔ انھوں نے ظاہر کیا کہ میں گورنمنٹ ہند کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔ تاکہ حجاز کے احوال کو دریافت کر کے صحیح باتیں اہلِ ہند کو بتاؤں۔ کیونکہ ہند میں اس وقت بے چینی بہت پھیلی ہوئی اور عموماً اہل ہند برطانیہ پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بادشاہ حجاز کو برا بھلا کہتے ہیں اسلئے ضروری ہے کہ ایک اعلان علماء مکہ کی طرف سے مجھکو دیا جائے جسمیں ترکوں اور اُن کی حکومت اور خلافت کی برائیاں ہوں۔ اُن کے استحقاق خلافت کو پر زور مضمون سے رد کیا گیا ہو۔ اس موجودہ انقلاب اور حکومت حاضرہ کی بھلائیاں ذکر کی گئی ہوں۔ چنانچہ ایک ایسا محضر تیار کیا گیا۔ اور وہاں کے اُن علماء سے جن کو در بار شرافت میں دخل تھا۔ اور صاحب عزت و شوکت شمار کئے جاتے تھے اُس پر دستخط اور مہر لگوائی گئی۔ بہتوں نے خوشی سے اور بہتوں نے خوف سے دستخط کر دیئے اور مہریں لگا دیں۔ خان بہادر موصوف کے پاس جب یہ محضر پہونچا تو انھوں نے کہا کہ ان علماء کو کوئی ہندوستان میں نہیں جانتا کون تصدیق کرے گا۔ مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب جو کہ علماء ہند میں ایک مشہور اور مسلم شخص ہیں۔ اُن کے اور دیگر علماء ہند کے دستخط اور مہریں ہوں۔ (نہ معلوم یہ اسی واسطے وہاں بھیجے گئے تھے کہ اس ذریعہ سے مولانا مرحوم وہاں سے پکڑا جاسکے یا یہ قضیہ اتفاقیہ تھا)

الحاصل اس مضمون کو وہاں کے شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سراج جو کہ زمانۂ حکومت ترکیہ میں مفتی احناف تھے اور اب انقلاب کے بعد عہدہ شیخ الاسلامی اور وکالتِ شرافت پر مامور ہو گئے تھے۔ بذریعہ نقیب العلماء مولٰنا کے پاس بھیجا۔ اواخر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں عصر کے بعد وہ اس محضر کو لیکر مکان پر آئے۔ اُس زمانہ میں اہالی مکہ معظمہ میں سے جو لوگ مہاجرین ہند

اور علم دوست تھے انھوں نے ظہر کے بعد مولانا مرحوم سے بخاری شریف کو شروع کر رکھا تھا۔ مکانِ اقامت ہی پر درس دیا کرتے تھے۔ جب وہ کاغذ آیا تو چونکہ اُسکی سُرخی تھی :۔

من[۱] علماء مكة المكرم المدرسين بالحرم الشريف المكيّ

اس لئے ان سے کہا گیا کہ "اوّلاً اسی سُرخی کی وجہ سے کوئی استحقاق نہیں کہ حضرت مولانا اس پر کچھ لکھیں۔ کیونکہ وہ علمائے مکّہ میں سے نہیں اور نہ حرم مکّی یعنی مسجد الحرام میں مولانا نے کبھی تدریس کی۔ ثانیاً اس میں قوم ترک کی مطلقاً تکفیر کی گئی ہے اور دربارہ اسکے جو کچھ احتیاط اور سخت احکام ہیں آپ کو معلوم ہے۔ ثالثاً اس میں وجہ تکفیر سلطان عبد الحمید خان کا تخت سے اُتار دینا لکھا گیا ہے۔ حالانکہ کسی فقیہ نے اس کو موجبات کفر میں سے قرار نہیں دیا۔ رابعاً اس میں خلافت سلاطین آل عثمان کا انکار کیا گیا ہے حالانکہ یہ امر مخالف نصوص شرعیہ ہے۔ خامساً اس میں اس انقلاب اور حرکت کو مستحسن دکھایا گیا ہے۔ اور یہ بھی شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے"۔ چونکہ کاتب الحروف کی تفیب (؟) علماء سے کچھ پہلے سے معرفت تھی اس لئے اُن سے تمام کیفیتیں ظاہر کر دینے کے بعد یہ کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام سے یہ کہہ دینا کہ مولانا نے اس پر دستخط اور مہر کرنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ اس کا عنوان اہل مکّہ اور مدرسین حرم کے ساتھ مخصوص ہے میں آفاقی شخص ہوں، پردیسی ہونے کی وجہ سے مجھکو کوئی استحقاق اس پر دستخط کرنے کا نہیں اور یہ کہا گیا کہ ابھی دوسری وجہوں کو ان پر ظاہر نہ کرنا۔ اگر پھر انھوں نے اصرار کیا تب اُن وجہوں کو پیش کیا جائیگا۔ وہ اسیوقت واپس ہو گئے اور پھر کوئی جواب نہ لائے۔ اس محضر کا شہرہ پہلے سے چرچا تھا جو لوگ خفائی (؟) تھے ان کو خوف لگا ہوا تھا کہ اگر ہمارے پاس آیا تو ہم کیسے

[۱] یعنی یہ تحریک مکہ مکرمہ کے ان علماء کی طرف سے ہے جو کہ حرم شریف مکی میں پڑھاتے ہیں

جواب دیں گے اور کس طرح جان چھڑائینگے۔ مولانا مرحوم کے رد کرتے ہی تمام شہر میں مشہور ہو گیا کہ مولانا نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اب تو دوسروں کو بھی ہمت ہو گئی۔

ادھر شیخ الاسلام صاحب کو تنبیہ ہوئی۔ اُنھوں نے عبارت سابقہ بالکل بدل ڈالی اور اس طرح اس کو لکھا کہ اس میں سے مبحث تکفیر بالکل خارج ہو گئی۔ مگر دستخط کرنے کو پھر نہیں بھیجا۔ جو عبارت دوسری مرتبہ بنائی گئی تھی اُس پر پہلے علماء سے فقط دستخط لیکر اخبار "القبلہ" میں چھاپ دیا گیا۔ اور اسی کو خان بہادر مبارک علیخاں لے کر روانہ ہو گئے۔ خیر خواہوں نے مولانا مرحوم سے کہا کہ کہیں شریف آپ کو کوئی اذیت نہ پہونچائے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ پھر کیا کیا جائے۔ مذہبی حیثیت سے اُس پر مہر و دستخط کسی طرح درست نہ تھا۔ آیندہ جو کچھ تقدیر الٰہی میں ہوگا جھیلیں گے۔

مولانا کو پہلے سے بھی بارہا یہ خیال آیا تھا کہ مکہ معظمہ میں ہمارا قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں، بلکہ شریف کے احاطہ حکومت میں رہنا خالی از خطرہ نہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کو لوگوں نے اس طرح بدظن کر رکھا ہے اور شریف سے اور گورنمنٹ سے از حد اتحاد ہے پھر کیونکر بہتری کی امید کی جائے اس لئے بارہا تقاضا فرمایا کہ کوئی صورت جلد یہاں سے نکلنے کی ہونی چاہئے۔ لیکن اگر فقط مولانا صاحب کی ذات مبارک ہوتی تو ہر وقت نکلنا ممکن تھا۔ وہاں تو کئی آدمیوں کا مجمع اور بہت سا اسباب تھا۔ ان سب کیلئے متعدد سواریوں کی ضرورت تھی جنکے انتظام میں بڑا کھٹراگ اور بہت شہرت کا سامنا تھا۔ اسپر بھی فکر کیا گیا۔

حکیم نصرت حسین صاحب کا ذکر

آمد حج سے پہلے حکیم نصرت حسین صاحب ساکن کوڑہ جہان آباد ضلع فتحپور ہسوہ

سے اپنے پھوپی زاد بھائی جناب مولوی سید ہاشم صاحب کانپوری عدن اور پورٹ سوڈان ہوتے ہوئے تشریف لائے تھے۔ حکیم صاحب موصوف نے دیوبند میں علم حدیث وغیرہ پڑھا تھا۔ یہاں ہی ان کی دستار بندی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی تھے اور مولانا سے ان کو نہایت زیادہ تعلق تھا۔ طبیعت نہایت زیادہ جوشیلی اور خدا پرست پائی تھی۔ احوال حاضرہ کی کشمکش اور عالم اسلام کے تنزل، ہندوستان کی غلامی، نے ان کو سخت پیچیدگیوں میں ڈال رکھا تھا۔ ان دنوں یہ دونوں حضرات مکلا وغیرہ ہوتے ہوئے حج کو تشریف لائے۔ والی مکلا سید ہاشم صاحب سے واقف تھے اور ان کے دادا مولانا عبدالحق صاحب کانپوری کے معتقدین میں سے تھے۔ انھوں نے ہی انتظام ان دونوں حضرات کے سفر کا کر دیا تھا اور بذریعہ برٹش حاکم عدن پورٹ سوڈان تک اور وہاں سے جدہ کا ٹکٹ بھی دلوا دیا تھا۔ چونکہ حکیم نصرت حسین صاحب طب یونانی سے واقف تھے۔ اور ان کے ساتھ مجرب دوائیں موجود تھیں انھوں نے حاکم مکلا کی دوا بھی ایک مدت تک کی تھی اور بظاہر وہ اسی غرض سے مکلا پہونچے تھے۔ پھر انھوں نے قصد حجاز کا کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ دونوں حضرات بھی ابتدائے ذی الحجہ یا اواخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ میں پہونچے عبدالقادر سکندران کا مطوف تھا۔ چونکہ ان دنوں وہ خود موجود نہ تھا۔ اس کے بیٹے اور نوکر وغیرہ موجود تھے انھوں نے پوری طرح خدمت اور خبر گیری ان دونوں حضرات کی رکھی۔ اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں کوئی ترکی ٹوپی کا استعمال کرنے والا سوائے ان دونوں کے نہ تھا۔ اسلئے عام طور پر لوگوں کی نظریں ان دونوں پر پڑتی تھیں۔ حج سے فارغ

ہونے کے بعد سید ہاشم صاحب ہندوستان واپس چلے گئے اور حکیم صاحب موصوف
وہاں اس بنا پر ٹھہر گئے کہ شاید انہیں چند دنوں میں مدینہ منورہ کا راستہ کھل
جائے تو مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونا نصیب ہو اور چونکہ حضرت مولانا
رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال مدینہ منورہ کے جانیکا ہو چکا تھا۔ اسلئے انھوں نے اسی
مکان میں آجانا اور قیام کرنا مناسب سمجھا۔ جہاں پر حضرت مولانا مقیم تھے۔ سید
ہاشم صاحب کا جہاز جب عدن پہنچا وہاں پر امیر مکلا نے جو روپیہ ان کے لئے
پہلے وعدہ کے طور سے تیار کر رکھے تھے بذریعہ اپنے وکیل کے پیش کئے۔
کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اولاً تو امیر مذکور ان کے دادا کا معتقد
تھا اس کو بھی حیدر آباد سے تعلق ہے اور ان کے دادا صاحب بھی وہاں کے
معتقد علیہ لوگوں میں سے تھے۔ ثانیاً یہ بھی سادات علویہ میں سے ہیں۔ جن کا
حضرموت میں قیام اور مرکز ہے۔ اور امیر مذکور ان سادات کا ہمیشہ سے خادم
اور معتقد رہا ہے۔ ثالثاً یہ دونوں وہاں اس کے بطور مہمان گئے تھے اسکے
لئے ادائے خدمت مہمانانہ ضرور تھا۔ رابعاً حکیم صاحب سے اس نے مفید
اور سریع التاثیر دوائیں پائی تھیں جن کو وہ ہزاروں روپے خرچ کرنے کے بعد بھی نہیں
پا سکتا تھا۔ ان وجوہ سے اس نے ان کے لئے اپنے وکیل کے پاس کچھ نقد
جمع کر رکھا تھا۔ ان کا جہاز جب عدن پہنچا تو یہ بوجہ واقفیت سابقہ اس سے
ملے۔ اس نے وہ نقد پیش کیا جب یہ بمبئی پہنچے تو گورنمنٹ نے ان کو زیر حراست
لے لیا اور جو کچھ نقد ان کے پاس تھا وہ بھی ضبط کر لیا اور تہمت یہ دھری کہ تم
امیر کابل سے سازش کرنا چاہتے ہو۔ بیچارے ایک مدت تک
الہ آباد اور تھیور کی جیل میں رہ کر پھر چھوٹے مگر نقد اب تک
نہیں ملا۔

واقعہ اسارت مکہ معظمہ

میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ اس فتنوں کے واقعہ کے بعد ہم کو عموماً اور مولانا کو خصوصاً اس کا خیال تھا کہ مکہ معظمہ سے باہر چلا جانا اور خصوصاً شریف کی قلمرو سے بیرون جانا نہایت ضروری ہے۔ مگر اسباب اور ہمراہیوں کی تعدد کی وجہ سے اشکال تھا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا تقاضا بھی شدید تھا۔ بہت کچھ انتظام کیا جس کی کچھ صورت ہو گئی تھی۔ غالباً اگر دو چار یوم کی تاخیر ہو جاتی تو ہم روانہ ہو چکے ہوتے مگر تقدیر کا لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے۔ شریف صاحب جدہ گئے اور وہاں کرنیل ولسن معتمد برطانیہ سے خدا جانے کیا گفت و شنید ہوئی کہ شب شیخ الاسلام کے نام حکم آیا کہ مولانا اُن کے جملہ ہمراہیوں اور حکیم نصرت حسین صاحب اور سید ہاشم صاحب کو زیر حراست یہاں بھیج دو۔ مگر سید صاحب کی نسبت کہا گیا کہ وہ روانہ ہو گئے۔ سید ابن صاحب کو اس کی خبر رات کو ہی ہو گئی تھی۔ مگر انہوں نے ہم کو کچھ نہیں بتایا۔ صبح کو شیخ المطوفین احمد حجی مولانا کے پاس مکان پر پہنچا۔ اس وقت حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے پاس مولوی عزیر گل صاحب اور دوسرے رفقاء نہ تھے کاتب الحروف نہ تھا۔ اس نے کہا کہ تمہاری گورنمنٹ جسکی تم رعایا ہو تم کو طلب کرتی ہے۔ اسلئے مجھکو شریف کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تم کو راحت کے ساتھ روانہ کردوں۔ جس سواری کی اور جتنی سواریوں کی ضرورت ہو ہم کو بتلادو تاکہ ان کا انتظام کر دیں۔ مولوی عزیر گل صاحب سے اس کی کچھ زیادہ گفتگو ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم یہاں کسی کافر گورنمنٹ کو نہیں پہچانتے ہم حرم خداوندی میں امان لئے ہوئے پڑے ہیں۔ اگر شریف ہم کو یہاں سے نکالتے ہیں تو ہم خوشی سے نہ جائیں گے۔ جب تک کہ تم ہم کو ڈنڈے

کے زور سے نہ نکالو۔ وہ کچھ پیچ وتاب کھا کر جواب دے رہا تھا کہ اتنے میں میں (کاتب الحروف) پہونچ گیا۔ قصہ دریافت کیا حال معلوم ہوا آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ سید ابن عاصم صاحب سے اس بارے میں چارہ جوئی کرنی چاہئے وہ کچھ اس بارہ میں سعی کریں۔ چنانچہ ہم سب ان کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ ان کو پہلے سے خبر ہے کہ رات کو یہ حکم شریف کا شیخ الاسلام کے پاس آچکا ہے۔ پھر آخر کار رائے یہ ہوئی کہ سب کو مل کر شیخ الاسلام کے پاس حمیدیہ میں جہاں حکام کا مرکز ہے چلنا چاہیئے، اور اُس سے گفت و شنید کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہاں گئے۔ اوّل سید صاحب اوپر گئے ہم سبھوں کو نیچے بٹھا گئے۔ انھوں نے جب شیخ الاسلام سے گفتگو کی تو اس نے وُہی فتوے پر دستخط نہ کرنے کا الزام رکھا انھوں نے جواب دیا کہ وہ نیچے موجود ہیں۔ ان میں سے حسین احمد عربی ہیں آپ کو وجہ اور اصلیت بتلا سکتا ہے۔ اسکو بلایئے اور تحقیق کیجئے۔

شیخ الاسلام سے گفتگو

الغرض مجھکو بلایا گیا۔ انھوں نے کہا کہ مولانا ہمارے مخالف ہیں۔ ہمکو باغی کہتے ہیں ہمکو خارجی کہتے ہیں۔ اسلیئے ان کو باغیوں کی حکومت میں نہ رہنا چاہیئے میں نے کہا کہ آخر آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا انھوں نے کہا کہ مولانا نے فتوی پر دستخط کیوں نہیں کیئے میں نے کہا کہ آپ خود نقیب کو بلا کر پوچھیئے۔ چونکہ اس کا عنوان (سرخی) یہ تھا کہ من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم المکی تو مولانا نے فرمایا کہ نہ تو میں مکہ معظمہ کے علماء میں سے ہوں اور نہ میں مسجد الحرام میں پڑھاتا ہوں۔ اس لیے مجھکو اس پر دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ اُس نے اس جواب کا انکار کیا آخر کار نقیب بلایا گیا۔ اور اس نے اسکی تصدیق کی۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ تم ہمارے حکم سے نافرمانی کرتے ہو میں نے

کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو کل تک کی اجازت دیدیں کل کو شریف صاحب خود آجائینگے ہم اُن سے کچھ عرض کرلیں اگر وہ راضی نہ ہوئے تو ہم امتثال حکم کیلئے تیار ہیں۔ کہا کہ یہ نافرمانی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ استرحام ہے اور استرحام بادشاہ اور وزیر سبھوں سے ہو سکتا ہے۔ تب ذرا ڈھیلا ہو کر کہنے لگا کہ مولانا سیاسی مجالس منعقد کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو غلط خبر پہنچائی گئی ہے۔ مکان پر مولانا بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ اس کے پڑھنے اور سننے کے واسطے لوگ جمع ہو جاتے ہیں کوئی سیاسی مجلس منعقد نہیں کی جاتی۔ اُس نے کہا کہ اس میں پہلے یا بعد کوئی سیاسی تذکرہ نہیں ہوتا؟ میں نے کہا کہ ہاں کبھی بعد درس کے بعض باتوں کا جو اخباروں میں یہاں آتی ہیں تذکرہ ہوتا ہے جن کا تعلق آپکے داخلی احکام و نظام سے کوئی نہیں فقط خارجی امور سے تعلق رکھتی ہیں کہا کہ مولانا مغرب کے بعد مسجد الحرام میں بھی سیاسی مجلس منعقد کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بھی غیر واقعی خبر ہے۔ مغرب کے بعد مولانا نوافل دیر تک پڑھتے رہتے ہیں۔ اُس کے بعد ہم فقط چند خدام مولانا کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔ وہاں کوئی مجلس نہیں ہوتی اور نہ امور سیاست سے کوئی تعلق ہوتا ہے اُس نے کہا کہ تو نے حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی کی دوکان پر یہ کہا کہ یہاں پر سب چیزیں اور احکام انگریزی ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے سب چیزوں اور سب احکام کو نہیں کہا بلکہ ایک کتاب کی جلد باندھ کر ایک صاحب لائے تھے اُن سے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیسی جلد باندھ کر لائے ہو اُس نے جواب دیا کہ افرنجی باندھ کر لایا ہوں میں نے کہا کہ افسوس اب سب چیزیں افرنجی پسند ہونے لگیں۔ میرا اشارہ اور مطمح کلام جلد کے سوا دوسرا کوئی امر نہ تھا میں نے کہا کہ ہر خبر کی آپ تصدیق کیونکر فرما لیتے ہیں۔ اس نے

کہا کہ ہمارے پاس خبر لانے والے تو یہی لوگ ہوتے ہیں۔ فرشتے تو لانے سے رہے۔
الغرض اخیر میں اُس نے اجازت دیدی کہ کل کو تشریف آجائے گا تو خود اُن سے گفتگو کر لینا ہم خوشی خوشی گھر چلے آئے اور سارا قصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تمام راستہ بیان کرتے رہے خیال یہ بھی ہوتا تھا کہ شب کو کسی طرف نکل چلیں تاکہ ان کی دست برد سے بچے رہیں۔

مصالحت کی کوشش

مگر حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی نے کوشش یہ کی کہ شیخ الاسلام کی مولانا سے معافی ہو جائے تو بہتر ہے وہ شریف سے بھی کہہ دے گا۔ اس لیئے لوگوں کو درمیان میں ڈال کر کچھ گفتگو کی اور مجھکو بلا کر کہا کہ اگر تو اس پر راضی ہو کہ شیخ الاسلام کے ہاتھ چوم کر معافی طلب کرے تو یہ سب قصہ رفع دفع ہو جائیگا میں نے کہا کہ مولانا کی راحت کیلئے شیخ الاسلام کے ہاتھ تو درکنار ہیں تو پاؤں بھی چومنے کے لئے تیار ہوں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ مغرب کے بعد تو ہمارے مکان پر آجانا ہم تجھ سے پہلے شیخ الاسلام کے یہاں جائیں گے اور پھر جس وقت ہمارا آدمی تیرے پاس آوے تو اُسکے ساتھ چلے آنا۔ الغرض ایسا ہی کیا گیا۔ مغرب عشاء کے درمیان میں وہ حضرات مجتمع ہو کر علی مالکی (مفتی مالکیہ) کے مکان پر گئے وہیں شیخ الاسلام شلم کو بوجہ اپنی شلل ہونے کے بیٹھا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس آدمی آیا میں وہیں پہنچا۔ شیخ الاسلام کے ہاتھ چومے اور معافی طلب کر کے ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ خواہ ہم نے ترکوں سے لڑنے میں غلطی کی یا صواب کیا مگر اب جبکہ لڑائی ٹھن گئی اور ہم اس میدان میں اُتر آئے ہیں تو جب تک کہ ہماری عورتیں اور بچے باقی ہیں ہم لڑیں گے۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر قہوہ پی کر میں چلا آیا۔ اب جملہ احباب کو

بھی اور ہم کو بھی اطمینان ہو گیا کہ قصہ رفع دفع ہو گیا کوئی ضرورت نہیں کہ جلدی کر کے یہاں سے سفر کیا جاوے۔ اگلے روز جب شریف صاحب آئے تو شیخ الاسلام نے اس سے کہا کہ وہ لوگ (ہم سبھوں کی نسبت) رات کو آئے تھے اور معافی کے خواستگار ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ شریف نہایت برہم ہوا کہ کیوں نہ تم نے ان کو شب ہی کو روانہ کر دیا۔ اُن کو آج ہی روانہ کر دو۔ ان کو کسی طرح مت معاف کرو اور بہت سختی کے کلمات کہے اس خبر کے پہونچنے پر ہم میں سے بعض احباب کی رائے ہوئی کہ مولانا کو اور اُن کے وحید احمد کو کہیں چھپا دیا جائے اور شب کو ان کو کسی دوسری جگہ روانہ کر دیا جائیگا۔ باقی لوگوں کو دو چار دن غایۃ مانی الباب میں قید رکھیں گے۔ پھر چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا آدمی مجھکو اور وحید کو بلانے کے لیئے پہونچا وحید موجود نہ تھا۔ مجھکو حمیدیہ میں بلا کر لائے کمشنر پولیس نے مجھسے کہا کہ تو انگریزی حکومت کو بُرا کہتا ہے۔ اب اس کا مزہ چکھ اور قید خانہ میں مجھکو بھیجدیا گیا۔

مکہ معظمہ کے قید خانے

مکہ معظمہ میں تین قید خانے ہیں ایک متمدن اور دو غیر متمدن۔ متمدن قید خانہ تو حمیدیہ میں ہے جس میں آدمی مکان سے باہر نہیں جا سکتا ہے۔ اس کا لباس وغیرہ میں رہتا ہے۔ اس سے کوئی کام بھی نہیں لیا جاتا۔ اُس سے جو شخص چاہے آکر مل سکتا ہے۔ لوگوں کا کھانا اُن کے گھروں سے آتا ہے اور غیر متمدن قید خانے شریف کے مکان کے پاس ہیں۔ یہ ایک تہ خانہ ہے۔ جس میں بہت سی سیڑھیوں سے اُترنا ہوتا ہے۔ اس میں روشنی بالکل نہیں پہنچتی دن اور رات وہاں یکساں رہتا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ اس میں وہ ہے جسکو

تختنیہ کہتے ہیں۔ لکڑیوں میں پیر ڈال دیئے جاتے ہیں۔ جنکی وجہ سے آدمی چل پھر بھی نہیں سکتا۔ اُسکو اندھیرے میں ننگا مادرزاد لکڑی کے تختوں پر پیر رکھے پڑا رہتا ہے۔ غرضکہ یہ دونوں قید خانے نہیں بلکہ عذاب دوزخ کے نمونے ہیں۔ کاتب الحروف کو اُس تمدن قید خانہ حمیدیہ میں رکھا گیا۔ (شام اور صبح کو کھانا ستیا امین عاصم صاحب مطوف نے بھیجا) اس کے بعد پولیس نے مولانا کو تلاش کیا۔ چونکہ مکان پر موجود نہ تھے۔ اسلئے مولوی عزیز گل صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب کو پکڑا اور کہا کہ جہاں سے ممکن ہو مولانا کو ڈھونڈھ کر لاؤ۔ اُنھوں نے میری نسبت دریافت فرمایا تو یہ جواب ملا کہ وہ تو قید خانہ میں ہے۔ ان دونوں خدام نے مولانا کی لاعلمی بیان کی۔ باوجود سخت تقاضے اور دھمکی موت کے ان خدام نے کچھ پتہ نہیں دیا۔ بالآخر یہ دونوں اسی مکان میں حضرت کے آنے تک مقید رکھے گئے اور شریف کے نوکر چاکر حضرت کی تلاش میں رہے۔

تاجروں کی ہمدردی

دہلی وغیرہ کے بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت شریف کے یہاں پہونچی اور کہا کہ ہم آپ کی خدمت میں استرحام کے لئے آئے ہیں۔ اگر مولانا اور اُن کے رفقاء سے کوئی قصور ہوا ہو تو آپ خود ان کو اپنی مملکت میں سزا دیں۔ غیر مسلم قوموں کے حوالے کیوں کرتے ہیں۔ اور حرم خداوندی سے کیوں نکالتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں جبکہ ترکوں نے بعض آدمیوں کو قید کرکے فلاں تاریخ کو غیر مسلموں کو دینا چاہا تھا تو آپ خود مانع ہوئے تھے اور ان کو چھڑا دیا تھا۔ پھر آپ خود مستقل ہیں۔ اب تو ہماری امیدیں آپ سے بہت زیادہ وابستہ ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ ہماری اور انگریزوں کی دوستی

ابھی نئی ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہم ان کی رعایا کو کوئی سزا دیں اور پھر ہماری دوستی میں فرق آئے۔ ہم کو ان کی دوستی قائم رکھنی ضروری ہے۔ ہم کسی طرح اس وقت کوئی رعایت نہیں کر سکتے (حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود مجبور تھا۔ غالباً اس پر حکم کیا گیا تھا کہ مولانا کو تسلیم کر دے) غرضکہ ان کی بھی کوئی بات نہ سنی گئی۔ جب شام کا وقت ہو گیا اور مولانا باوجود تفتیش کثیر کے ہاتھ نہ لگے تو پھر شریف کو خبر دی گئی کہ مولانا تو ہاتھ نہیں آتے خدا جانے کہاں ہیں۔ شریف نے حکم دیا کہ اگر عشا تک مولانا آموجود نہ ہوئے تو دونوں ساتھیوں کو گولی سے مار دو اور مطوف کے سو کوڑے لگاؤ اور مطوفیہ چھین لو۔ اس خبر کی وجہ سے مطوف صاحب کو نہایت پریشانی ہوئی اور مولانا کو خبر پہونچی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی آزار پہونچایا جائے۔ جو کچھ ہوگا میں اپنے سر جھیلونگا۔ اور نکلنے کے لئے تیار ہوئے احباب نے کہا کہ اچھا احرام کے لباس میں نکلئے تاکہ لوگوں کو خیال ہو جائے کہ یہاں تھے ہی نہیں۔ چنانچہ احرام کے لباس میں مولانا مکان پر آگئے۔ اسی وقت اونٹ وغیرہ حاضر کئے گئے اور چاروں آدمی تقریباً عشا کے وقت وہاں سے دو اونٹوں پر روانہ کر دیئے گئے۔ مولانا روانگی کے وقت نہایت مطمئن تھے اور احباب سے رخصتی میں ملتے وقت فرماتے تھے کہ الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے۔ منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی چونکہ اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ اسلئے ہم نے ان کو علیحدہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ میں فقط خدمت وغیرہ کی غرض سے یہاں آتا تھا۔ میں رفقا میں سے نہیں ہوں۔ مگر ان سے کسی نے تعرض بھی نہ کیا۔ مولانا کے ساتھ چند سپاہی بندوق لئے ہوئے حفاظت کے لئے ساتھ تھے۔ جو نوبت بنوبت

ہر مقام پر بدلتے رہتے تھے یہ سفر مولانا مرحوم کا مکہ معظمہ سے ۲۳ ر صفر شب یکشنبہ ۱۳۳۵ھ ہجری کو ہوا دو شنبہ کی صبح کو ۲۴ ر صفر کو جدہ پہونچے۔

مجھکو (کاتب الحروف کو) قید خانہ میں کوئی خبر صبح تک معلوم نہ ہوئی۔ صبح کو جب احباب ملنے آئے تب سب کیفیت معلوم ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سید امین عاصم صاحب کے بھانجہ زادہ سید احمد جعفری آئے اور کہا کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ ہم نے تیرے چھڑانے کے لئے بہت کوشش کی مگر چونکہ شریف بہت خفا ہے۔ اس لئے کم از کم آٹھ دس دن تک تجھکو قید خانہ میں رہنا پڑیگا۔ میں نے کہا کہ چونکہ میں مدینہ منورہ سے فقط مولانا کی خدمت کیلئے نکلا ہوں۔ اسلئے مجھکو خدمت میں رہنا ضروری ہے اگر جدہ سے مولانا ہندوستان تشریف لے گئے تو میرے ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہاں مجھ سے اعلےٰ اعلےٰ خدام موجود ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ انکو بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اسلئے جسطرح ممکن ہو مجھکو مولانا کے پاس بھجوا دیجیئے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ بات تو آسان ہے۔ ہم ابھی شیخ الاسلام جاکر کہے دیتے ہیں کہ مادہ فساد میں سے بعض کا باقی رکھنا اور بعض کا اخراج کرنا مناسب نہیں۔ اسلئے اس کو بھی وہاں بھیجدو غالباً وہ اسی وقت تجھ کو بھی وہاں بھیجدیں گے۔ میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی کیجئے۔ پھر نہ معلوم اُن سے کیا باتیں ہوئیں ظہر کے بعد قریب عصر کے معلوم ہوا کہ مجھ کو جدہ جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں نے مکان پر پولیس کے ساتھ جاکر اپنا ضروری سامان ساتھ لیا اور باقی ماندہ جس قدر اسباب حضرت مولانا اور رفقاء کا تھا اس کو بھی منتظم کر کے حافظ عبد الجبار صاحب کے سپرد کیا کہ آپ اس تمام اسباب کو خچروں پر جدہ مطوف صاحب کے وکیل کے پاس بھجوا دیں۔ الغرض مولانا کی روانگی کے بعد اگلے دن خچروں پر مجھکو زیر حراست روانہ کیا گیا۔ چونکہ لونٹ جدہ اور مکہ کے درمیان

دو دن لگاتا ہے اور تجھرو ایک ہی شب میں پہنچتا ہے۔ اس لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے کے تقریبا دو یا ڈیڑھ گھنٹے کے بعد میں بھی پہنچ گیا۔ جدہ کے قرنطینہ کے دروازہ پر ایک کمرہ تھا وہاں پر مولانا مع اپنے رفقاء کے فروکش تھے۔ وہاں ہی میں بھی پہنچا دیا گیا۔ مولانا کو میری طرف سے بہت فکر تھا حاضر ہو جانے پر اطمینان ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ کا خواب بیان فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ "جناب سرور کائنات آقائے نامدار حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہے اور ہم سب لئے جا رہے ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ کی تجہیز و تکفین وغیرہ سب امور کا میں متکفل ہوں اور پھر اپنے دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں کہ آنحضرت علیہ السلام کی تجہیز و تکفین ہم طالب علم کس طرح سے پورے طور پر ادا کر سکیں گے پھر دیکھا کہ جنازہ ایک جگہ رکھا گیا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اسکے سامنے دو زانو مراقب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور میں چاروں طرف ارد گرد تجہیز و تکفین غسل وغیرہ کا انتظام کرتا پھر رہا ہوں تعبیر چونکہ ظاہر تھی کچھ بیان نہیں فرمایا شام کے وقت انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی بہاؤ الدین محافظ حجاج آئے اور انھوں نے کہا کہ کل کو آگبوٹ جانیوالا ہے۔ اگر آپ اس میں چلیں تو میں آپ کا انتظام کروں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ معتمد برطانیہ کرنیل ولسن کی طرف سے مامور ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں یہ کہدیجئے کہ ابھی تک ہمارا سارا سامان مکہ معظمہ سے نہیں آیا۔ اس لئے ہم اگلے آگبوٹ میں جائینگے اور پھر دوسری بات ہم آپ سے بحیثیت ہندوستانی اور مسلمان ہونے کے خیر خواہانہ طور پر کہتے ہیں کہ اگر ہم کو اسوقت ہندوستان بھیجا گیا تو جو واقعات حجاز کے ہیں ہم بلا کم و کاست

وہاں کہیں گے۔ ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپاویں گے اور یہ امر گورنمنٹ کی سیاست سے زیادہ مخالف ہوگا۔ اس لئے آپ کوشش کیجئے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ ہم کو یہاں ہی کسی جگہ رکھدے خواہ جدہ میں یا اور کسی قریہ یا قصبہ میں۔ اُنھوں نے کہا کہ بہتر ہے۔ اگلے روز وہ آئے اور ہم کو اپنے مکان پر لے گئے اوپر کے طبقہ میں جو کہ خالی تھا۔ ہمکو رکھا اور بیچ کے طبقہ میں خود رہتے تھے۔ اور نیچے دروازے پر شریف کا سپاہی محافظت کرتا تھا۔ جو جہاز اسوقت موجود تھا وہ روانہ ہوگیا۔ کرنیل ولسن کسی جنگی ضرورت سے باہر چلا گیا۔ تقریبًا ۲۰ یا ۲۵ دن کے بعد آیا۔ اُنھوں نے اُس سے کہا اُس نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں کہ ان کو یہاں چھوڑا جائے۔ کیونکہ شریف کہتا ہے کہ میری قلمرو میں ان کا چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہے۔ ان کو مصر بھیجنا چاہئے۔ جب ہمکو یہ خبر پہنچی تو ہم نے کہا کہ مصر سے ہندوستان ہی اچھا ہے۔ آپ ہندوستان کیلئے ان سے زور دیجئے اس پر اُنھوں نے جواب دیا کہ اب وہ ہندوستان کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا (یہ سب اُن کا بیان ہے)

جدہ سے روانگی

الغرض بروز جمعہ ۱۲ر جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۵ھ جدہ سے سویز کو خدیوی آگبوٹ پر ہمکو سوار کر دیا گیا۔ تقریبًا ایک ماہ جدہ میں رہنا ہوا۔ نماز پنجگانہ ہم مکان پر ہی پڑھتے تھے جمعہ کے روز بہاؤالدین ہمارے ساتھ جامع مسجد کو جو کہ قریب ہی تھی جاتا تھا اور پھر ساتھ ہی واپس ہوتا تھا۔ بازار میں سے اگر کوئی چیز ضروری ہوتی تھی تو اس کو اپنے ہمراہ لیجا کر خریدوا دیتا تھا یا اپنے نوکر کے ذریعہ سے جو کہ خفیہ ہی کا تھا منگوا دیتا تھا۔ جہاز پر سوار ہونے تک ہم اُسکے زیر حراست رہے اور جہاز کی روانگی تک دو سپاہی شریف کے ہماری

حفاظت کرتے رہے جبکہ وقت روانگی کا آگیا چلے گئے۔ جہاز پر کوئی پولیس ہم پر نہ تھی۔ جدہ میں کھانا گورنمنٹی خرچ سے بواسطہ بہاؤالدین عبدالرحیم بخش کے یہاں سے پک کر دونوں وقت آتا تھا۔ قیام جدہ میں بھی مولانا نے دو خوابیں دیکھیں۔ ایک یہ کہ "ایک سیاہ بھینسا نہایت مضبوط مولانا پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے اپنے سینگ مولانا کے سینۂ مبارک سے لگا دیئے ہیں۔ اب یہ خیبوں میں ہے کہ اگر اس نے ذرا بھی دھکہ دیا تو مجھکو گرا دے گا۔ مگر سینگوں کے لگا دینے کے بعد ساکت وصامت کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگ مولانا کی ہمدردی کر رہے ہیں اور اس کو پیچھے سے مارنا چاہ رہے ہیں مولانا نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو۔ اگر تم نے اس کو مارا تو مجھ کو آگے دھکیل کر ہلاک کر دے گا۔ اسی حال میں مولانا نے اسکو غفلت دے کر ایک طرف کو اپنے آپکو نکال لیا۔ اور ہٹ گئے۔ اس نے بھی کوئی تعاقب نہ کیا" اس کی تعبیر تو یہ دی انشاءاللہ العزیز بغیر کسی کی سعی کے افادہ دینے کے ہم اس مصیبت سے نجات پائیں گے۔

دوسری خواب بھی اسی کے قریب تھا دیکھا کہ "ایک میدان میں ہیں اور سامنے ایک باؤلا سفید کتا بیٹھا ہے اس پر جنون اسقدر سخت غالب ہے کہ منہ سے جھاگ جا رہے ہیں لوگ اس پر پتھر اینٹ وغیرہ پھینک رہے ہیں کہ وہ میرے سامنے اور مجھ پر حملہ کرنے سے ہٹ جاوے مگر وہ ہٹتا نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بخود چلا گیا اور مولانا محفوظ ہو گئے۔ اس تعبیر بھی اول کے قریب تھی۔

سویز کا پہونچنا

جہاز جدہ سے روانہ ہو کر چوتھے دن بروز سہ شنبہ ۱۶ر جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۲ر ربیع الاول سویز پر صبح کو پہونچا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک گارد تقریباً اٹھارہ بیس گوروں کی معیت

اور بندوق لئے ہوئے پہونچی اور ہمکو قریب کے فوجی کیمپ میں جو اسٹیشن کے قریب ہی تھا اُتار کر وہاں ایک خیمہ میں ہمکو ٹھہرا دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ کل تمکو مصر روانہ کیا جائیگا۔ ہم پر ہندوستانی سپاہی پہرے کیلئے مقرر کئے گئے اور ہندوستانیوں ہی سے کھانا پکوا کر ہمارے واسطے دیا گیا صبح کو نماز کے وقت ہمکو ریل پر سوار کرا دیا گیا۔ درجہ تھرڈ کلاس تھا اور تقریباً چودہ یا پندرہ گورے سنگین لگائے ہوئے ہماری حفاظت کو ساتھ تھے۔ اسباب سب ہمارا ہمارے ساتھ تھا۔ گوروں کی گارد جنکشنوں پر ایک یا دو جگہ بدلی سہ پہر کو تقریباً دو بجے اسی روز یعنی چہارشنبہ ۱۷ جنوری مطابق ۲۳ ربیع الاول کو گاڑی قاہرہ کے اسٹیشن پر پہونچی۔ یہاں ہم اوتارے گئے۔ چونکہ نماز کا وقت تھا ہم نے پانی مانگا۔ اور اسٹیشن ہی پر باجماعت نماز پڑھی۔ گورے سپاہی ہمارے چاروں طرف سنگین لئے ہوئے محافظت کرتے رہے۔ پھر عصر کی بھی نماز وہیں پڑھی جبکہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے دن باقی تھا۔ اُسوقت موٹر آیا، اور ہم کو مع جملہ اسباب کے جیزہ لے گیا۔

مصر اور جیزہ ملک مصر کا دارالسلطنت قاہرہ ہے جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے یہ مصر میں سب سے بڑا شہر ہے اور جب سے اسلام نے اپنا سکہ یہاں جمایا ہے ہمیشہ بادشاہان مصر کے قیام کی جگہ یہی شہر رہا ہے۔ نہایت پُررونق اور آباد شہر ہے۔ خدیو مصر یہاں ہی رہتا ہے۔ اس کا اسٹیشن بھی نہایت عجیب اور بڑا بنا ہوا ہے۔ یہاں سے ہر طرف کو گاڑیاں چھوٹتی ہیں علمی حیثیت سے یہ بھی بہت بڑا مرکز ہے۔ جامع ازہر علوم عربیہ کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ علاوہ اس کے مختلف علوم وفنون کے یہاں پر یونیورسٹیاں اور کالج اور اسکول وغیرہ بیحد بکثرت

دریائے نیل کے دائیں جانب واقع ہے اور دریا کے بائیں جانب کی آبادی کا نام جیزہ ہے۔ ان دونوں جیزہ ایک علیحدہ ضلع شمار کیا جاتا ہے دریائے نیل نے ان دونوں آبادیوں کو جدا کر دیا ہے۔ دریا پر متعدد مقامات میں پل بنے ہوئے ہیں جو کہ کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے کشتیاں گذر سکتی ہیں۔ ٹریموے دونوں شہروں میں چلتی رہتی ہیں۔ اہرام مصر یادشاہان قدیم کی عمارت یہاں جیزہ ہی میں واقع ہے۔ یہاں پر زمانہ سابق کا ایک جیلخانہ تھا جس کو سیاہ جیلخانہ کہتے تھے چونکہ اب خود قاہرہ میں جیلخانہ بنا دیا گیا تھا۔ اس لئے یہ جیلخانہ بیکار ہو گیا تھا۔ اب یہ سوداگروں کو تجارتی مال و سامان رکھنے کے لئے کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ زمانہ جنگ میں جبکہ سیاسی قیدیوں کے لئے جیل کی ضرورت ہوئی تو اس کو خالی کرا لیا گیا۔ اور اسکو (معتقل سیاسی) سیاسی قیدخانے کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہاں پر اُن ڈیڑھ یا دو سو سے زائد سیاسی لوگ قید تھے جن میں اکثر حصہ مسلمانوں کا تھا اور کچھ عیسائی بھی تھے۔ ہندوستانی بھی تقریباً آٹھ دس تھے جنمیں کے عموماً وہی لوگ تھے جنہوں نے مصر میں بود و باش اختیار کر رکھی تھی ہم مغرب سے کچھ پہلے یہاں داخل کئے گئے۔ ہماری تلاشی لی گئی ہمارے پاس چھری یا استرہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ لے لیا گیا اور نقد سے استفسار کیا گیا۔ اس وقت ہمارے پاس اکیاسی پونڈ انگریزی اور کچھ تفاریق تھی جن کو ہمنے بنظر احتیاط مکہ معظمہ سے ساتھ لے لیا تھا اور تقریباً چالیس پونڈ چھوڑ دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو پھر منگالیں گے وہ سب لے لئے گئے اور بعد امانت رکھ لئے گئے اور کہا کہ جب تم کو ضرورت ہوا کرے گی ملا کرے گا۔

ہم کو اندرونِ قیدخانہ جہاں قیدی رہتے تھے شب کو داخل نہیں

کیا گیا بلکہ دیوار ہائے قید خانہ کے اندر قیدیوں کے کٹہرے سے باہر ایک خیمہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور اس میں چارپائیاں بچھا دی گئیں اور کھانا چاء وغیرہ ہمکو وہیں دی گئی چاء تو حقیقت میں سیاسی قیدیوں میں سے حاجی غلام نقشبند کابلی وغیرہ حضرات نے بھیجی مگر کھانا ترکی مطبخ میں سے گورنمنٹ کی طرف سے آیا۔ رات بخیر و عافیت ہم نے خیمہ میں گذاری وہ ایام مصر میں سخت سردی کے تھے اور ہم مکہ معظمہ سے جو کہ گرم جگہ ہے گئے تھے۔ مگر چونکہ ہمارے پاس کپڑے ہر قسم کے موجود تھے۔ اس لئے کوئی سخت تکلیف نہ ہوتی تھی۔ صبح کو ہم سے بلا کر پوچھا کہ یہ نقد رقم کس کے نام لکھی جائے۔ ہم سبھوں نے اتفاق سے کہدیا کہ ہم پانچوں کی مشترک ہے کسی خاص نام کو مناسب نہ سمجھا گیا۔ اس کے بعد ہماری چارپائیاں ایک طویل کمرہ میں داخل کر دی گئیں اور باہر سے دروازہ لوہے کی سلاخوں کا مضبوط تھا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اوّل وہاں کے دفتر میں لے گئے پھر وہاں سے شہر میں جہاں جنگی دفتر اور مرکز تھا دو سپاہیوں کی حفاظت میں ٹریموے میں لے گئے کیونکہ جگہ بہت دور تھی ایک کمرہ میں مولانا کو داخل کیا گیا جو کہ چھوٹا سا تھا۔ اس میں تین نشستیں تین انگریزوں کی تھیں دو اُن میں سے اردو نہایت صاف بولتے اور سمجھتے تھے۔ مولانا کو کرسی پہ بٹھایا گیا۔ اس کے پاس چھپے ہوئے کاغذات تھے جن کو گورنمنٹ ہند نے ہم سبھوں کے متعلق خبریں جمع کر کے چھاپ کر وہاں بھیجے تھے۔ مولانا مرحوم کی ڈاڑھی بہت زیادہ تھی اتفاق سے مولانا کو اسوقت کچھ پیشاب کا بھی تقاضا تھا۔ کچھ تنہائی رفقاء کا خیال، کچھ انگریزوں اور دُنیادی حکام سے نفرت اس نے اولاً مولنا کا نام اور پتہ وغیرہ پوچھنا شروع کیا اور پھر دوسری باتیں پوچھیں۔ مولانا نے نہایت مختصر اور اُکھڑے ہوئے طریقے پر بلا التفات و توجہ کے جوابات دیئے۔

جس طریقہ کو غالباً اُس نے اپنی تمام عمر میں کہیں دیکھا نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس نے حکیم نصرت حسین صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ غالباً مولانا کو کبھی حکام سے ملنے اور اُن سے طرزِ معاشرت کا سابقہ نہیں پڑا ہے۔ اُس نے پتہ وغیرہ لکھنے کے بعد سوالات کئے۔

سوال مستنطق۔ آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا؟

جواب مولانا۔ اس کے محضر پر دستخط نہ کرنے کی بناء پر۔

مستنطق۔ آپ نے اُس پر کیوں نہ دستخط کئے۔؟

مولانا۔ مخالف شریعت تھا۔

مستنطق۔ آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتویٰ ہندوستان سے بھیجا ہوا پیش کیا گیا تھا؟

مولانا۔ ہاں۔

مستنطق۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

مولانا۔ رد کردیا۔

مستنطق۔ کیوں؟

مولانا۔ مخالف شریعت تھا۔

مستنطق۔ آپ مولوی عبیداللہ کو جانتے ہیں؟

مولانا۔ ہاں۔

مستنطق۔ کہاں سے؟

مولانا۔ انھوں نے دیوبند میں مجھ سے عرصہ دراز تک پڑھا ہے۔

مستنطق۔ وہ اب کہاں ہیں؟

مولانا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں عرصہ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوتا ہے کہ حجاز وغیرہ میں ہوں۔

مستنطق۔ ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا۔ مجھکو کچھ علم نہیں۔ نہ میں نے دیکھا ہے۔

مستنطق۔ وہ لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلاف برطانیہ شریک ہیں۔ اور آپ فوجی کمانڈار ہیں۔

مولانا۔ وہ اگر لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ بھلا میں اور فوجی کمانداری۔ میری جسمی حالت ملاحظہ فرمایئے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے۔ میں نے تمام عمر مدرسہ کی مدرسی میں گذرانی مجھ کو فنون حربیہ اور فوج کی کمان سے کیا مناسبت۔

مستنطق۔ اس نے دیوبند میں جمعیتہ الانصار کیوں قائم کی تھی؟

مولانا۔ محض مدرسہ کے مفاد کے لئے۔

مستنطق۔ پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

مولانا۔ آپس کے اختلاف کی وجہ سے۔

مستنطق۔ کیا اُس کا مقصد اس جمعیتہ سے کوئی سیاسی امر نہ تھا۔؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق۔ غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا۔ غالب نامہ کیسا؟

مستنطق۔ غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں لے کر حجاز سے گیا ہے۔ اور آپ نے غالب پاشا سے اس کو حاصل کیا ہے؟

مولانا۔ مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں۔ وہ میرا رفیق سفر تھا۔ مدینہ منورہ سے مجھ سے جدا ہوا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد اُس کو جدہ اور مکہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھیرنا پڑا تھا۔ غالب پاشا کا خط کہاں ہے۔ جس کو

میری طرف منسوب کرتے ہیں؟

مستنطق۔ محمد میاں کے پاس ہے۔

مولانا۔ مولوی محمد میاں کہاں ہیں؟

مستنطق۔ وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا۔

مولانا۔ پھر آپ کو خط کا پتہ کیونکر چلا؟

مستنطق۔ لوگوں نے دیکھا۔

مولانا۔ آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی میرا وہاں تک کہاں گذر ہو سکتا ہے۔ پھر میں ناواقف شخص۔ نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی ربط ضبط حج سے چند دن پہلے مکہ معظمہ پہنچا اپنے امور دینیہ میں مشغول ہو گیا۔ غالب پاشا حجاز کا اگرچہ گورنر تھا۔ مگر طائف میں رہتا تھا۔ میری وہاں تک رسائی نہ حج کے پہلے ہو سکتی تھی نہ بعد از حج۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے کسی نے یوں ہی اڑائی ہے۔

مستنطق۔ آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟

مولانا۔ بے شک۔

مستنطق۔ کیونکر؟

مولانا۔ جب وہ مدینہ منورہ میں ایک دن کے لئے آئے تھے تو صبح کے وقت انھوں نے مسجد نبوی میں علماء کا مجمع کیا۔ مجھ کو بھی حسین احمد اور وہاں کے مفتی اس مجمع عام میں لے گئے اور اختتام مجمع پر انھوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کرا دیا۔

مستنطق۔ آپ نے اس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق۔ کیوں؟
مولانا۔ مصلحت نہ سمجھا۔
مستنطق۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟
مولانا۔ نہیں۔
مستنطق۔ حسین احمد نے کی؟
مولانا۔ ہاں۔
مستنطق۔ پھر کچھ انور پاشا نے آپ کو دیا؟
مولانا۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ حسین احمد کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ کے کر انور پاشا کی طرف سے آئے تھے۔
مستنطق۔ پھر آپ نے کیا کیا؟
مولانا۔ حسین احمد کو دے دیا تھا۔
مستنطق۔ ان کا غذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ترکی اور افغانستان اور ایران میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرانا چاہتے ہیں۔ اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔
مولانا۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کو بھی حکومت کرتے ہوئے اتنے دن گذر چکے ہیں۔ کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز پادشاہوں تک پہونچ سکتی ہے اور پھر کیا سالہا سال کی ان کی عداوتیں میرا جیسا شخص زائل کر سکتا ہے اور پھر اگر زائل بھی ہو جائے تو کیا ان میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد سمجھ کر ہندوستان کے حدود پر فوجیں پہونچا دیں اور اگر پہنچا بھی دیں۔ تو آیا ان میں آپ سے

طاقت جنگ کی ہوگی۔

مستنطق۔ فرماتے تو آپ سچ ہیں۔ مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے۔

مولانا۔ اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کی باتیں کس قدر پایۂ اعتبار رکھ سکتی ہیں۔

مستنطق۔ شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا۔ وہ باغی ہے۔

مستنطق۔ حافظ احمد صاحب کو آپ جانتے ہیں۔؟

مولانا: خوب" وہ میرے اُستاد زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں۔ میری تمام عمر ان کے ساتھ گذری ہے۔

غرضکہ اسی قسم کے بہت سے سوالات وہ کرتا رہا۔ حدودِ افغانستان اور قبائل و نیز کابل وغیرہ کی نسبت بھی سوالات کئے۔ مولانا بھی مختصر مختصر جملوں میں مگر نہایت بے رُخی کے ساتھ جواب دیتے رہے وہ سب کو انگریزی میں لکھتا رہا اور پھر مولانا کو جیل میں واپس ہونے کے بعد ہمارے پاس نہیں لائے گئے۔ بلکہ اندر جیلخانہ میں بھیجد یئے گئے اور وہاں ایک چھوٹی کوٹھری میں بند کر دیئے گئے۔ اُس کوٹھری میں تین چارپائیوں کی جگہ تھی۔ دو برابر طول میں بچھ سکتی تھیں۔ اور ایک عرض میں۔ مگر ایک ہی چارپائی اُس میں بچھی ہوئی تھی

مصر کے سیاسی قیدخانے کی چارپائی

وہاں چارپائیاں چیڑ کی لکڑی کے تین تختے لمبائی میں رکھنے اور دو پٹیوں پر رکھ دینے سے بن جاتی ہے۔ ان دونوں پٹیوں میں معمولی سے سہ شاخہ پائے جڑے ہوتے ہیں اس صورت پر

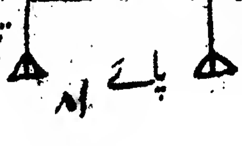

اس چارپائی کی نقل و حرکت میں آسانی ہوتی ہے۔ تینوں تختے اوپر کے علیحدہ ہو جاتے

ہیں اور دونوں پٹیاں علیحدہ ہوتی ہیں۔ اس چارپائی پر موٹا گدا بچھا ہوا تھا جس میں ناریل کا صوف بھرا تھا اور گدے پر تین کمبل ایک بچھانے اور دو اوڑھنے کے لئے رکھے تھے۔

جیزہ کی قید تنہائی کے قواعد

کوٹھری میں ایک طرف کو ایک بالٹی رکھی تھی جس میں وضو، پاخانہ، پیشاب کرنے کا حکم تھا۔ اس بالٹی پر ڈھکنا بھی ہوتا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ لکڑی کا تھا جس میں کوئی سوراخ نہ تھا۔ کوٹھری میں پشت کی جانب سے ایک روشندان بہت اونچائی پر تھا جس سے ہوا اور دن کو روشنی آتی رہتی تھی۔ صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ کوٹھری کھول کر ہوا کھلانے کے لئے نکالتے تھے۔ اسی وقت بالٹی بھی میلا صاف کرنے والے خدام لے جاتے اور صاف کر کے پھر رکھ جاتے تھے اور کمرہ میں جھاڑو دے جاتے۔ ایک ایک صراحی اور ایک گلاس تھا جس کی قیمت ہم کو اپنے پاس سے دینی پڑتی تھی اور علیٰ ہذالقیاس خادموں کی تنخواہ بھی جن کا کام کھانا لانا، پانی لانا، جھاڑو دینا، بالٹی صاف کرنا تھا۔ ہم کو دینی پڑتی تھی گورنمنٹ کی طرف سے فی کس بارہ قرش صاغ یعنی تقریباً ایک روپیہ آٹھ آنہ یومیہ ہر اسیر کو ملتے تھے۔ جس میں وہ اپنے جملہ مصارف کا متکفل تھا۔ وہاں پر اسیروں نے حسب مذاق خود اپنے اپنے باورچی خانے (میز) بنا رکھے تھے۔ جن لوگوں کو ترکی کھانوں کا مذاق تھا۔ انھوں نے اپنی شرکت میں ایک باورچی خانہ کھول رکھا تھا جس میں باورچی ترکی کھانا پکانے والا کام کرتا تھا۔ انتظام سب اسیر کرتے تھے۔ ہر مہینہ میں سکریٹری منتخب کیا جاتا تھا۔ اور وہ حسب مشورہ ضروریات منگاتا اور پکواتا تھا۔ مگر اسی مقدار میں جتنا کہ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا تھا۔ اسی طرح مصریوں کی میز یا باورچی خانہ علیحدہ تھی۔ اس کا باورچی

مصری کھانے پکاتا تھا۔ جو عیسائی ان دونوں میں سے کھانا نہیں چاہتے تھے۔ علی الصباح ایک ایک گلاس سادہ چائے اور کبھی دودھ کے ساتھ انڈے، مسکہ، پنیر، مربا، جیلی، پاؤ روٹی کا ایک یا دو ٹکڑا آتا تھا۔ مگر سب ایک دن میں نہیں بلکہ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ کبھی کچھ ہوتا تھا کبھی کچھ البتہ اکثر نمکین اور میٹھا دونوں میں سے ایک ایک قسم ضرور ہوتی تھی۔ دوپہر کے وقت روٹی کے ساتھ دو تین قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن مرغ۔ اور ایک دن دوسرے پرندوں کا گوشت بھی ہوتا تھا۔ پلاؤ یا میٹھی قسم کا بھی کوئی کھانا اکثر ہوتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ کھانا بہت اچھا تھا اور لذیذ بھی ہوتا تھا۔ نمک مرچ درست اُن عربی کھانوں کی طرح سے نہیں ہوتا تھا۔ جن میں نہ نمک ہوتا ہے نہ مرچ ہم میں سے اپنے حصہ کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا تھا۔ کھانے کے وقت دروازہ کھول کر کھانا اندر داخل کر دیتے تھے ہم کو شمع جلانے کی اجازت تھی۔ اس لئے ہم اپنے پیسہ سے شمع اور دیا سلائی منگا لیتے تھے اور اندر کھانے یا پڑھنے کے وقت جلا لیتے تھے۔ ہم کو کسی سے باتیں کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کو ہم سے۔

ٹہلنے کی جگہ جبکہ صبح کو ایک گھنٹہ کے لئے ٹہلنے کو نکالتے تھے تو عام میدان میں ہم ٹہل نہیں سکتے تھے بلکہ حجروں کے پیچھے ایک محفوظ جگہ تھی۔ وہاں پر ٹہلنے کا حکم تھا اس کے دو طرف دیواریں تھیں ایک طرف ٹین کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ اور ایک طرف تار دل کی جالی تھی اور اسی طرف دروازہ تھا۔ محافظ اس دروازہ کو کھول کر ہم کو ٹہلنے کے لئے داخل کر دیتا تھا اور قفل لگا دیتا تھا۔ ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد ایک

ایک آدمی کو نکال کر اس کے کمرہ میں بند کرکے دوسرے کو ہوا کھانے کے
لئے اس پنجرے میں بند کر دیتا تھا۔ یہ ٹہلنے کی جگہ کھلی ہوئی تھی آسمان نظر
آتا تھا۔ چونکہ فروری کا مہینہ تھا اور مصر کی سردی تھی، اسلئے وہاں دھوپ
کی خواہش بہت ہوتی تھی وہاں دیواروں پر سپاہی پہرے دیتے تھے، ان
کو سخت تاکید تھی کہ کوئی شخص ان کمروں کے پاس نہ آنے پائے۔ نہ دن
میں نہ رات میں نہ کوئی ان سے گفتگو کر سکے۔ اس لئے کوئی شخص پاس نہ
پھٹک سکتا تھا، جس کا نقشہ بتایا یہ تھا

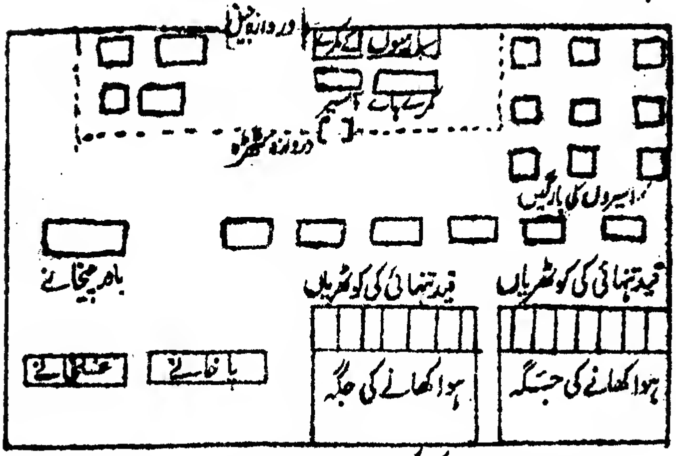

البتہ بعض احباب ہندوستانی کبھی کبھی رات کو آ کر گفتگو کر جاتے تھے۔ جن میں سے الٰہ آباد
کے صوفی مولوی شاہ محمد خاں صاحب جو کہ قاری عبدالوحید صاحب الٰہ آبادی
کے قریب بھی عزیز ہوتے ہیں۔ اور حاجی غلام نقشبند صاحب کابلی اور غلام
جیلانی صاحب خاص کر قابل شکریہ ہیں یہ برابر ہمدردی فرماتے ہیں خصوصاً صوفی صاحب
نے بہت زیادہ ہمدردی میں قابل وقعت حصہ لیا۔ ممدوح ایک زمانہ میں

برس مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھا بھی کرتے تھے اور مدینہ منورہ بھی گئے تھے۔ اس لئے اُن کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور کاتب الحروف سے واقفیت بھی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا کو تو کوٹھری میں بندکر دیا گیا۔ مگر ہم کو یہی خیال ہوا کہ مولانا کو اندر لیجا کر جملہ اسیروں کے ساتھ کسی بارک میں چھوڑ دیا گیا ہوگا۔ مولانا نے اپنی ضروریات مثلاً قرآن شریف دلائل الخیرات تسبیح وغیرہ طلب فرمائی۔ ہم نے یہ چیزیں اور چند پان اور لوٹا وغیرہ بھیجدیا۔ ہمکو یہ معلوم نہ تھا کہ مولانا کوٹھری میں بند ہیں۔ مولانا کو قدرے پانوں کی وجہ سے تکلیف ہوئی۔ مگر حتی الوسع خبر گیری کی گئی مولانا مرحوم جب وہاں بند ہوگئے تو خیال ہوا کہ مجھکو سزا پھانسی کی دیجائیگی کیونکہ مشہور ہے جسکے لئے پھانسی کا حکم ہوتا ہے اُسی کو کال کوٹھری میں رکھا جاتا ہے۔ ادھر دوستوں اور دشمنوں نے مولانا کی نسبت جھوٹی اور سچی خبروں کے پہونچانے میں کوئی کوتاہی نہ کی تھی جن باتوں کی نسبت خیال تک بھی نہ تھا وہ گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی گئی تھیں۔

مولانا کا فکر حقیقت میں مولانا مرحوم کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا جیسا کہ اُن کے کلام سے معلوم ہوا۔ فقط اُن کو دو فکر تھے ایک یہ کہ میری وجہ سے یہ چند رفقاء بھی اذیت اور تکلیف میں پڑے۔ خدا جانے انکے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور دوسرا وہ تھا جو کہ حقیقت میں اہل بصیرت اور بڑے مرتبہ والوں کو ہوا کرتا ہے یعنی چونکہ بارگاہ الٰہی نہایت بے نیاز بارگاہ ہے۔ جس کے استغناء اور علو نے تمام اکابر کو اُن کے درجہ کے موافق بے چین کر رکھا ہے۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی اُس کا راز ہے ؎

زدرد دین ہمہ پیران رہ را
جگر ہا خستہ و دلہا کباب است

اس کا سرے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان دائم الفکرۃ نظرہ الی الارض اکثر من نظرہ الی السماء (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جن کے لئے فرمادیا گیا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ[1] اور لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر[2]) ہمیشہ غمگین اور ہر وقت فکر میں مستغرق رہتے تھے۔ آپکی نظر زمین کی طرف آسمان کی نسبت زیادہ رہتی تھی") اور اس قسم کی حدیثیں اس کے شواہد حالی ہیں۔

الغرض جوجس قدر معرفتِ باطنی اور حقیقی علوم دیا گیا ہے وہ اسی قدر عظمتِ الٰہی کے سامنے خائف اور لرزاں رہتا ہے وہ کیسا ہی عظیم الشان کام کرے اور کتنی ہی نیت صاف اور خالص بنا کر پیش کرے۔ مگر احکم الحاکمین بے نیاز کے سامنے اس کو اطمینان کہاں۔ جب تک خاتمہ بالخیر اور سلامت عواقب پہ مہر نہ ہو جاوے۔ جب تک پریشانی ہی پریشانی ہے۔ چنانچہ مولانا کو یہ پریشانی بہت زیادہ پریشان رکھتی تھی۔ چھٹے یا ساتویں روز جبکہ ہم سب اس ہوا خوری کی جگہ میں جمع ہوئے اور نہایت آزادی سے ہر ایک نے اپنے اپنے احوال بیان کئے اور مولانا کے افکار کا حال معلوم ہوا تو مولانا سے بعض خدام نے سبب پوچھا۔ کیونکہ اس مدت میں مولانا نے بالکل کھانا نہیں کھایا۔ کثرتِ افکار اور استغراق باطنی کی بناء پر کھانا ویسا ہی واپس ہو جاتا تھا۔ فقط چا پیتے تھے اور پان کھاتے رہتے تھے۔ (کیونکہ تمباکو کھانے کی بہت عادت تھی۔ سوکھے پان مکہ معظمہ سے ہم نے بہت

---

[1] یعنی عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے مطلوب کو دیکر تم کو راضی کردے گا ۱۲

[2] اور تمہارے فتح مکہ کے نیک ثمرات ہیں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا بھی ہے ۱۲

سے رکھ لئے تھے) ممکن ہے کہ کبھی ایک دو لقمہ روٹی کھالی ہو۔ مگر مجھکو جہانتک علم ہے نہ اس مدت میں کھانا کھایا نہ قصا ے ۔ ۔ ۔ ۔ فرمائی۔ البتہ پیشاب برابر کرتے رہے۔ اُن کو ہمیشہ سے غذا کی تقلیل میں بہت سرگرمی تھی۔ اسی وجہ سے قلت غذا اُنکی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی اور اسی وجہ سے فضلئہ حاجت کی ضرورت بھی بہت کم ہوتی تھی اور پھر بھی فضلہ بہت کم خارج ہوتا تھا۔ عموماً فضلہ اُن کا پیشاب کے ذریعہ بدن سے نکل جاتا تھا۔ اُن کی صحت کی نشانی کثرتِ اِدرارِ بول تھا۔ اور جب کبھی اُس میں کمی ہوجاتی تھی۔ تب ہی بیمار ہوجاتے تھے۔ قبض اُن کو کثرت سے رہتا تھا۔ فرمایا کہ مجھکو برابر یہ خیال دامنگیر رہا کہ میری وجہ سے تم سب بھی پکڑے گئے اور پھر اس خیال نے کہ غالباً ہم سبھوں کو سزائے موت دیجائیگی اور بھی بے چین کردیا تھا۔ میرا کچھ نہیں تھا میں اپنی طبعی عمر سے تجاوز کرچکا ہوں۔ مگر تم سب کی طرف سے بہت بڑا خیال تھا اور ہے کہ تم سب نوعمر میری وجہ سے گرفتار ہوئے۔ خدام نے عرض کیا کہ یہ سب خدا کے راستے میں واقع ہوا ہے، پھر کیا فکر ہے۔ اُسوقت میں مولانا کی عجیب حالت تھی۔ حالانکہ ضبط نہایت قوی تھا کبھی اپنے آپکو بے اختیار نہیں ہونے دیتے تھے۔ مگر اُسوقت بے اختیار ہوگئے۔ آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور فرمانے لگے کہ بھائی خدا کی درگاہ نہایت بے نیاز ہے یہی تو ڈر ہے۔ آدمی اپنی جان تک دیدے مگر کیا خبر وہ قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ یہ کہکر چپ ہوگئے اور کچھ عرصہ تک خاموش رہے۔

اپنے غلاموں سے برتاؤ

مولانا مرحوم میں مروت کا مضمون نہایت زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے غلاموں کا نہایت زیادہ خیال رہتا تھا یوں تو ہر بڑے کو اپنے کا خیال ہوتا ہی ہے۔ مگر طبائع مختلف پیدا کی گئی ہیں مولانا مرحوم میں جسقدر یہ مضمون تھا عموماً بڑوں میں نہیں دیکھا گیا۔ مگر اسکے ساتھ ایک خاص ادا بھی تھی جو کہ شاذ و نادر ہی کہیں پائی جاتی جب کبھی اپنے آدمی کا کسی اجنبی سے مقابلہ کسی بات میں دیکھتے یا

پاتے تھے تو اپنے ہمدم کو دباتے تھے اور ہمت اجنبی کو جتلاتے تھے اور جس قدر تعلق اپنے سے ہوتا تھا اُسیقدر اُسکو دباتے بھی تھے اور یہی حالت بعینہٖ اپنی ذات کے ساتھ تھی مگر قلبی تعلق اور حقیقی طور سے خیر خواہی اپنے جانثاروں کی بیحد فرماتے تھے جس شخص نے تھوڑا سا بھی کبھی احسان اور کوئی خدمت اخلاص سے کی ہوتی تھی تو ہمیشہ اُس کا خیال رکھتے ہوئے اُس کے احسان کو مثل پہاڑ ایک عظیم چیز خیال فرماتے تھے۔ اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے مسائل حاضرہ میں موافقت کرتے ہوئے ہر طرح مستعدی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا۔ اُن سے مولانا کو بہت گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سبھوں نے عموماً اور کاتب الحروف نے خصوصاً نہ مولانا کے کمالات کو پہچانا اور نہ اُن کی خدمت کما حقہٗ ادا کی بلکہ حق خدمت کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کر سکے۔ اپنی نالائقی و کم ظرفی سے ہمیشہ ایسی باتیں بھی کرتے رہے۔ جنکی وجہ سے مولانا کو تکلیف جسمی یا روحی کی نوبتیں آتی رہیں۔ مگر اُن کا حوصلہ اور ضبط اور عادت صفح اور عفو نے اُنکو مجبور رکھا کہ ہماری نالائقیوں پر خیال بھی نہ فرمائیں۔ اُنھوں نے اخیر وقت تک اپنے غلاموں کے خیال کو اپنے دل سے باہر نہیں کیا۔ خداوند کریم عالم برزخ اور آخرت میں بھی اُنکی توجہ کو ہم نالائق غلاموں کی طرف مبذول کر اکر باعث نجات کریں۔ آمین

قبر سے اُٹھ کے پکاروں جو رشید و محمود　　　بوسہ دیں لب کو مرے مالک و رضوان دونوں

مولانا کی توجہ اور فکر کا اثر

یہی غلاموں کا فکر اُن کو قید تنہائی میں بھی بیچین کئے ہوئے تھا جس کا ایک ظاہر اور باہر اثر ہم پر یہ تھا کہ ہم قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم نئے پھنسے ہوئے تھے کبھی ایسے احوال ہم پر نہ گذرے نہ تھے۔ نو عمر تھے اپنے جملہ عزیز و اقارب سے جدا تھے۔ بالکل پردیس میں تھے نہ کوئی مونس تھا نہ غمگسار، نہ واقف نہ رازدار، مگر　نہ کسی چھوٹے کو نہ بڑے کو کوئی اضطراب کوئی قلق، کوئی بیچینی نہ تھی۔ رونا۔ دھونا۔ جزع فزع کرنا جیسے کہ لوگوں

کی عادت ہوتی ہے یہ تو درکنار دل میں بھی ذراسی گھبراہٹ نہ ہوتی تھی گھر کے اعزہ واقارب کی یاد بھی بےچین کرتی تھی حالانکہ عام طور سے ہم سب کو یقین یا ظن غالب پھانسی کا تھا۔
مولوی عزیز گل صاحب تو اپنی کوٹھری میں رہ رہ کر اپنی گردن اور گلے کو پھانسی کے لئے ناپتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا عادت ہو جائے اور پھانسی کے وقت یکبارگی تکلیف سخت نہ پیش آئے اور تجربہ کرتے تھے کہ دیکھوں کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے گویا کہ اپنی نانی کے گھر میں آرام کر رہے ہیں کبھی یہ وہم بھی نہیں گذرتا تھا کہ کاش ہم مولانا کے ساتھ نہ ہوتے یا کاش ہم اس کام یا خیال میں شریک نہ ہوتے۔
وللہ الحمد والمنۃ ہمکو بہت ہی تھوڑے دنوں میں ان کوٹھریوں سے خاص اُلفت ہوگئی تھی جن سے جدائی پر ایک درجہ قلق ہوا تھا۔ حضرات! یہ مولانا کی کرامت اور اُن کا خاص تصرف روحانی تھا ورنہ کہاں ہم سب اور کہاں یہ استقلال۔ غرضکہ پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۱۷ء کو مولانا کے بیان لئے گئے اور اُسی دن وہ قید تنہائی یعنی کال کوٹھری میں جسکو اہل مصر (زنزنہ) کہتے ہیں بند کر دیئے گئے اور بروز جمعہ مجھکو (کاتب الحروف) کچہری میں بلایا اور مجھ سے اظہارات لئے گئے۔ چونکہ ہمیشہ سے فضول گو اور کثیر الکلام ہوں میں نے زمین و آسمان کے قُلابے بہت کچھ ملا دیئے۔ میرا بیان دو دن تک وہ لکھتا رہا، اور بار بار کہتا تھا کہ تم لوگوں کی نسبت ہمارے کاغذات میں باتیں تو پھانسی کی ہیں مگر تم اقرار نہیں کرتے۔ شریف کی بغاوت۔ مسئلہ خلافت کے متعلق ٹرکی حکومت سے اسلامی علائق وغیرہ کی نسبت سب کے بیان بحمداللہ ایک ہی رہے۔ کوئی بھی حق کہنے سے نہیں چوکا۔ البتہ جو دوسرے اتہامات یا افواہیں تھیں ان کا مناسب جواب سب نے دیا۔ سب سے آخیر میں یہ بھی پوچھا گیا کہ گورنمنٹ کے لئے تم کوئی مشورہ خیر دیتے ہو تو غالباً سبھوں نے کہا کہ ہاں شریف کی مدد نہ کی جائے۔ اور سلطان سے لڑائی نہ کی جائے۔ اس میں گورنمنٹ کا بڑا نقصان

ہوگا۔ آخر کار مجھکو بھی ایک دوسری کوٹھری میں جوکہ مولانا کی کوٹھری کے برابر تھی رکھا گیا۔ پھر وحید سے بیان لئے گئے، اور پھر مولوی عزیز گل صاحب سے۔ آخیر میں حکیم نصرت حسین صاحب کو بلایا اور اُن سے کہا کہ میں تمہاری نسبت ڈائری میں کچھ نہیں پاتا۔ انھوں نے کہا کہ جناب میں تو درحقیقت میں ان جملہ اشخاص خصوصاً مولانا کی طرح بالکل بے قصور ہوں مگر بات یہ ہے کہ مولانا بڑے آدمی ہیں اس وجہ سے اصحاب اغراض کو ان سے اور ان کے خدام سے مقاصد اور اغراض ہیں۔ اسلئے مولانا کی نسبت افواہیں مشہور کیگئی ہیں۔ اور میں تو ایک سرکاری زمیندار آدمی ہوں ہمیشہ مقدمہ بازی وغیرہ میں مبتلا رہا ہوں۔ مجھ پر گورنمنٹ کے بڑے بڑے احسانات ہیں جن کو انھوں نے ذکر کیا اور کہا کہ مجھکو تو بلا وجہ پکڑ لیا گیا میں تو مولانا کا شاگرد ہوں، اور مجھکو مولانا کے احوال اور اُنکے بدخواہوں کے احوال سے واقفیت ہے۔ میں بغرض حج و زیارت آیا تھا۔ بعد از حج بہ نیت زیارت مدینہ منورہ مولانا کے پاس ٹھہر گیا۔ شریف نے مجھکو پکڑ کر بھیجدیا۔ شریف کی نسبت اور اسکی حکومت کے متعلق اور گورنمنٹ سے اسکے ناجائز تعلقات کی برائی میں انھوں نے خوب تفصیلی بیان دیا۔ مگر بالکل خیرخواہانہ طریقہ پر۔ مقدمہ بازی اور قانون وغیرہ سے واقف تھے، اور انگریزی بھی جانتے تھے، آخر کار انکو بھی کوٹھری میں سب سے آخر میں بھیجا گیا مگر چونکہ کوٹھریاں فقط چار خالی تھیں اور ہم پانچ آدمی تھے اسلئے انکی چارپائی مولانا مرحوم کی کوٹھری میں رکھی گئی جب روز وہ وہاں لائے گئے تو اُنھوں نے ہم سبھوں پر جو واقعات ہوئے تھے مولانا کو اجمالاً سنائے اور کہا کہ باقی رفقاء بھی انہیں کوٹھریوں میں ہیں۔ وضو وغیرہ میں اعانت بھی کی اسوقت مولانا مرحوم کے افکار میں کسی قدر کمی ہوئی۔ اُس روز انکے اصرار پر مولانا نے کچھ کھایا بھی اور چارپائی پر راحت فرمائی ہے کیونکہ ان چھ سات دن تک مولانا نے چارپائی پر کمر بھی نہیں لگائی تھی بلکہ چارپائی کی پائنتی زمین پر کمبل بچھا کر بیٹھ گئے تھے اور قرآن اور دلائل الخیرات۔ تسبیح۔ مراقبہ۔ نماز وہیں کمبل پر سب مشاغل ادا کرتے تھے۔ مراقبہ میں بیٹھے بیٹھے کچھ نیند آگئی تو آگئی، ورنہ استراحت بالکل

نہیں فرمایا ہم میں سے کوئی نہ اُن کو دیکھ سکتا تھا نہ ہم کو وہ دیکھ سکتے تھے اور نہ آپس میں باتیں کر سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مدت اسارت میں یہ سات آٹھ دن نہایت سخت ہم سبھوں پر گذرے، مگر سب سے زیادہ سختی مولانا مرحوم پر ہوئی اُسکے بعد معاملہ نہایت آسان ہی ہوتا رہا۔ اس سختی میں سوائے مذکورہ امور کے اور کوئی نئی بات نہیں پیش آئی۔ مگر ... بیکاری خیالات کا ہجوم، افکار تفرہ، پائخانہ، شباب کا حبس وغیرہ وغیرہ باعث تکلیف ہوئی۔ کوئی ولی ... ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو جائے امور طبعیہ بشریہ سے منزہ نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی آزادی، اسلام کی قوت اور ترقی کی دھن میں مولانا نے اپنی جسمی اولاد اور نسبی رشتہ داروں سے قطع نظر ایک بڑے درجہ تک کر رکھا تھا لیکن روحی اولاد اس خیال میں شریک اور نہایت اخلاص کے ساتھ داد رفاقت دے رہے تھے اگرچہ وہ نالائق تھی (وہ تھے) ان سے قطع نظر کرنا نہایت شاق تھا۔ اُنسے علیحدگی اُن کے نفس پر بہت ہی شاق گذرتی تھی بعینہ ایسا حال ہو گیا تھا جیسا کہ ایک شفیق ماں باپ جبتک اُسکے بچے اسکے سامنے رہیں خواہ وہ کسی حال میں اور کسی فعل میں ہوں اُسکو اطمینان رہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے کاروبار اور گھرستی کے افکار میں مشغول رہتی ہے مگر جہاں اُن سے جدائی ہوگئی اور وہ تنہا رہ گئی تو دنیا اُسپر اندھیری ہو جاتی ہے۔ اس تفرد اور تنہائی نے مولانا کے قلب پر بڑا اثر کیا تھا جب سبھوں کے بیانات ہو گئے تو ساتویں دن صبح کو ہوا خوری کیلئے ایک ہی گھنٹہ میں کھولا گیا اور سب کو مجتمعاً اُس جگہ میں جہاں روزانہ ٹہلتے تھے بند کیا گیا۔ اُسوقت کی خوشی کو نہ پوچھئے۔

فکر کی ایک خاص وجہ | چونکہ ہم سب ایک تو نو گرفتار اور دوسرے ایسے وقائع سے بالکل ناتجربہ کار تھے تیسرے یہ کہ ہمارے ذہن یہانتک پہنچے ہی نہ تھے کہ گورنمنٹ کو لوگوں نے اس درجہ ہم سے بدظن کیا ہے۔ چوتھے اسوقت تک بھی گمان تھا کہ ہماری گرفتاری محض شریف کی شکایت اور اُس فتوے (محضر) کی مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے کہ

گورنمنٹ کو اگرچہ مولانا سے بدگمانی ہے۔ مگر اسکو یہاں تک تو خاش اور بدظنی نہیں کہ ہمکو حجاز سے پکڑوا دے۔ اسلئے ہم سبھوں نے آپسمیں جو کچھ سوچ لیا تھا اور اتفاق رائے پاس کی تھی وہ یہی تھی کہ ہم سے شریف اور اسکے افعال اور فتوے کے متعلق پوچھا جائیگا۔ اس میں بلا خوف اور بلا ہراس وہ حق جسکو ہم کل خداوند کریم کے سامنے کہیں گے اور کہہ سکیں گے ظاہر کردیں گے۔ باقی وہ امور جن کی نسبت ہم سے یہاں (مصر) میں اظہار کے وقت پوچھا گیا۔ اُن میں سے بہت سی باتوں کا تو علم ہی نہ تھا اور اگر کسی بات کا کسی درجہ تک کا علم تھا تو نہ اسقدر جسقدر کہ گورنمنٹ کو پہنچایا گیا۔ اسلئے نہ تو ان امور کے متعلق آپس میں کبھی گفت وشنید کی نوبت آئی اور نہ کوئی متحدہ رائے قرار پائی۔ اب اظہار جو اس خاص طریقہ سے لیا گیا تو کوئی بھی ایک دوسرے کو کسی قسم کی خبر نہ دے سکا تاکہ سوچا جاتا۔ اسلئے اسوقت اظہار کے وقت جو جسقدر معلوم تھا کہہ دیا گیا۔ اب سبکو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ نہ معلوم ان امور کی نسبت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے۔ اور دوسرے رفقا نے کیا کہا ہے۔ مُبادا بیان میں تخالف ہوا تو مشکل کا سامنا ہوگا۔ خصوصًا وحید بالکل نوعمر اور ناتجربہ کار تھا۔ اس لیے ہر ایک اپنی اپنی جگہ بکثرت افکار کی وجہ سے پریشان تھا جس روز ہم سبھوں کو ایک ہی وقت میں ہوا خوری کی جگہ میں داخل کیا گیا۔ سب نے اس خاص بات کی طرف توجہ کی، اور ایک دوسرے کے بیان کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ خدا کے فضل وکرم سے اور حضرت مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے سبھوں کے بیانات تقریبًا متفق ہیں۔ گویا ایک مشورہ سے ہوئے ہیں۔ چھوٹوں میں بھی استقلال اور صداقت بڑوں جیسا پایا گیا بلکہ کچھ زیادہ مولوی عُزیرگُل صاحب سے حدود کے واقعات قبائل کے احوال۔ سید احمد صاحب شہید مرحوم ومغفور کے قافلہ کی خبریں۔ حاجی صاحب (حاجی عبدالغفور صاحب حدود کے بڑے پیر ہیں) وہ اس زمانہ میں انگریزی علاقہ سے اپنے اہل وعیال کو لیکر یاغستان میں چلے گئے تھے اور وہاں جاکر

مشہور ہوا تھا کہ انھوں نے جہاد قائم کیا ہے، مولوی سیف الرحمن صاحب، مولوی عبید اللہ صاحب، مولوی محمد میاں صاحب جہاد وغیرہ وغیرہ حضرات کے متعلق زمین آسمان کے واہی تباہی باتیں پوچھیں جنکا سر تھا نہ پیر، مگر مولوی صاحب نے نہایت استقلال سے اپنے ولائتی اکھڑپنے سے سب کا جواب دیا، اور بہت ہی متین جواب دیا۔ الغرض ہم سب کو آپس کے بیانات معلوم کرکے اور یہ کہ کوئی تخالف نہیں ہوا، بہت خوشی ہوئی جو کچھ اذکار تھے وہ اس روز عموماً دور ہو گئے۔

ہر ایک درجہ اطمینان کا حاصل ہو گیا۔ ہم وہاں کے کمانڈر جیل سے اپنی ضروریات کیلئے نقد منگاتے تھے۔ جسکو شمع وغیرہ میں بھی خرچ کرتے تھے اور حسب قول اکابر "بلقمہ دہن سگ دوختن بہ" دل کھول کر مصارف کرتے تھے۔ اسلئے ہمارے ساتھ ان دنوں اتنی رعایت ہونے لگی کہ ہم کو اس ہوا خوری کے پنجرے میں صبح سے داخل کر دیتے تھے اور شام کے ۴ بجے تک وہاں چھوڑے رکھتے تھے یا کبھی قضائے حاجت کیلئے پاس کے پاخانہ میں لے جانے دیتے تھے۔ چاء وغیرہ اور صبح کا کھانا وہیں اکٹھا لا کر دیدیتے تھے جسکو ہم عموماً مجتمعاً کھاتے تھے۔

جو لوگ جیل کے خواہ منتظمہ جماعت ہو یا اسیر وغیرہ سب ان معاملات کو دیکھ کر یہ خیال کئے ہوئے ہوتے تھے کہ یہ سب ایک گھرانے کے لوگ ہیں، اور اتفاق سے سبھوں کی عمریں ایسی تناسب سے واقع ہوئی تھیں کہ بلا شبہ سب کو ایک گھرانہ ہر آدمی خیال کر سکتا تھا۔ پھر معاملہ اور اتحاد بھی مؤید تھا کسی بات میں اجنبی شخص تغائر نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اگرچہ سب ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے ہی رہتے تھے۔ مگر مولانا کی ذات ستودہ صفات نے ایسا اثر قائم کر رکھا تھا کہ وہ کسی پر ظاہر نہ ہوتا تھا اور نہ آئندہ کو باقی رہتا تھا۔ مدت اقامت جیزہ میں ہم نے تقریباً ڈھائی پونڈ صرف کئے کچھ دنوں کے بعد ہم سبھوں کو شہر میں لے گئے۔ اور ایک جگہ ہم سبھوں کا فوٹو لیا گیا۔ کیونکہ اب پاسپورٹ میں ہر ایک کا فوٹو بھی رہتا ہے۔ خصوصاً اس جنگ میں اور پھر اسیروں کیلئے خاص طور سے اسکا اہتمام تھا۔ دوسرے دن ہم کو دوسرے محکمہ میں لے گئے جہاں پر ہماری تشخیصات وغیرہ لکھی گئیں اور تمام انگلیوں اور

انگوٹھوں کے نشان لگوائے گئے۔ ہمکو ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ مستقبل میں کیا ہونیوالا ہے۔ ہم یہ خواہش کرتے تھے کہ ہم کو انہیں حجروں میں دوبی رکھیں مگر دیگر اسیروں کی طرح جیل میں آزاد ہوں۔

مصر کی حالت میں اس جگہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قدرے مصر کی حالت پر بھی روشنی ڈالوں مگر نہایت افسوس کرتے ہوئے وہاں سیاسی گہری حالتوں سے ہاتھ اُٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس میں حق گوئی اور صداقت پر نظریں سخت پڑ رہی ہیں۔ مجھ کو خوف ہے کہ تاریخی رسالہ کہیں سیاسی شمار نہ کیا جائے۔ اور پھر ضبطی میں آکر مقصد اصلی فوت کر دے۔ اس لئے میں گہرے اور بڑے واقعات سے اس مقام پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ جن صاحبوں کو ضرورت ہو وہ مصطفےٰ کمال اور فرید بیگ کی کتابوں کو ملاحظہ کریں۔ مولوی عبدالرزاق صاحب ردی ملیح آبادی نے بھی اپنے رسالہ ترکی اور یورپ میں کچھ اس مسئلہ پر مختصر طور سے روشنی ڈالی ہے۔ اور بحمد اللہ اچھی روشنی ڈالی ہے۔ خداوند کریم اُن کو جزائے خیر دے۔ میں اس مقام پر فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے کہ مشرق کی آبادیاں عموماً اور اسلام کی خصوصاً مغرب کے ناپاک ہاتھوں سے ذبح ہو رہی ہیں۔ اسی طرح مصر بھی ہے۔ ان آبادیوں میں جو ملک زیادہ زرخیز ہوا تجارتی یا صنعتی حیثیت سے اس کی اہمیت زیادہ ہوئی۔ سیاسی وقعت اس میں کچھ زیادہ پائی وہ بہت ہی مظلوم اور نہایت ہی بے طرح اور بیدردی کے ہلاک کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیر۔ ناک۔ کان۔ دل اور دماغ سب ہی علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ یورپ کو مثل بادشاہانِ قدیم فقط ہوس ملک گیری ہی نہیں ہے۔ اس کی طمع پہلے بادشاہوں سے صد گونہ زیادہ ہے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ملک لے وے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ

ہر محکمہ کی باگ ڈور اور ہر دائرہ کا حل و عقد اُس کے ہاتھ میں ہو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ تجارتیں بھی ہضم کرے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ صنعتیں بھی ہڑپ کر جائے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ ذرائع دولت خواہ معادن ہوں یا عملی کمپنیاں سب اُسی کے پاس ہوں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تعلیم اور تہذیب داخلاق ہر ملک کا اس کے زیر نظر اور اُسکی رائے اور اُس کے مفید طریقہ پر ہو۔ خواہ ملک کے لئے مفید ہو یا نہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ مذہب بھی ہر ملک کا اُسی کے قبضہ میں ہو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دولت اور زراعت بھی اُسی کے زیر تحویل ہو۔ اُس کا مقصد یہ ہے کہ جملہ طرق خوشحالی اور جملہ شعبہائے ترقی اُسی کے ہاتھ میں ہوں۔ دوسری اقوام فقط غلامی کے اُس درجہ میں رہیں جس سے وہ زندہ رہکر چوپاؤں کی طرح اُس کی خدمت کر سکیں بلکہ بعض جگہوں کے معاملات تو یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ وہ دوسری اقوام کی زندگی بھی نہیں چاہتا۔

گذشتہ زمانہ کی بادشاہتیں جن کی بھیانک تصویر ہم کو یورپین تاریخیں دکھلاتی ہیں اُن میں اسقدر اور یہ کمالات کہاں تھے یہ تہذیب اور تمدن تو فطرت نے انصاف اور عدل کی دیویوں گوری گوری یورپین مورتیوں کے لئے ازل سے رکھ دیئے تھے۔ جن کے تقدس کا راگ تاریخ کے ملائکہ ترقی اور انسانیت کے آسمانوں پر قیامت تک گایا کرینگے یہ آتشیں آلات یہ زہریلے ہتھیار یہ ہلاک کن کشتیاں، یہ طرح طرح کی برباد کرنے والی مشینیں، یہ قسم قسم کے جور و جفا کی کلیں۔ یہ دم دم کی گولیاں، فقط انسانی خدمتوں اور نوع بنی آدم کے راحت و آرام کے لئے کیا نہیں بنائی گئی ہیں۔ کیا انہیں سے تمام عالم کی اصلاح نہیں ہو رہی ہے۔ پہلے لڑائیوں میں ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ مدتوں میں کہیں مقتول ہوتے تھے۔ مگر فیصلہ ہو جاتا تھا اب ہفتوں نہیں بلکہ دنوں میں

ملایئن اور کروڑوں تک کی نوبتیں آجاتی ہیں ۔ اور فیصلہ نہیں ہوتا ۔ پہلے زمانہ میں خرچہ جنگ سینکڑوں اور ہزاروں کی حدود میں محدود رہتا تھا ۔ اب ترقی خواہ اور انسانی خادم قوموں میں روزانہ لاکھوں اور کروڑوں کا خرچ دکھلایا جاتا ہے ۔ کہاں تک اس عجیب ترقی اور تمدن کے حال اور ان انسانی صورتوں شیطانی سیرتوں کے اوصاف کو ذکر کرکے آپ کے دل و دماغ کو پریشان کروں ۔ اس کے لئے دفاتر کی ضرورت ہے ۔ مقصد سے میں بہت دور جا پڑونگا ۔ اس لئے معافی کا خواستگار ہوں ۔

جناب عالی مصر ایک زرخیز ملک ہے ۔ دریائے نیل اوسط افریقہ اور سوڈان کے چشموں ، اور خوش ذائقہ جھیلوں اور فلک نما پہاڑوں کی بارشوں کا پانی بہاتا ہوا اس سرسبز زمین کو سیرآب کرتا ہے اگرچہ رقبہ اس ملک کا بہت بڑا نہیں ہے ۔ مگر اپنی قابلیت اور جغرافی اہمیت کی وجہ سے حقیقت میں بہت ہی زیادہ پایۂ اعتبار رکھتا ہے ۔ اس کے شمالی کنارہ کو بحر ابیض (بحر متوسط یا بحیرۂ روم) اپنی لہروں سے ٹکراتا ہے اور مشرقی کنارہ کو بحر احمر (بحر قلزم) اس وجہ سے یوروپ کے تمام جنوبی ملکوں اور ایشیا کے مغربی حصّوں سے اس کا خاص تعلق ہو گیا ہے !

. . . .

جس کی بنا پر بحری آلاتِ سفر کے ذریعہ سے ہر ملک سے اس کا اتصال ہے ادھر افریقہ کے مغربی اور شمالی اور اسی طرح جنوبی حصہ سے اس کا تعلق خشکی سے ہے ۔ سوریہ اور عرب بھی بذریعہ خاکنائے سویز اس کا اتصال ہے ان وجوہ سے اس کے جغرافی اور طبعی اہمیت نہایت ہی بالا واقع ہوئی ہے پھر جب سے آبنائے سویز قنال نکل آئی ہے جس کے ذریعے یوروپ کو ہندوستان ، فارس ، جزائر جاوا ، چین ، جاپان ، آسٹریلیا مشرقی

افریقہ وغیرہ سے ہر قسم کے دریائی مختصر اور مفید راستے ہاتھ آگئے ہیں۔ اُسکی اہمیت یوروپین نظروں میں بہ نسبت پہلے سکے صدہا گونہ زیادہ ہو گئی۔ اگرچہ یہ قنال مصر نے اپنے مفاد کے لیے نکالی تھی مگر حقیقت میں یہ ہی بڑا سبب اُس کی ہلاکی اور بربادی کا ہوا حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی نصیحت نہ ماننے میں ہمیشہ تکالیف اور مصائب ہی کا سامنا ہوتا ہے۔ گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس قنال کی اجازت مانگی تھی تو آپ نے اس کے بُرے عواقب بیان فرما کر اس سے روک دیا تھا۔ آخر کار وُہی دیکھنا پڑا۔ اُن کے الفاظ صریح کا ترجمہ یہ ہے کہ خبردار ایسا نہ کرنا۔ ورنہ تمہاری عورتوں کو افرنج خانۂ کعبہ کے سامنے سے پکڑ کر لے جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان عورتیں۔ لڑکیاں بچے خاص مکہ معظمہ اور بیت الحرم کے ارد گرد سے پکڑی گئیں اور کفار اسیر کر کے اُن کو لے گئے۔ اگرچہ اُنھوں نے شریف اور اس کے لوگوں کے واسطے سے پکڑا اور پھر جدہ میں خود اپنے ہاتھوں میں لیا۔ مگر ہمیشہ کاتب قلم کے ذریعہ سے لکھتا اور بادشاہ فوج کے ذریعہ سے جنگ کرتا ہے۔ جو کہ واقع میں فعل کاتب اور بادشاہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

دریائے نیل سے بادشاہانِ مصر محمد علی پاشا "اسمٰعیل پاشا" وغیرہ نے بہت سی نہریں نکال کر اطراف و جوانب کے اُن زمینوں کو سیراب کیا ہے جہاں پانی نہیں پہونچتا تھا۔ پھر اوپر کی طرف بڑے بڑے پختہ تالاب بنوائے ہیں۔ جو کہ بارش کی سیل کے زمانہ میں دریائے نیل سے بھر جاتے ہیں اور جس زمانہ میں دریا اُترا ہوا ہوتا ہے اُن تالابوں کے ذریعہ سے نہروں کے واسطے سے آبپاشی کی جاتی ہے۔ ہر قسم کے غلہ جات۔ ترکاریاں، میوہ جات۔

وغیرہ وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر غلہ اور ترکاریوں کی کاشت بہت زیادہ ہے۔ آدمی بھی جفاکش اور قوی ہوتے ہیں

محمد علی پاشا اور اس کی اولاد نے مصر کی نسبت بہت زیادہ ہمت اور کوشش سے کام لیا مگر یورپین فلک کو اسلامی اور مشرقی حکومت کا عروج کب گوارا تھا۔ اس نے ہمیشہ ایسے چکر دیئے کہ انسانیت اور تمدن کے نامئہ مثل ایشیا وغیرہ مصر کو بھی بھینٹ چڑھنا پڑا۔ اس کا بھاری اور قیمتی بیڑہ بندرگاہ نادرین پہ نہایت عدالت اور غایت انصاف اور کمالِ انسانیت کی وجہ سے تمام برطانی امیر البحر نے ڈبو یا اُس کی فوجی قوت کو برٹش گورنمنٹ نے سلطان عبدالمجید سے صلح کرانے کی پالیسی میں نہایت کم اور کمزور کر دیا اُس کا بڑا ملکی حصہ سوڈان کا جس کو مصری یعنی ہندوستانی فوجوں کے ذریعہ سے سوڈانی مسلمانوں کا خون بہا کر جب کہ وہ آزادی کے لئے کوشش کر رہے تھے فتح کیا گیا تھا۔ اُس سے جدا کر کے خالص برطانی قرار دیدیا گیا۔ اعرابی پاشا اور رعایا کو ایک طرف اور خدیو کو دوسری طرف بھڑکایا گیا۔ اور آپس میں مصالحت ونیز محافظت تخت خدیوی کی غرض سے مصر کی حمایت اور مداخلت کی نوبت آئی۔ اب ہم ان باتوں کو دوہرانا نہیں چاہتے مصر کے نظام کو بہت ہی غیر منتظم دکھلایا گیا۔ ہر شعبہ میں ایک مشنار برطانی رکھنا ضروری قرار دیا گیا۔ ہر وزیر اور ہر بڑے افسر کے ساتھ ایک بہت بڑی تنخواہ والا مشنار برطانی رکھا گیا جس نے تمام امور کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مصری مسلمان افسر فقط صورت کا بُت اور کاٹھ کا اُلّو رہ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر کی اصلی آبادی $\frac{15}{16}$ مسلمان اور $\frac{1}{16}$ قبطی عیسائی ہیں۔ اس لئے یہاں پر مختلف پالیسیوں کی ضرورت خیال کی گئی۔ عموماً محکموں میں عیسائی داخل کئے گئے قبطی یا یونانی۔ اٹالین، فرنچ وغیرہ وغیرہ زور دے دیکر ٹھونسے

گئے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے محکمے ایسے ہو گئے جن میں مسلمان نام تک کو باقی نہ رہا۔ پھر عیسائیوں کو اشتعال دیا گیا کہ وہ مسلمان ملازموں پر اس قسم کے تشددات کریں جن کی وجہ سے وہ خود نکل جائیں اور اگر نہ نکلیں تو اُن پر جھوٹے سچے الزامات ایسے قائم کئے جائیں جن کی بنا پر ان کو علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ جیلخانہ کے محافظ سپاہیوں پر بھی ہیڈ کانسٹیبل تک عیسائی اٹالوی تھے۔ جن کی تنخواہیں بھی بڑی بڑی تھیں۔ ہتھیار تمام سکانِ مصر سے چھین لئے گئے۔ اور ان کا رکھنا جرم قرار دیدیا گیا یعنی کہ بغیر کوئی ادنیٰ درجہ کا ہتھیار بھی نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے تمام سکانِ مصر بے دست و پا اور چوڑی پہننے والی عورتوں جیسے ہو گئے۔ جیسا کہ اہلِ ہند ہیں۔

اور تجارت میں بھی یہی معاملہ ہوا یونانی یا دیگر عیسائی اقوام کو ہر قسم کے ٹھیکے وغیرہ دلوا کر اور دوسرے طریقوں سے اعانتیں کر کے اُن کی تجارتوں کو فروغ دیا گیا۔ جس کی بنا پر تمام مصر میں بڑا حصہ تجارت اور نیز کارخانوں وغیرہ کا یوروپین اور مسیحی قوموں کے ہاتھ میں ہے۔

مصریوں کے مذہبی جذبات کے کمزور کرنے کی بھی پوری کوشش عمل میں لائی گئی۔ ان میں بد دینی مختلف طریقوں اور ہر پہلو سے پھیلائی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری اور متمول لوگ بہت جلد آزاد خیال ہو گئے مگر یا وجود اس کے اس طبقہ میں قومیت کا خیال یوروپ کی بدقسمتی سے بہت زیادہ پیدا ہو گیا۔ اصحاب ثروت لوگوں پر حکومت کی جانب سے دباؤ ڈال کر اُن کو قومی افکار اور ملکی ترقی سے فقط روکا ہی نہیں گیا بلکہ اُن کو حب وطنی کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور ہر پہلو سے اُن کے ذریعہ سے مخالف کوشش عمل میں لائی گئی۔ اہل وطن میں اختلاف پھیلانے کی اسپرٹ نہایت زور سے کی گئی۔ عام کاشتکاروں

سے ایسی اختیار کی گئی جس کی وجہ سے ان کو خاندان خدیوی اور مصری حکام سے سخت نفرت ہو گئی۔ اور اسی کی اب تک کوشش کی جارہی ہے۔ عام اہل شہر پر مصری چھوٹے حکام کے ذریعہ سے تشددات بے جا ہر معاملہ میں کرائے گئے۔ پھر اگر شکایت برٹش افسر تک پہونچ گئی تو ان پر مراحم خسروانہ برسائے گئے۔ مصری حکام کو تنبیہہ کی گئی ـــــ جس کی وجہ سے عوام کو یقین ہو گیا کہ برطانی حکام نہایت رحیم و عادل ہیں۔ جو کچھ مظالم ہم پر آئے دن ہوتے اور شدائد عمل میں آرہی ہیں۔ وہ سب مصری حکام کی جانب سے ہیں۔ اسی کے قریب ہندوستان میں بھی عمل میں آرہا ہے۔ پنجاب وغیرہ کے مظالم جدیدہ اور قدیمہ اس کے شاہد ہیں۔ چنانچہ مجھ سے بھی اظہار کے وقت ایک مقام پر مسٹر تلک وغیرہ کے تذکرہ میں جیزہ میں مستنطق نے کہا کہ ہندوستانی ہمکو پلیگ کے معاملہ میں بدنام کرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے تشددات اور مظالم کئے تھے یا کہ ہندوستانی حکام کرتے تھے۔ تعجب ہے کہ ہندوستانیوں کا نام بدنام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حکام جو کہ انگریزوں کی غلامی کو خدا کی غلامی اور بندگی سے بھی بہت زیادہ قوی جانتے ہیں۔ بلا اشارہ انگریز حاکم کے چوں بھی نہیں کر سکتے۔ ان کا تو دین، ایمان، دنیا اور آخرت، انگریزوں کی اطاعت ہی نہیں بلکہ ان کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ان کا مذہب یہ نہیں ہے کہ خلاف حکم نہ کیا جائے ان کا مذہب تو یہ ہے کہ انگریز کے خلاف منشاء کرنا سخت حرام اور کبیرہ گناہ بلکہ کفر ہے۔ خواہ دین جائے یا رہے۔ خواہ خدا راضی ہو یا ناراض، خواہ قوم و وطن برباد ہو یا آباد۔ مگر چونکہ انگریزی پالیسی ہمیشہ اور ہر ملک میں یہی رہی ہے کہ اہل ملک و وطن

سے ہمیشہ مظالم کرائے جاویں تاکہ قوم میں نفاق و شقاق ہو رعایا پر رعب جمے۔ قتل و قتال ہیں وہی آپس میں برباد ہوں، انہیں پر سدا الزام رہے۔ ہم پاک دامن متنفر سے بنے ہوئے سب کے خون چوستے رہیں۔ اگر ہم تک شکایت پہنچے تو ہم اس سے بری ظاہر کر دیں۔ اسلئے یہی پالیسی مصر میں بھی اختیار کی گئی۔

علاوہ اسکے اگر بڑے حکام ستم اور جبر کے طلبگار اور عادی نہ ہوں تو ممکن نہیں کہ چھوٹے حکام بڑے بڑے مظالم کریں ؎

بہ نیم بیضہ چو سلطاں ستم روا دارد
زنند لشکر یانش کباب مرغ بہ سیخ

الغرض طرح طرح کے جال سے وہاں مسلمانوں اور اہل وطن کی قوتوں کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش کی جارہی ہیں۔ مصارف اس قدر بڑھا دیئے گئے ہیں کہ آمدنی سے قرضہ ملکی کا ادا ہونا تو درکنار اس کا سود ہی سالانہ ادا ہونا مشکل اور دشوار ہو گیا ہے۔ پھر اگر کبھی کچھ جمع ہو گیا تو دور دراز ملکوں کی جائدادیں خریدوادی گئیں جن کی حفاظت ہی کرنا مصر کو دشوار ہے ان سے نفع اٹھانا تو درکنار۔

اس کے علاوہ سینکڑوں پیچیدگیاں ڈالی گئی ہیں اور ڈالی جارہی ہیں۔ جن سے ہم اپنے رسالہ کو ناپاک کرنا نہیں چاہتے ؎

من حالِ دلِ زاہد با خلق نخواہم گفت
کایں قصہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ

مصر کے مدت قیام میں صوفی مولوی شاہ محمد صاحب الہ آبادی نے ہم کو بعض کتابیں لادی تھیں جن کی وجہ سے اکثر دل لگی رہتی تھی۔ ہمارا اسباب

زہاں کھولا گیا جو صاف کپڑے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے۔ باقی سب بھاپ میں (ڈیس انفیکٹ) کے لئے بھیجے گئے۔ دوائیں۔ سرمہ وغیرہ ضائع کردی گئیں۔ ایام قیام زنزنہ (کال کوٹھری) میں وہ سب مخازن میں محفوظ رکھے گئے۔ کتابوں کی کوئی پڑتال نہیں کی گئی فقط سرسری طور سے دیکھا گیا اور چھوڑ دیا گیا۔ اپنے میلے کپڑوں کو ہم نے وہاں ہی کے بعض محتاج اسیروں سے دھلوا لیا۔

روانگی مالٹا ۱۵ر فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ماہ گزر جانے کے بعد معتقل (جیل) کے کمانڈر برٹش حاکم نے بلا کر یہ کہا کہ کل تم مالٹا بھیجے جاؤ گے ضروری سامان کر لو اور تیار ہو جاؤ۔ ہم نے دو اشرفیاں طلب کیں اور ان کو بھنوا کر جو کچھ چائے وغیرہ کے اخراجات کا ہم پر قرضہ تھا وہ ادا کیا اور باقی تقریباً ڈیڑھ گنی کی نقاریق ساتھ رکھی۔ صبح کے وقت ۱۶ر فروری مطابق ۲۴ ربیع الثانی کو ہم کو گوروں کی گارد کی حفاظت میں موٹر پر بٹھا کر مع سامان ریلوے اسٹیشن قاہرہ پر پہونچا دیا گیا۔ اور اسی وقت تھرڈ کلاس میں گارد کی سنگینی حفاظت میں ہم کو اسکندریہ پہونچا دیا گیا۔ ایک بجے اسی دن اسکندریہ پہونچے۔ اسی وقت بند موٹر لایا گیا۔ اور اس میں بٹھا کر ہم کو اسٹیشن سے گودی پہونچا دیا گیا۔ جہاز پر سوار ہونے کا حکم ہوا جہاز کے بالائی طبقہ پر ایک بڑا کمرہ تھا جس کے دونوں طرف چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں اور اس پر گدے اور کمبل پڑے ہوئے تھے اور بیچ میں لانبی میز بچھی ہوئی تھی۔ اس میں داخل کر دیا گیا۔ اس کمرہ کی باہر کی کھڑکیاں جن سے ہوا اور روشنی آسکتی تھی بند ہی نہیں بلکہ کیلوں سے مضبوط تختوں سے جڑ بھی دی گئی تھیں۔ دروازے پر دو تین گورے سپاہیوں کا پہرہ قائم کر دیا گیا ہم نے جا کر پانچ چارپائیوں پر ایک طرف قبضہ کر لیا۔ اس کے آخر میں ایک کمرہ ایسا بھی تھا جس میں پائخانہ اور غسل خانہ

بھی تھا جس میں میٹھا پانی موجود تھا۔

ترکی افسروں اور سپاہیوں کی آمد

تھوڑا ہی عرصہ ہمکو گذرا تھا کہ بہت سے ترکی فوجی افسر اور سپاہی لائے گئے افسروں کو نیچے کے خاص کمروں میں جو کہ سکنڈ یا فسٹ کے تھے رکھا گیا اور سپاہیوں کو جن کی تعداد تقریبًا پندرہ سولہ تھی ہمارے کمرہ میں داخل کر دیا گیا چونکہ قواعدِ اسارت میں یہ ہے کہ جب کوئی فوجی افسر اسیر ہو تو اس کی حسب منشا ایک خادم فوجی دیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ سپاہی ان افسروں کے خدام تھے جو کہ سب مسلمان اور نیک مزاج تھے اور عموماً ترکی سپاہی نیک مزاج ہی ہوتے ہیں۔ یہ سب جب داخل ہوئے اور حضرت مولانا مرحوم کو دیکھا تو نہایت احترام سے پیش آئے۔ انھوں نے ہماری چارپائیوں سے تعرض نہیں کیا بلکہ خود باقیماندہ چارپائیوں پر قابض ہوگئے۔ چونکہ وہ عدد میں کم تھیں۔ اس لئے ایک ایک پر دو دو قابض ہوئے۔ یہ آپس میں کھیلتے اور گاتے اور کشتی کرتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ جس کو دیکھنے کے لئے انگریزی سپاہی جمع ہو جاتے تھے۔ ان کو دیکھ کر یہ سب اور زیادہ گاتے اور کودتے تھے۔ پھر بعد کو دو تین شخص حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حقیقت میں ہم آپ کے سامنے گاتے اور کودتے اور ناچتے ہیں۔ مگر کیا کریں دشمن دین کافر کے ہاتھ میں ہم اسیر ہو گئے ہیں۔ اگر ہم بادب بیٹھیں تو یہ کافر خوش ہوں گے اور ہم کو رنجیدہ اور غمگین خیال کریں گے۔ اس لئے ہم اپنی قوت اور اپنی عدم رنجیدگی جتلانے کے لئے ناچتے گاتے ہیں مولانا نے فرمایا کہ تم خوب کودو اور گاؤ۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔

جہاز میں کھانے کا انتظام جب شام کا وقت قریب آیا چونکہ ہم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا تو ایک افسر سے پانی اور کھانے کا تذکرہ آیا حکیم نصرت حسین صاحب نے فرمایا۔ کیونکہ وہی انگریزی بول سکتے تھے اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا کھانا پکا ہوا کھاؤ تو حاضر ہے۔ انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھکر جواب دیا کہ تمہارا گوشت اور تمہارا پکا ہوا سالن ہم نہیں کھا سکتے تو اس نے کہا کہ اسی خیال سے ہمکو تمہارے لیے یہاں سے مالٹا تک کیلئے یہ جنس دیدی گئی ہے۔ اس کو پکاؤ اور جس طرح چاہو خرچ کرو۔ مالٹا تک تم کو اور کوئی چیز نہیں ملے گی۔ جہاز کا باورچی خانہ بتادیا کہ یہاں پکالیا کرو اور باورچی سے کہدیا کہ جس چیز کو جس طرح یہ پکائیں ان کو مت روکو چونکہ آٹے کے پکانے میں دقت بھی تھی اور روٹی کے لینے میں شرعی قباحت بھی نہ تھی۔ اس لئے اس سے کہا کہ ہم تمہاری پکی ہوئی روٹی لے لیں گے۔ فقط سالن اور چاول وغیرہ ہم خود پکائیں گے وہ اس پر راضی ہو گیا اور فی کس ایک ایک پاؤ روٹی صبح و شام دینے کا حکم کر دیا۔ باقی جنس اٹھالائے جس میں چنے کی دال، آلو، اڑد کی دال گھی۔ مرچ، دھنیہ، ہلدی، چارگٹھ، چاول وغیرہ تھے۔ چونکہ ہمارے پاس تمام سامان پکانے کا موجود تھا اور قدرے جنس بھی اپنی موجود تھی۔ اسلئے اپنی دیگچیوں میں حکیم صاحب مرحوم اور وحید جاکر کھانا پکالاتے تھے اور ایک جگہ جمع ہو کر کھالیتے تھے وہ تمام جنس مالٹا تک ہم ختم نہ کر سکے باقیماندہ جہاز ہی پر چھوڑ کر اتر گئے۔

جہاز کی روانگی اسی روز شام کو یعنی ۱۶ر فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۴ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو جہاز اسکندریہ سے روانہ ہوا اس کے آگے آگے ایک جنگی جہاز کہ خدرہ اس کی حفاظت کو چلتا تھا اور کبھی کبھی دائیں اور بائیں

بھی چکر لگاتا تھا۔ اُس پہ بہت بڑا سبن بورڈ لگا ہوا تھا جس میں جلی قلم سے لکھا ہوا تھا کہ "اس جہاز میں زخمی اور مریض سپاہی ہیں۔ سامان جنگ نہیں ہے" کیونکہ جرمنی سمرنیں اُس زمانہ میں بحر سفید میں بھی آگبوٹوں کو غرق کر رہی تھیں خود اسکندریہ کے بندر پہ چند دن پہلے ایک آگبوٹ غرق کر چکی تھیں مگر زخمی اور مریض سپاہیوں کو ایذا پہنچانا انسانیت اور معاہدات دول کے خلاف تھا اسلئے اُن سے تعرض نہیں کرتی تھیں بلکہ پہلے تو تجارتی جہازوں اور غیر جانبدار حکومتوں کے جہازوں سے بھی تعرض نہیں کرتی تھیں۔ فقط دول متحاربہ کے جنگی اور ان جہازوں سے تعرض کرتی تھیں، جن پہ فوج یا سامان جنگ ہو۔ مگر جب برٹش نے اپنے جنگی جہازوں اور فوجی سامانوں کو تجارتی آگبوٹوں میں لیجانا اور غیر جانبدار باوٹوں کی آڑ میں شکار کھیلنا شروع کر دیا تو اُس نے اعلان کر کے سبھوں کو ڈبونا شروع کر دیا تھا جس کی بنا پر اُس کو وحشی غیر متمدّن بنایا جا رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ کوئی جہاز سمندر میں با امن و بلا خوف سفر نہیں کر سکتا تھا۔

جہاز میں موت کی تیاری

جب ہمارا جہاز اسکندریہ کے پورٹ سے روانہ ہو گیا تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہر ایک شخص کو کاگ (جس کی ڈاٹ بوتلوں میں ہوتی ہے) کی پیٹیاں دی گئیں۔ یہ پیٹیاں کاگ کی لکڑیوں کے ٹکڑے سے جو کہ کپڑوں میں سلی اور جڑی ہوتی ہیں بنائی جاتی ہیں۔ جہاز کے ڈوبنے کے وقت گلے یا کمر میں پڑے رہنے کی وجہ سے آدمی ۲۴ گھنٹے یا اس سے زیادہ تک نہیں ڈوبتا۔ اور پھر جتنے آدمی اُس آگبوٹ پر تھے خواہ جہازران یا فوجی یا اسیر وغیرہ وغیرہ سب کے سب مختلف کشتیوں پر تقسیم کر دیئے گئے اور سب کو کشتیوں کے نمبر اور جگہ بتا دی گئی (ہر جہاز پہ دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں مختلف چھوٹی کشتیاں بندھی رہتی ہیں کہ

اگر کہیں ضرورت پڑے یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے لئے وہ کشتیاں کھول دی جائیں تاکہ اس میں بیٹھکر وہ کنارے اور خشکی تک جاسکیں) اور کہدیا گیا کہ جب سیٹی ہو ہر شخص ان پیٹیوں کو گلے میں فوراً ڈالکر اپنی اپنی کشتی پر بلا تاخیر پہنچ جائے خواہ دن ہو خواہ رات۔ کسی وقت ان پیٹیوں کو اپنے سے دور نہ کرے۔ چنانچہ انگریزی افسر وغیرہ اُن کو ہر وقت گلے میں ڈالے رکھتے تھے حتیٰ کہ کھانے اور چلنے کے وقت بھی اُن کی یہی حالت تھی۔ کثرت خوف کی وجہ سے بعض لوگ سخت پریشان تھے۔ اس کے لئے امتحان بار بار کیا گیا اور سیٹیاں دی گئیں ہر ایک اپنی اپنی کشتی پر پہنچ گیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے خدام کو جو خاص تبرکات اکابر کے تھے بانٹ دیئے بایں وجہ کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور پھر کون مرے اور کون جیئے۔ اس لئے ہر ایک کو ایک ایک ایک ایک اپنے پاس رکھتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت شمس العلماء والفضلاء مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم کے خاص خاص تبرکات اور ناخن اور بال تھے سب کو ایک ایک لباس اور ناخن اور بال دیئے اور خود بھی اپنے پاس رکھا۔ کاتب الحروف کو بھی حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی روئی کی وہ کمری عنایت فرمائی جو کہ بوقت وصال آپ کے جسم مبارک پر تھی۔ مالٹا پہنچنے کے بعد جب سب تبرکات واپس ہوئے۔ اس کو میں نے واپس نہیں کیا بلکہ ابتک میرے پاس محفوظ ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کہدیا کہ اس کو میں واپس نہ کروں گا۔ آپ نے بھی کچھ اصرار نہ فرمایا اور بعضے اونی قیمتی لباس بھی دیدیئے کہ سردی کا زمانہ تھا کشتی میں اس سے قدرے تحفظ بھی ہوگا۔

الحاصل تمام جہاز کے لوگ عموماً اور ہم سب خصوصاً ہر وقت موت کیلئے تیار رہے لوگوں کو رات اور دن ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ خدا جانے کب سمرین جہاز پر گولہ پھینکدے۔ بعضے مقامات تو بہت زیادہ خطرہ کے گذرے مگر بایں ہمہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر کسی قسم کی گھبراہٹ اور اضطراب کا ظہور نہ تھا۔ ہم سبھوں کے قلوب پر بھی اُن کی برکت سے اطمینان تھا اور اسی طرح سے چار دن برابر گذر گئے۔

ترکی افسر ترکی افسر جو کہ فسٹ اور سیکنڈ میں تھے او پر صبح کو ہوا خوری کو آتے تھے اس وقت ہمارا بھی کمرہ کھول دیا جاتا تھا۔ ہم بھی ہوا خوری کو نکالے جاتے تھے۔ اُن لوگوں نے ہندوستانی اشخاص اسیر دیکھ کر تعجب کیا چونکہ پہلے سے ان لوگوں کی اور ہماری کوئی جان پہچان نہ تھی۔ اسلئے اُنھوں نے ہم کو اور ہم نے اُن کو تفصیلی پتہ بتانے اور معلوم کرنے کی تکلیف دی معلوم معلوم یہ ہوا کہ یہ افسر عموماً فوجی تھے۔ بعض کرنیل بعض میجر بعض کپتان اور بعض لفٹنٹ کپتان وغیرہ جو کہ عراق۔ یمن۔ حجاز وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور اسکندریہ میں کمپ سیدی بشر میں اسیر رکھے گئے تھے۔ چونکہ برٹش گورنمنٹ نے حجاز کے فتنہ کے بعد یہ رویّہ اختیار کیا تھا کہ ترکی جتنے اسیر تھے اُن کو ورغلاتی تھی اور سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرتی تھی اور اس کیلئے دو طریقے خاص طور سے نکالے گئے تھے۔ اوّل تو عربوں کو توڑا گیا، اور عرب افسروں کو کہا گیا کہ ہم تمہارے استقلال کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ شریف کو ہر قسم کی مدد پہنچا رہے ہیں۔ تم بھی شریف کے پاس چلے جاؤ وہاں تم کو تنخواہ ملے گی قید سے آزادی ہوگی۔ اُس کے ساتھ ملکر لڑو اور ترکوں کو پسپا کر کے اپنے ملک کو آزاد کرادو۔ چنانچہ اس طریقہ سے ہزار ہا عرب سپاہیو

اور افسروں کو مختلف مقامات یعنی ہندوستان دسمر پور وغیرہ) برہما، سہدی بشر، راس التین وغیرہ وغیرہ سے بہلا پھسلا کر کے لایا گیا اور شریف کی فوجوں میں داخل کر کے ترکوں کے مقابلہ میں جنگ کرائی گئی۔ عربی جاہل سپاہ کچھ تو اپنی آزادی کی طمع، کچھ قید سے خلاصی کے لالچ، کچھ ترکوں سے پھیلائی ہوئی عداوت ان وجوہ سے نکل پڑتی تھی اور خلیفۂ اسلام کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتی تھی کہ شریف کے ہمخیال لوگ شامی اور عراقی وغیرہ جو مصر میں تھے اُن کی جماعت کو ان سپاہیوں کے پاس بھیجا جاتا تھا اور وہ برابر سمجھاتے اور توڑتے رہتے تھے۔ علیٰ ہذالقیاس افسروں کو بھی توڑا جاتا تھا اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خود ترکوں کو بھی توڑا جاتا تھا۔ کیونکہ مصر میں جنگ کے پہلے سے ایک جماعت ترکوں کی ایسی موجود تھی جو کہ حکومت ٹرکی گے خلاف تھی یا اس وجہ سے کہ وہ کسی جرم کی وجہ سے فراری تھی یا اُس کو جلاوطن کر دیا گیا تھا یا وہ آتلافی پارٹی کی تھی۔ اُس جماعت کو برٹش افسروں نے اپنے مقاصد کے لئے آلۂ کار بنایا کہ ترکی افسروں کو توڑنے اور بمقابلہ ترکی افواج ان لوگوں کو بھیجتے تھے۔ حقیقت میں اس ناپاک نعل نے بہت زیادہ نقصان ترکوں کو پہونچایا۔ چونکہ یہ معاملہ پھسلانے بہکانے کا اسیروں کے کیمپوں میں داخل ہو کر ہوا کرتا تھا۔ اور انگریزی افسر ایسے لوگوں کو برابر داخل کرتے رہتے تھے تو ترکی اور بہت سے عرب افسر جن میں غیرت، حمیت، دیانت اسلام تھا۔ اُس کی سخت مخالفت کرتے تھے۔
اور جس شخص کو ادنیٰ درجہ کا بھی اس قسم کا خیال رکھنے والوں میں پاتے تھے اُسکو سمجھاتے بجھاتے۔ اور اگر اس پر بھی نہ باز آتا تو سختی کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے برٹش کوششیں ناکام ہوتی تھیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کو چن چن کر یکبارگی مالٹہ بھیجدیا گیا۔ تاکہ پھر اپنے جالی پھیلانے کی پوری قوت ہاتھ آجائے مالٹا

میں نہ ہر اسیر سیاسی بھیجا جاتا تھا۔ نہ ہر اسیر فوجی بلکہ جن کو گورنمنٹ زیادہ خطرناک خیال کرتی تھی، ان کو وہاں بھیجتی تھی۔ ان ترکی افسروں نے حضرت مولانا سے خصوصاً اور ہم سبھوں سے عموماً نہایت محبت کا برتاؤ کیا۔ اور جب تک مالٹہ رہے بہت زیادہ اُلفت اور مودّت سے ملتے رہے۔

وصول مالٹا

جہاز جمعرات کی شام کو روانہ ہو کر دوشنبہ کی صبح کو تقریباً دس بجے ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مالٹا میں لنگر انداز ہوا۔ مگر تقریباً چار بجے تک کوئی ہمارے اُترنے کی فکر نہیں ہوئی چار بجے کے بعد ہم اُتارے گئے۔ اول ترکی افسر اور سپاہی اُترے۔ پھر ہمکو اُترنے کا حکم ہوا۔ ترکی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم اِن کے سامان اُتروا دو۔ اُنھوں نے ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اُتار دیا اور پھر کنارے پر پہنچکر افسروں کو دوسرے راستہ سے موٹر پر اُن کے جائے قیام یعنی وال فرسٹہ پر بھیجدیا گیا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو وہ انگریز افسر جو اُتارنے کے لئے آیا تھا اپنے ساتھ اِکّے پر بٹھا کر لے گیا۔ باقی ہم چاروں آدمی اور جملہ سپاہی پیدل کیمپ تک گئے۔ ہمارا اسباب موٹر پر گیا۔ مولانا چونکہ ہم سے پہلے پہنچ گئے تھے اسلئے اُن کو ہم سے پہلے روگیٹ کیمپ میں جہاں پر ہمارے قیام کے لئے خیمے نصب کئے گئے تھے داخل کر دیا گیا۔ راستہ میں اہل شہر اور اُن کے لڑکے عورتیں ہماری قید پر خوشیاں مناتے تھے۔ مذاق اُڑاتے تھے، اور غول کے غول کھڑے ہو کر تماشہ دیکھتے تھے۔ کیونکہ سب کے سب عیسائی تھے۔ اُن کو مسلمانوں کے اسیر ہونے کی نہایت زیادہ خوشی ہوتی تھی اور غالباً اسی وجہ سے آگبوٹ کو روکا گیا، اور شام کے وقت ہم سب اُتارے گئے۔ تاکہ اہل شہر کو خبر ہو جائے اور وہ تماشہ دیکھنے کے لئے راستہ میں

جس سے اُن کے دلوں میں انگریزی حکومت کا دبدبہ اور مسلمانوں اور اُن کے متفق ملکوں کا ضعف ظاہر ہو۔ مسلمانوں کی پوری طرح تذلیل ہو مصر میں بھی اس قسم کا معاملہ ہوتا تھا مگر کم ۔ جب ایسی صورت ہوتی تھی تو مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر یاد آتا تھا ؎

مرا اِک کھیل خلقت نے بنایا
تماشہ کو بھی تو لیکن نہ آیا

مالٹہ کی اسارت گاہ

ایک بڑا قلعہ جو قدیم زمانہ میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے اور نہایت مستحکم اُس کی دیوار، برج اور خندقیں وغیرہ ہیں۔ اُس میں علاوہ وسیع میدان کے مختلف عمارتیں بھی پُر تکلف آرام دہ بنی ہوئی ہیں ۔ یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور افسروں کے لئے بنایا گیا تھا ۔ اور جنگی ضرورتیں بھی اُس میں ملحوظ تھیں۔ ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور افسروں کی یہاں رہتی تھی۔ ایام جنگ میں جبکہ خوفناک اسیروں کے لئے نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی اُس وقت میں اس قلعہ کو خالی کرا لیا گیا۔ اس میں کانٹے دار تاروں کے ذریعہ سے چند حصے کر لئے گئے۔ اور ہر ایک حصے کے لئے ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ نام اور نشان بھی تجویز کر دیئے گئے۔ رد گیٹ کیمپ ۔ سینٹ کلیمنٹ یا جرمن کیمپ ۔ بلغار کیمپ ، روم کیمپ ۔ سینٹ کلیمنٹ براکس یا عرب کیمپ ، ور دالہ براکس دال فرسٹہ ۔ نیو ور دالہ ۔ رو گینٹ کیمپ قلعہ کی خندق میں دروازہ قلعہ پر واقع تھا۔ اس میں اور عرب کیمپ میں مسلمان سویلین اور فوجی سپاہی رکھے جاتے تھے ۔ مگر سول (ملکی) اور ملیٹری (فوجی) افیسروں کے لئے یہ دونوں کیمپ نہیں تھے ۔ رد گیٹ کیمپ میں رہنے کے لئے فقط خیمے تھے ۔

البتہ مطبخ دیا ور چیخانہ غسلخانہ، پانی کا نل وغیرہ ایک پختہ عمارت میں تھا جس پر سیڑھیوں کے ذریعہ سے جانا ہوتا تھا۔ پاخانے ٹین کے اخیر میں بنے ہوئے تھے بسینٹ کلیمنت یا جرمن کیمپ یہ بھی کھلا ہوا میدان تھا۔ اس میں عموماً خیمے نصب تھے۔ اس میں جرمنی اسٹرین سول اور فوجی معمولی آدمی رکھے جاتے تھے اگر کوئی افسر خود رغبت سے یہاں آنا چاہتا تھا تو اس کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ علاوہ جرمن اور اسٹریوں کے دوسری قومیں بھی اس میں تھیں۔ لیکن غالب عنصر انہیں دونو کا تھا جن میں جرمنی زیادہ تھے۔ افسر اور بڑے درجہ کے سویلین کم تھے۔ بلغار کیمپ میں فقط خیموں ہی میں رہنا ہوتا تھا۔ البتہ باورچیخانے پختہ بنے ہوئے تھے۔ پاخانوں پر ٹین پڑا ہوا تھا۔ پانی کے لئے نل لگا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کی جگہ بھی پختہ بنی ہوئی تھی۔ سینٹ کلیمنت براکس یا عرب کیمپ یہ مسلمان سویلین اور فوج معمولی لوگوں کے لئے مخصوص تھا یہ نیچائی میں واقع تھا۔ بہت سی سیڑھیاں اوتر کر آنا ہوتا تھا۔ اس میں سب عمارتیں تھیں۔ دو چار خیموں کی بھی جگہ تھی۔ اس کے متعلق سیر کے لئے ایک پہاڑ تھا جو کہ نفضا کی جگہ تھی۔ اس کی عمارتیں اچھی تھیں مگر نیچائی میں ہونے کی وجہ سے ونیز دوسرے بڑے درجہ کے کمروں کی طرح آرام کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے یہاں پر افسروں کو نہیں رکھا جاتا تھا۔ وردالہ براکس یہ دو منزلہ کیمپ تھا۔ اس کی عمارت نہایت عمدہ اور پر تکلف تھی۔ راحت کے سامان مہیا تھے۔ اس کا بڑا حصہ جو وسعت میں واقع تھا وہ افسروں اور بڑے بڑے سویلین لوگوں کے واسطے مخصوص تھا۔ ہر کمرہ میں تین تین چار چار چار پائیاں تھیں اور اس کا اخیر کا حصہ معمولی فوجیوں اور سویلین لوگوں کے لئے تھا۔ اس کیمپ میں کسی خاص قوم اور مذہب کی خصوصیت نہ تھی۔ دال فرشتہ۔ حدود قلعہ سے باہر

مگر متصل تھا۔ تین طبقہ دار عمارت تھی۔ اس کے کمرہ اور دالہ کے کمروں سے بہت زیادہ آرام کے تھے۔ ہر کمرہ کے ساتھ باورچیخانہ، غسلخانہ، پانی کانل، کمرہ کے گرم کرنے کا حمام اور بیروں کمرہ مکلّف پاخانہ تھا۔ یہ بھی افسروں کے لئے مخصوص تھا۔ نیوورواله بھی مکلّف اسی کے مثل تھا۔ مگر اس میں فقط دو طبقے تھے۔

کمپوں میں دوکانیں

دال فرشٹہ۔ دروالہ براکس۔ سینٹ کلیمنٹ میں ایک ایک بڑی دوکان تھی جس کو حکم تھا کہ جملہ ضروریات شہر سے لاکر مہیّا کیا کرے اور ایک سبزی فروش کی دوکان بھی جو کہ موسمی ترکاریاں اور میوے لانے کا ذمہ دار تھا۔ یہ دوکانیں اوّل تو جرمن لوگوں نے شراکت سے کھولی تھیں اور شہر کے بعض تاجر اس کے ایجنٹ تھے وہ روزانہ حسب الطلب چیزیں بھیجتے تھے۔ ان دوکانوں کے لئے گورمنٹ نے جو مکان ان اسیروں کو اندروں کیمپ دیئے تھے۔ ان کا کرایہ لیتی تھی اور پھر نفع میں بھی فیصدی کچھ لیا جاتا تھا اور اسی طرح سبزی فروش سے بھی کچھ لیا جاتا تھا جو کہ ٹھیکہ لینے والوں پر گورمنٹ کا قاعدہ ہے اس وجہ سے چیزیں بہت گراں پڑتی تھیں۔ کیونکہ شہر میں ایجنٹ کو بھی اپنی محنت اور کرایہ گاڑی وغیرہ وصول کرنا ہوتا تھا۔ پھر گورمنٹ کو کرایہ مکان اور اس کا حق دینا پڑتا تھا۔ جو دوکان میں کام کرنے والے تھے اُن کی تنخواہیں دینی پڑتی تھیں۔ پھر جو اہل شرکت تھے۔ اُن کو نفع حاصل کرنا ہوتا تھا۔ پھر اس میں یہ بھی تھا کہ ماہوار نفع میں سے فیصدی ایک مقدار نکال کر سب اسیروں پر تقسیم کی جاتی تھی۔ کیونکہ بہت سے ایسے اسیر تھے جن کے پاس کوئی رقم اُن کے وطن سے نہ آتی تھی، اور نہ اُن کے پاس نقد تھا۔ اُن کو سگرٹ چاء قہوہ وغیرہ کے لئے سخت ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے اُن کی اعانت

کرنی ضروری ہوتی تھی۔ اس لئے بلا تمیز قومیت اور مذہب برابر وہ حصہ نفع میں سے تقسیم کیا جاتا جو کہ فی کس ماہوار دو شلنگ یا اس سے کچھ زائد پڑتا تھا مگر نقد کسی کو نہیں دیا جاتا تھا۔ بلکہ لوگوں سے دریافت کر لیا جاتا تھا۔ اُس مقدار کی رقم میں جو چیز چاہیں خرید لیں۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی پھر گورنمنٹ کو اس قدر نفع بھی اسراء کا گوارا نہیں ہوا۔ اُس نے جرمنی کمپنی کو حکم دیدیا کہ قنطین یعنی دُکان کو ہم فلاں تاریخ سے اپنے زیر تحویل کر لیں گے۔ چنانچہ اُس روز سے پھر گورنمنٹی صیغہ بجربہ کی طرف سے ماموراً ئے اور جملہ اشیاء موجودہ قنطین سابق کو خرید کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا اور پھر دو کانیں گورنمنٹی ہو گئیں۔ البتہ سبزی کی دُکان پر گورنمنٹی قبضہ نہیں ہوا۔

آفس ان کیمپوں کے درمیان میں کمانڈر اسراء ایک افسر فوجی جو کہ اکثر اوقات میں کرنیل تھا بنتا تھا۔ اُس کے زیر اثر ایک دو میجر اور کپتان وغیرہ بھی ہوتے تھے جو کہ اسراء کے معاملات کی نگرانی اور خبر گیری کرتے تھے۔ چونکہ یہ سب اسراء جنگ تھے۔ اسلئے ان کی جملہ ضروریات فوجی محکمہ کے متعلق تھیں۔ اس آفس میں مختلف صیغے کاتبوں سنسر وغیرہ کے بھی تھے۔ روزانہ ایک افسر سینٹ کلمیٹ میں اور ایک ورد الہ میں چند گھنٹہ کے لئے جا کر بیٹھتا اور اسراء کی ضروریات اور عرضیوں پر نظر ڈالتا تھا اور پھر اُس کے متعلق کمپوں میں گشت بھی لگاتا تھا۔ اگر کسی کو اُس سے یا بڑے افسر سے کچھ کہنا ہے، اگلے دن وہ بلایا جاتا تھا اور اُس کی ضروریات کے متعلق مناسب انتظام کیا جاتا تھا۔

شفاخانہ اس جملہ اسارت گاہ کے متعلق دو شفاخانے بھی تھے ایک معمولی شفاخانہ جو بڑے کیمپ یعنی سینٹ کلمیٹ میں واقع

تھا جس میں روزانہ صبح کو ڈاکٹر آکر بیٹھتا تھا اور مریضوں کو دیکھتا تھا معمولی بیماروں کو دوا دیدیتا تھا۔ اور اگر مرض شدید ہوا، یا بیمار کے لئے زیادہ احتیاط وغیرہ کی ضرورت سمجھی گئی تو جنرل ملٹری شفا خانہ میں بھیجدیتا تھا جو کہ وہاں سے قریب ہی تھا۔ معمولی چال میں دس منٹ میں آدمی وہاں پہونچ جاتا تھا۔ اس میں مختلف بڑی اور چھوٹی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ فوجی افسروں کے لئے تو دو منزلہ بڑا مکان تھا۔ جس کے اوپر کے کمرے ان کے لئے مخصوص تھے۔ اُن میں تمام ضروریات اور راحت کے سامان حسب قاعدہ طبّی یوروپین طریقہ پر موجود رہتی تھیں۔ اور سویلین لوگوں کے لئے نیچے بہت بڑی ہال بنی ہوئی تھی۔ اس میں سول اور فوجی سپاہی برابر رکھے جاتے تھے۔ تقریبًا چالیس آدمیوں کی چارپائیاں اُس میں بچھ سکتی تھیں۔ کمپوڈری اور دیگر خدمات ان دونوں جگہوں میں یوروپین نرسیں نوبت بنوبت انجام دیتی تھیں بالائی اور زائد کاروبار اور صفائی کے لئے دوسرے مرد اور عورتیں نوکر تھیں۔ مریضوں کی خبر گیری اور اُنکی خدمت میں انسانیت اور ہمدردی سے کام لیا جاتا تھا۔

مریضوں سے ملاقات

مریض کے ہسپتال میں جانے کے پندرہ دن بعد مریض کی خواہش پر جن احباب سے وہ ملنا چاہے تو اتوار یا جمعہ کو ان کا نام لکھوا دے اُن لوگوں کو بذریعہ آفس اطلاع دے دی جاتی تھی اور دوشنبہ کے دن تین بجے اُن لوگوں کو جنرل ہسپتال میں لیجاتے تھے محافظ فوجی ساتھ ساتھ ہوتے تھے آدھا گھنٹہ مریضوں کے پاس بیٹھکر رخصت ہو جاتے تھے پھر اسی طرح ہر آٹھ دن میں ایک دفعہ دوشنبہ کے دن ملاقات ہوسکتی تھی۔ یہ عام قانون تھا البتہ اگر کوئی خاص ضرورت ہو یا کسی کی کوئی رعایت ہو تو وہ علیحدہ بات تھی۔ مریضوں کو خطوط بھیجنے یا ضروری

اشیاء کے کیمپ سے منگانے کا بھی طریقہ بذریعہ افسران ہسپتال وآفس تھا۔ ہسپتال میں بھی ایک ٹھیکدار کی دکان تھی جہاں پر عموماً ضروریات کی چیزیں جن کی ڈاکٹر کی طرف سے ممانعت نہ ہو مریض خرید سکتا تھا۔ ہسپتال کے دروازہ اور اطراف پر پہرہ فوجی رہتا تھا۔ مگر بہت سے لوگ مصنوعی صورت مریضانہ بنا کر وہاں رہنا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ خوراک کا انتظام وہاں اچھا تھا۔ اس ہسپتال میں ایک قطعہ پاگل خانہ کا بھی تھا۔ چونکہ اسیروں کے تخیلات اور اوہام ان کے دماغ پر بہت زیادہ اثر ڈالتے ہیں (اس جنگ عمومی کے زمانہ میں یہ حالت زیادہ پیدا ہو گئی تھی) اس لئے عموماً دماغی حالت ہر ایک شخص کی جادۂ استقامت پر نہیں رہ سکتی۔ پھر فوجیوں کو اپنے افکار نیز اپنی سلطنت قوم اور ملک کے مستقبل کی بے چینی بحالت مغلوبیت بہت ستاتی تھی۔ تاجروں کو ان کے تمام تجارتی مال کا نقصان ہو جانا جس قدر ان کے دل و دماغ کو ناکارہ کر دے کم نہیں ادھر ہر اسیر کو ابھی مدت اسارت معلوم نہیں اسراء جنگ قانوناً خواہ وہ ملٹیری ہوں یا سویلین فقط مبادلہ پر نجات پا سکتے ہیں یا صلح پر اور یہ دونوں باتیں غیر معین وقت کی خواہاں ہیں۔ الحاصل مذکورہ بالا وجوہ اور نیز دیگر وجوہ سے نیت وغیرہ سے دماغ والا آدمی بسا اوقات جنون ہو جاتا ہے۔ متعدد آدمیوں نے اس مدت اسارت میں اپنے آپ کو پھانسی دیدی بعض نے اپنے آپ کو زخمی کر لیا اور پاگل تو بہت سے ہو گئے تھے۔ اسلئے پاگل خانہ کا بھی اسارتگاہ کے لئے ہونا ضروری تھا۔ بعض متعدی امراض کے مریضوں کے لئے مالٹا میں ہسپتال خاص تھے۔ جہاں پر مریض کو خاص طور سے پہنچاتے تھے اور اس کو (جنرل ہسپتال میں) نہیں رکھتے تھے۔ انفلوئنزا کے لئے بھی یہی معاملہ تھا۔ اسی طرح طیفس کے لئے علیحدہ ہسپتال تھا۔

کیمپوں کا انتظام

ہر کیمپ میں باتفاق سکانِ کیمپ ایک افسر مقرر کیا جاتا تھا جس کو صدر کمیٹی یا کمیٹی کہتے تھے وہ کیمپ کے تمام انتظام کا کفیل ہوتا تھا۔ افسرانِ آفس اُس سے کیمپ کے متعلق گفت و شنید کرتے تھے اور وہ اہلِ کیمپ سے مراجعت کرتا تھا۔ یہ صدر حسب خواہش اہلِ کیمپ ماہوار بدلتا بھی رہتا تھا۔ یہی شخص ہر ہفتہ میں اپنے کیمپ کے اسراء کیلئے ازلق (رسد) وصول کرتا اور کیمپ میں اسراء کو حصہ رسد بانٹا کرتا تھا۔ اور یہی روزانہ روٹی گوشت ترکاری بھی وصول کرکے بانٹتا تھا۔ یہی اسراء سے خدمت کی ماہوار بھی وصول کرتا تھا۔ کیونکہ ہر اسیر پر خواہ وہ فوجی ہو یا سویلین لازم تھا کہ اپنے کیمپ کی روزانہ صفائی، پاخانہ کی روزانہ علاوہ نجاست اُٹھانے کے صفائی (کیونکہ فقط پاخانہ اُٹھانے کے لئے تو ایک مالٹی حکومت کی طرف سے نوکر تھا، جو روزانہ آ آکر صبح کو اُٹھاتا تھا مگر وہ دوسری صفائی کا ذمہ دار نہ تھا) اپنے کیمپ کی رسد ہفتہ وار، روٹی گوشت ترکاری کوئلہ وغیرہ وغیرہ روزانہ انجام دے۔ اسلئے اصحاب مقدرت کسی کو تنخواہ دیکر مقرر کرتے تھے اور جو اصحاب مقدرت نہ تھے وہ خود کام کرتے تھے۔ مگر چونکہ کام کیلئے سب آدمیوں کی روزانہ ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اسلئے باری مقرر کیجاتی تھی صدر کمیٹی ان سب باتوں کا انتظام کرتا تھا۔ باورچیخانہ کا بھی انتظام اگر اہل کیمپ چاہتے تھے تو اُسی کے ذمہ ہوتا تھا۔ بڑے بڑے کیمپوں میں مختلف باورچیخانے تھے بعض لوگ فقط انگریزی رسد پر اکتفا کرتے تھے۔ اُس کا کھانا نہایت گلا ہوا ہوتا تھا۔ اور بعض لوگ کچھ اپنے پاس سے بھی ماہوار زیادہ دیکر عمدہ اور مکلف کھانا پکواتے تھے۔ اس لئے مختلف میزیں تھیں۔ بعض لوگ اپنا روزانہ اور ہفتہ وار سامان رسد لے کر علیحدہ علیحدہ پکاتے تھے۔ غرضکہ اس میں آزادی تھی۔

رسد کی اشیاء سیاہ چاء۔ ڈبے کا دودھ۔ شکر سفید۔ مارگرین۔ چاول، دال۔ سور۔ جیلی، نمک۔ موم بتی۔ یہ چیزیں ایک خاص وزن اور مقدار سے ہفتہ وار ملتی تھیں۔ اور روٹی، گوشت، ترکاری۔ کوئلہ روزانہ ملتا تھا۔ صابون کپڑے دھونے کا ایک مہینہ ایک مرتبہ ملتا تھا۔ گوشت وہ ملتا تھا جو کہ وہاں مدتوں سے برف میں محفوظ چلا آتا تھا چونکہ مالٹا جنگی حرکات کے لئے ایک مرکز ہے اس لئے وہاں تمام فوجی ضروریات بہت بڑے پیمانہ پر ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ وہاں پر گوشت کے لئے بھی سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا مکان ہندوستانی طریقہ پر بنا ہوا ہے جس میں برف کی سلوں میں گوشت ہزاروں من ہمیشہ دبا رہتا ہے۔ یہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اسٹریلیا، نیوزیلینڈ وغیرہ سے لائے جاتے اور ذخیرہ کئے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت صرف ہوتے ہیں۔ ہر ٹکڑے پر ڈاکٹری سارٹیفکٹ کا غذ لگا ہوتا تھا۔ جس سے جملہ کیفیات گوشت کی معلوم ہوتی تھیں۔ بعض بعض ٹکڑے سولہ سولہ سترہ سترہ برس کے نکلے۔ مگر ظاہری صورت میں کوئی فرق تازہ گوشت سے نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کھانے والوں سے سنا گیا کہ تازہ گوشت کی سی لذت نہیں ہوتی تھی۔

ان چیزوں کی انواع تو بیشک بہت سی تھیں۔ مگر روزانہ علیحدہ علیحدہ کر کے دیجائیں تو کوئی شخص گذارا نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ اکٹھا کرنے اور ہفتہ بھر کی ایک دفعہ لینے کی وجہ سے ایک مقدار ضرور معلوم ہوتی تھی روٹی بڑی اور ڈبل آتی تھی جس کا چوتھائی حصہ فی کس روزانہ دیا جاتا تھا کم خوراک والے آدمی اس پر گذر کر لیتے تھے مگر اچھے کھانے والے اس پر ہرگز بسر نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے دوکاندار کو روزانہ شہر سے بڑی اور مقدار روٹیوں کی لانی پڑتی تھی۔ اور اگر

کبھی اس میں کمی ہو جاتی تھی یا نہیں آ سکتی تھی تو کہرام مچ جاتا تھا ہم نے سُنا تھا اور کچھ دیکھا بھی کہ پہلے پہل اسیروں کو نہایت فراخدلی سے رسد دی جاتی تھی جو کہ بڑے سے بڑے خوراک والے آدمی کو کافی ہوتی تھی مگر جب جنگ نے طول کھینچا مصارف جنگ بہت زیادہ بڑھ گئے۔ بحری راستہ نہایت خطرناک ہو گیا اسیروں کی زیادتی ہو گئی تو پھر گورنمنٹ کو ہاتھ کھینچنا پڑا چنانچہ بعض ایام میں تو بہت ہی کمی کرنی پڑی۔ جرمنوں میں آن جوان اور کثیر الاکل لوگوں نے جن کو کسی طرح بھی غذا کافی نہیں ہوتی تھی کتے ذبح کر کے کھائے اور کھالوں کو علی الاعلان لٹکایا اور ظاہر کیا کہ ہم نے یہ فعل خوراک کی وجہ سے کیا ہے۔

اسراء کو آپس ملنے کا طریق

روزانہ ہر کمپ میں صبح اور شام گنتی ہوتی تھی۔ صبح کو تقریباً ½ 9 بجے اور شام کو چار بجے۔ جتنے سویلین اور فوجی سپاہی تھے سب کو قطار باندھ کر کھڑا ہونا ہوتا تھا سارجنٹ یا کپلار آکر گنتا تھا اور پھر چلا جاتا تھا صبح کو گنتی کے بعد بڑے کیمپوں میں طبیعی فرحت کیلئے اور دوسرے احباب سے ملنے کے لئے کبھی تمام اہل کمپ کو اور کبھی ایک معین مقدار کو اجازت ملتی تھی ہر کمپ کا متعین سارجنٹ یا کپلار ان کے ساتھ آن دروازہ تک جاتا تھا جن سے اُن لوگوں کا گذرنا ہے کیونکہ ہر دروازے کا محافظ بغیر اُس کے دروازہ نہیں کھول سکتا تھا۔ افسران اور سویلین آدمیوں کی گنتی اُن کے جائے قیام پر ہوتی تھی اُن کو ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر گنتی کی سیٹی کے بعد موجود ہو جائیں اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو اپنی جگہ سے نہ ٹلیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی گنتی اُن لوگوں کے قیامگاہ میں ہوتی تھی۔ بڑے کیمپوں میں چونکہ تمام افراد کو دوسرے کمپ کے لئے اجازت نہ ہوتی تھی بلکہ ایک خاص عدد مقرر تھا۔ اس لئے ایک دن پہلے اُن کو ضروری ہوتا تھا

کہ اپنے ناموں کو اس کاغذ پر جو کمپ کے صدر کمیٹی کے پاس ہوتا تھا یا اس کے انتظام سے روزانہ کہیں چسپاں کر دیا جاتا تھا لکھدیں۔ وہ بوقت اجازت روانگی سب کے نام پکار پکار کر دروازہ پر پڑھتا اور ان کو کمپ مقصود میں پہونچوا تا تھا۔

ڈاک کا انتظام ہفتہ میں دو دن یعنی دوشنبہ اور جمعرات کو ہر ایک شخص کو ایک ایک کھلا لفافہ دیا جاتا تھا۔ جو کہ طول میں تقریباً تین پوسٹ کارڈوں کے عرض کے مجموعہ کے برابر ہوتا تھا۔ اس طویل ورق پر ایک خاص قسم کا سپید مصالحہ چڑھا ہوا ہوتا تھا جس کی وجہ سے کوئی خفیہ کتابت اس پر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس میں سطریں سیاہ پڑی ہوئی تھیں اُن پر لکھنا ہوتا تھا دوشنبہ اور جمعرات کو گننے والے سپاہیوں کو یا صدر کمیٹی کو لکھے ہوئے لفافے دیدئے جاتے تھے۔ اور سادے لفافے مل جاتے تھے اگر کوئی پوسٹ کارڈ بھیجنا چاہتا تھا تو خود خریدنے ہوتے تھے جو کہ عموماً بکتے تھے۔ تین کارڈ ایک ڈاک میں ایک شخص بھیج سکتا تھا۔ ڈاکخانہ کی اُجرت ان لفافوں اور کارڈوں پر نہ تھی بلکہ بلا ٹکٹ جاتے تھے۔ اوّلاً یہ جملہ لفافے اور کارڈ سنسر کے آفس میں جاتے تھے جس میں مختلف زبانوں کے جاننے والے لوگ موجود رہتے تھے۔ وہ ان خطوط کو پڑھا کرتے تھے۔ اگر کوئی بات خلاف سیاست پاتے تھے تو اُس کو کاٹ ڈالتے تھے یا خط ہی کو پھاڑ ڈالتے تھے۔ مگر چونکہ وہاں اُردو کا واقف کوئی سنسر نہ تھا۔ اس لئے ہمارے خطوط مصر یا بمبئی میں سنسر ہوتے تھے۔ جو دول متحاربہ تھیں اُن کے خطوط کے لئے مشترک مرکز سوئزرلینڈ تھا۔ جہاں خطوط دوسری مرتبہ سنسر ہوتے تھے اور پھر آپس میں مبادلہ ہوتا تھا۔ وہاں پر ہر محارب حکومت کے نمایندے اور افسر موجود رہتے تھے۔ اسراء کے جو خطوط آتے تھے اُن کے سنئے

کوئی مقدار معین نہ تھی وہ بھی کھلے ہوئے آتے تھے اُن کا بھی سنسر وہاں ہوتا تھا اگرچہ وہ پہلے بھی دو تین دفعہ مختلف مقامات پر سنسر ہو چکے ہوتے تھے اُس کے بعد اُس ڈاکخانہ میں یہ خطوط بھیج دیئے جاتے تھے۔ جس کو خود اہل کیمپ نے قائم کر رکھا تھا ہر بڑے کیمپ میں جیسا کہ انتظام صدر کمیٹی کا تھا ایسے ہی اہل کیمپ کی طرف سے ڈاکخانہ کا انتظام تھا اہل کیمپ اپنے میں سے ایک سے ایک زیادہ آدمیوں کو ماہوار انتخاب کرتے تھے جو کہ نوبت بنوبت اس کام کو انجام دیتا تھا۔ جتنے خطوط اس کے پاس آفس سے آتے تھے اُن کو وہ تقسیم کرتا تھا۔ اس طرح پر کہ اصحاب خطوط کے نام لکھ کر ایک پرچہ پر اشتہار کی اُس جگہ میں جہاں خاص ڈاکخانہ کے اشتہار لگائے جاتے تھے۔ مخصوص تختی پر چسپاں کر دیا تھا وقت معین پر جن صاحبوں کے نام ہوتے تھے اپنے اپنے خطوط لے آتے تھے۔ چھوٹے کمپوں کے خطوط کو گنتی کرنے والے سپاہی کے ذریعہ سے وہاں بھجوا دیتے تھے یا آفس والے مستقل طور پر وہاں بھیجدیتے تھے۔ ہر خط پر ہر اسیر کو اپنے نمبر لکھنے ضروری ہوتے تھے۔ اُس نمبر اور کیمپ کے نام کے ذریعہ سے وہ پہچانا جا سکتا تھا۔ چونکہ ہندوستان سے ہمارے ہی خطوط آتے تھے۔ لہذا اہل آفس اُن سبھوں کو ہمارے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

اسراء کی تعداد اور نمبر اسراء کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ جن میں اکثر جرمنی تھے یعنی تقریباً نصف حصہ جرمن تھے جو کہ عموماً اسو بلیین تھے۔ اور مصر سوڈان وغیرہ سے پکڑ لئے گئے تھے اور باقی فوجی تھے جو مختلف افریقہ کے میدانوں وغیرہ سے ہاتھ آئے تھے۔ انہیں میں ایمڈن جہاز کے لوگ بھی تھے اور باقیماندہ آسٹرین، بلغاری،

ترکی مصری شامی وغیرہ تھے۔ عموماً جو لوگ مشرقی محاذ سے پکڑے جاتے تھے۔ وہ قبرس اسکندریہ مصر وغیرہ اور جو لوگ عراق (ماسو پوٹامیا) سے پکڑے جاتے تھے وہ برہما ہندوستان کے مختلف مقامات میں بھیجے جاتے تھے۔ مگر ان لوگوں میں جن کو زیادہ خطرناک شمار کیا جاتا تھا۔ ان کو مالٹا میں بھیجا گیا تھا۔ چناق قلعہ (درہ دانیال) سے بھی لوگ یہاں پر لائے گئے تھے۔ ان کو جب داخل کیا جاتا تھا۔ اور ایک کاغذ ان کے نمبر کا دیدیا جاتا تھا تاکہ بوقت ضرورت تمیز ہو سکے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ اور ہمارے نمبر حسب ذیل تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب ۲۲۱۵ ۔ حکیم نصرت حسین صاحب ۲۲۱۶ حسین احمد ۲۲۱۷ ۔ وحید احمد ۲۲۱۸ ۔ حضرت مولانا مرحوم ۲۲۱۹

اسرار کی تفریح ان جملہ اسرار کو خواہ وہ سویلین ہوں یا فوجی افسر ہوں یا سپاہی اسارت گاہ سے باہر جانے کی کسی وقت میں اجازت نہ تھی البتہ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں آپس میں دو گھنٹہ کی مقدار دس بجے سے بارہ بجے تک مل سکتے تھے۔ ہاں بعض لوگوں کو خاص طور سے دوسرے وقت بھی اجازت دو بجے سے چار بجے تک دی جاتی تھی جن کو کوئی تحریر آفس سے دیدی جاتی تھی یا اس کیمپ کے سارجنٹ سے کہدیا جاتا تھا کہ ہفتہ میں دو دن یا چار دن یا پورے ہفتہ بھر اس کو دو بجے سے چار بجے تک فلاں کیمپ میں لیجایا کرو۔ چنانچہ ہم لوگوں کو بھی اخیر میں ہفتہ تین دن کی اجازت اس طرح پر مل گئی تھی۔ علاوہ اس کے تفریح کے لئے میں بھی روز ایک مقدار اسیروں کی جایا کرتی تھی۔ جس کی حیثیت سے ہفتہ میں ایک مرتبہ نوبت آتی تھی۔ سویلین اور سپاہیوں کو سنگینوں کی قطار کے بیچ میں چلنے کا حکم تھا۔ یعنی دونوں طرف حفاظت کے لئے سپاہی کھلی ہوئی سنگینیں و

اور بندوق لیئے ہوئے چلتے تھے اور بیچ میں نہتے اسیر لوگ اسی طرح ان کو تین چار میل کی مسافت تک لیجاتے تھے بلکہ بیرونِ شہر جنگل کی طرف جاڑوں کے دنوں میں دو بجے دن سے چار ساڑھے چار بجے دن تک اور گرمیوں میں پانچ ساڑھے پانچ بجے صبح سے آٹھ بجے تک یہ تفریح ہوتی تھی مگر گرمیوں میں سمندر پر لیجاتے تھے، اور وہاں پہ دریا میں جن لوگوں کو شوق ہوتا تھا۔ نہاتے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ یا بیس منٹ وہاں ٹھیرتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو دریا میں تیرنے یا نہانے کا شوق نہیں ہوتا تھا۔ وہ کنارے پر بیٹھے رہتے تھے سپاہی چاروں طرف حفاظت کیلئے کھڑے رہتے تھے۔ دریا میں بھی حد مقرر ہوتی تھی۔ جس پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھوڑی دُور میں کھڑی رہتی تھیں اور اُن میں سپاہی مع آلاتِ جنگ موجود رہتے تھے۔ افسروں کے ساتھ عام سپاہی نہیں جاتے تھے۔ اور نہ اس طرح قطار کے اندر وہ جاتے تھے۔ بلکہ اُن کے ساتھ سارجنٹ یا کپتان وغیرہ ریوالور لئے ہوئے ساتھ رہتا تھا۔ اُن کے لئے گھوڑے گاڑیاں لائی جاتی تھیں۔ جن کا کرایہ خود اسیر افسروں کو اپنی تنخواہ میں سے دینا ہوتا تھا۔ اور اگر کوئی افسر پیدل چلنا چاہتا تھا تو اُس کو کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی۔ اُس کے ساتھ وہی سارجنٹ یا کپلیر ریوالور لئے ہوئے جاتا تھا۔ عام اسراء اگر ضعیف العمر یا کمزور ہوں تو اُن کے لئے بھی سواری منگادی جاتی تھی۔ بشرطیکہ کرایہ وہ اپنے پاس سے ادا کریں۔ اس لئے چند ضعیف العمر ایک گاڑی منگا لیتے تھے وہ گاڑی اُسی قطار فوج میں ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ اصرار پر فقط ایک مرتبہ اس تفریح میں تشریف لے گئے تھے۔ عموماً مولوی عزیر گل صاحب اور وحید جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی حکیم نصرت حسین صاحب بھی۔

اسراء کیلئے اخبار اور تار

اسراء کے لئے اخباروں میں سے فقط ٹائمز لندن اور ملتان پیرس اور اٹالیہ کے ایک اخبار کی اجازت تھی اور مصر کے اخباروں میں سے الاہرام اور المقطم کی اجازت تھی۔ دوسرے اخبار نہیں آسکتے تھے۔ ریوٹر کا تار بھی روزانہ آتا تھا۔ جن لوگوں کو اس تار کی یا کسی اخبار کی ان میں سے ضرورت ہوتی تھی وہ آفس میں عرضی دیتے تھے۔ آفس آن کی ایجنسیوں سے گفتگو کر کے مقرر کرا دیتا تھا اور قیمت ماہوار وصول کر لیتا تھا۔ ان اخباروں اور تاروں میں جو جو خبریں ہوتی تھیں وہ اسی وقت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو جاتی تھیں ہر ہر قوم نے اس کا ایک خاص آپس میں انتظام کر رکھا تھا۔ چند آدمی منتخب تھے جو کہ ترجمہ کر کے ایک خاص تختی پر سینٹ کلیمنٹ کیمپ اور وروالہ براکس میں چسپاں کر دیتے تھے۔ اہل مصر نے بھی اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ عربی میں، ترک ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ بسا اوقات ترکی افسر دونوں کے منتظم ہوتے تھے جرمن اور آسٹرین لوگ اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے لگاتے تھے۔

ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی

جو اسراء عیسائی مذہب کے تھے۔ اُن کی ضروریات کے لئے صلیب احمر سے خاص خبر گیری ہوتی تھی اُن کے لئے کتابیں پارسل کپڑے ماہوار نقد وغیرہ اُن کے ملکوں سے برابر آتے تھے جو کہ اُن میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ استنبول سے بھی مسلمان اسراء کے لئے ہلال احمر نے بارہا اشرفیاں اور کتابیں وغیرہ بھیجیں جس کے ذریعہ سے عام طور پر مسلمانوں کی خوراک، تعلیم اور دیگر ضروریات وغیرہ کی خبر گیری کی گئی اور اکسچینج جاری رہی اور بوقت واپسی اوطان اُن کو تھوڑی تھوڑی مقدار نقد بھی دی گئی اس تقسیم میں ترکی افسری

ملک کی خصوصیت نہ کرتے تھے بلکہ مسلمان خواہ کہیں کا ہو اور عثمانی رعیت خواہ کسی مذہب کی ہو سب کو علیٰ حسب المراتب والحاجت دیتے تھے۔ ہم کو بھی دینا چاہا مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سبھوں نے کہا کہ ہم اگر اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایسے وقت میں دولتِ عَلیہ اور خلافت سنیہ کو مدد دے سکیں تو کیا ہم کو کسی طرح مناسب ہے کہ ہم اس نقد کو لیں اور پھر بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس ضرورت کے موافق گورنمنٹ سے نقد بھی ملتا ہے اور کچھ ہمارے پاس بھی ہے۔ بلکہ جب تک یہ مقدار ہلال احمر سے استنبول سے نہ آئی تھی اور کرنیل اشرف بیگ نے چندہ سے اس کا انتظام کیا تھا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نصف پونڈ ماہوار اس چندہ میں برابر دیتے رہے مگر جب وہ مقدار نقد کی ہلال احمر سے آگئی تو کرنیل موصوف نے مولانا مرحوم سے درخواست کی کہ اب ہم چندہ سے مستغنی ہو گئے اب آپ بند کر دیں۔ استنبول میں خطوط کا بھی انتظام ہلال احمر کا اچھا رکھتا تھا۔ اور اپنی تمام انجمنوں کے ذریعہ سے جو تمام عثمانی ممالک میں موجود تھیں اس کا پورا انتظام قائم کراتا تھا۔

لکڑی کے مکانات

کیمپوں میں خیمے تو سرکاری تھے۔ مگر ہر خیمے میں تین آدمی یا کم از کم دو آدمی ضرور رہتے تھے اور گورنمنٹ کو اختیار رہتا تھا کہ اگر اس کو ضرورت ہو تو تیسرا آدمی اس میں رکھے اس لئے علیحدہ مستقل طور سے رہنے کی غرض سے افتادہ جگہ میں کیمپ ہی کے اندر بعضے بعضے اسرار لکڑی کے گھر بنا لیتے تھے۔ چیڑ کی لکڑی کے صندوق یا تختے شہر سے منگا کر ان کو بطور ستونوں کے بنا کر اس پر ٹاٹ چڑھاتے تھے اور ٹاٹ پر چونہ پھیر کر ایک خوبصورت

کمرہ ہو جاتا تھا۔ جرمنی اور آسٹرین ترکی وغیرہ سفر مینا کے سپاہی یا سولین کاریگر ایسے موجود تھے جو عمدہ سے عمدہ کام لکڑی اور لوہے اور تعمیر وغیرہ کا جانتے تھے وہ لوگ نہایت پاکیزہ اور صاف عمارت کھڑی کر دیتے تھے۔ جس میں آدمی نہایت آرام سے بسر کر سکتا تھا، اور گورنمنٹ کی طرف سے اُس پر کوئی زور دوسرے شخص کے داخل کرنے کا بھی نہ ہو سکتا تھا۔ جن کیمپوں میں پتھر مٹی میسر ہو سکتی تھی وہاں پر لوگوں نے ایسی عمارت مٹی یا پتھر سے بنائی تھی۔ بعض لوگوں نے یہی پیشہ کر لیا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے ایسی مختصر سی عمارت بنائی اور اس کو بیچ دیا۔ وروالہ کے بیرونی حصہ میں جس میں دن بھر پھرنے اور بیٹھنے کی اجازت اور رات کو دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہاں کوئی نہیں رہ سکتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے دن کو تفریح اور بیٹھنے کی غرض سے ایسے ایسے مختصر کمرے بنا لئے تھے اور مختلف قسم کے پھول اور بیلیں اور درخت لگا کر ایک عمدہ چمنستان تیار کر لیا تھا جو کہ حقیقتاً ایک سیر کی جگہ ہو گئی تھی۔

اسراء کے علمی اشغال

چونکہ اس عظیم مجمع میں ہر قسم اور ہر لیاقت اور مختلف زبانوں کے لوگ جمع تھے اور کوئی کام اور خدمت کسی کے ذمہ نہ تھی۔ اس لئے ترقی پسند لوگوں کو اسکی فکر لازم تھی کہ وہ اپنی عمر کا یہ حصہ ضائع نہ کریں اس لئے عموماً لوگوں نے اپنے اوقات کو علوم کی تحصیل اور زبان کے سیکھنے میں صرف کیا۔ اس مجمع میں بڑے بڑے پروفیسر مختلف زبانوں اور فنوں کے موجود تھے۔ کتابیں ہر زبان کی یا تو وہیں مل جاتی تھیں یا طلب پر مصر یا انگلینڈ، جرمن، اٹالیا، فرانس وغیرہ سے آسکتی تھیں۔ اس لئے یہ اسارت گاہ ایک حیثیت سے

ایک اچھا خاصہ دارالعلوم (یونیورسٹی) بن گیا تھا۔ خصوصاً زبانوں کے لئے ہم نے بہت کم ایسے آدمی دیکھے جنھوں نے علمی مذاق رکھتے ہوئے کم از کم ایک دو زبان نہ سیکھ لی ہو سیاسی امور اور اقوام کی تاریخی حالات اور خصوصاً از منہ حاضرہ کی سیاست کیلئے تو گویا یہ مقام ایک خالص کالج تھا۔ پھر جسقدر یہاں آزادی تھی دوسری جگہ کہاں۔ نہ سی۔ آئی۔ ڈی کا خوف ہے، نہ کسی گورنمنٹ کی ناراضی کا خیال ہے۔ نہ کوئی مخالف طبع شخص وقت مکدر کرنیوالا ہے بلکہ سب کے سب ایک خیال اور ایک درد اور ایک ہی دکھ والے تھے۔

اسراء کی باہم ہمدردی

سب کے سب اتحادیوں اور خصوصاً برٹش گورنمنٹ اور انگلش قوم کے دشمن تھے علانیہ انگریزوں کی شکست اور ان پر یا اُن کے خلفاء پر کسی مصیبت کی خبر آتی تھی تو خوشیاں مناتے تھے۔ جھنڈے اُڑاتے تھے۔ شور و شغب مچاتے تھے اور اگر خدانخواستہ جرمن۔ ٹرکی۔ آسٹریا۔ بلغار کسی کی کوئی بُری خبر آجاتی تھی تو سب کے سب غمگین نظر آتے تھے۔ اگرچہ اس تین ہزار کی جماعت میں کوئی مسلمان تھا کوئی عیسائی کوئی یہودی تھا، کوئی کیتھولک کوئی کالا تھا کوئی گورا، کوئی مغربی، کوئی مو ہلین تھا کوئی نوجی، کوئی ایشیائی تھا۔ کوئی افریقی، کوئی یوروپین تھا کوئی ٹرکی، مگر مصیبت نے سب میں ایسا رشتۂ اتحاد جوڑ دیا تھا کہ ہر ایک دوسرے پر جان نثار اور فدا نظر آتا تھا۔ اور حقیقت میں دل سے عموماً ایک دوسرے کی خیر خواہی کا دم بھرتا تھا۔ وہاں پر ایک عجیب منظر دکھائی دیتا تھا۔ گویا کہ تفرقِ مذاہب و اقوام و اوطان عالم انسانیت سے بالکل اٹھ گیا ہے انسانیت کے رشتۂ اتحاد نے ایک دوسرے سے ایسا جکڑ بند کر دیا ہے کہ گویا ہر ایک دوسرے کا حقیقی بھائی اور رشتہ دار ہے۔ اگر ایک شخص کو تکلیف پہونچی تھی تو سب

اُس کے ازالہ کی فکر میں متوجہ ہوتے تھے۔ عموماً ہر ایک کو دوسرے کا خیال رہتا تھا۔ سب کے سب انگریزی افسروں اور فوجیوں کو نہایت عظمت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے حسب مراتب معاملہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عموماً ہر قوم کے ذی علم اور مقتدر لوگوں کو بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے عید کے ایام میں مسلمانوں کے علاوہ جرمنی آسٹرین وغیرہ کے مقتدر اور ذی وجاہت لوگ ملنے اور مبارکبادی دینے کیلئے آتے اور گلدستہ وغیرہ پیش کرتے تھے۔ پرنس جرمنی جو کہ غالباً قیصر جرمنی کا بھتیجا تھا۔ اور ایمڈن جہاز میں بحری فوجی کپتان کے عہدہ پر تھا اور جملہ جرمنی اسراء میں باعتبار مرتبہ کے یعنی شاہی خاندان ہونے کے بہت بڑی عظمت رکھتا تھا وہ ہمیشہ عید میں مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا۔ چند منٹ بیٹھتا اور چاء نوش کر کے چلا جاتا تھا۔ مولانا بھی دو چار دفعہ اُسکے یہاں نہایت مختصر طور پر تشریف لے گئے۔ جب کبھی راستہ میں مولانا اس کو نظر پڑ جاتے تھے تو دُور سے ٹوپی اُتارتا اور سر جھکا کر سلام کرتا تھا۔ مولانا مرحوم کی صداقت، اُن کی حقانیت، اُن کی للّٰہیت، تقویٰ و طہارت نے فقط احباب ہی کے دل پر سکّہ نہ جمایا تھا بلکہ مخالف بھی اُن کی وقعت دل میں بہت زیادہ رکھتا تھا اور معاملہ عظمت ہی کا برتتا تھا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں، جرنیل اور کرنیل، میجر باوجود انگریز ہونے اور اس بات کے سمجھنے کے مولانا ہمارے سیاسی امور میں مخالف ہیں ہماری موجودہ حکومت کو ہند میں نہیں چاہتے۔ وہ ہندوستان کی آزادی کے خواہاں اور اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے دوست ہیں۔ جب مولانا کو دیکھ لیتے تھے تو نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے ٹوپی اُتار لیتے تھے۔ اور بعض تو بہت زیادہ جُھک جاتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے

کہ سچائی اور للہیت ایک ایسی چیز ہے کہ ضرور بالضرور اپنا اثر پیدا کر دیتی ہے۔ موافق اور مخالف دونوں وقعت کی نظر سے دیکھتے اور دل میں مانتے ہیں اور خودغرضی، نفس پرستی، خیانت مذہبی و قومی، ایسی قبیح چیز ہے کہ مخالف تو درکنار موافق بلکہ عزیز قریب بھی نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔

عام اسراء کی تجارت

عام اسراء میں سے بعض لوگ تجارت کرتے تھے۔ جن میں سے بہت سے لوگوں نے قہوے خانے رکھے تھے اور اس کے ذریعہ سے انھوں نے اچھی مقدار جمع کر لی تھی۔ بعض لوگ مختلف چیزیں اسراء کی خرید کر دوسرے اغنیاء کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور اس طریقہ سے بعض چیزیں مالٹا سے منگا کر خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ بعض اہلِ صنعت سگار بنا بنا کر فروخت کرتے۔ غرضکہ طرح طرح کے مشاغل لوگوں نے جاری کر رکھے تھے۔ جس کی بناء پر بہت سے لوگ مالدار ہو کر نکلے۔

اسراء کی صنعت

عموماً بہت سے لوگ کپڑے دھو دھو کر ایک اچھی خاصی مقدار جمع کر لیتے تھے۔ کیونکہ کپڑوں کے باہر جانے کا کوئی انتظام نہ تھا گورنمنٹ سے صابون ملتا تھا۔ اس لئے بہت لوگ اسی پیشہ کو کرتے تھے۔ بہت سے جن کو کھانا پکانا آتا تھا اچھی اچھی تنخواہوں پر باورچیخانوں میں نوکری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ افسروں کی خدمت کی نوکری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ مختلف مصنوعات بنا کر روپیہ کماتے تھے۔

چھوٹے کیمپ مختلف وجوہ سے بڑے کیمپوں کے تابع شمار کئے جاتے تھے۔ روگیٹ کیمپ وردالہ کے تابع تھا۔ عرب کیمپ، روم کیمپ، بلغار کیمپ، سینٹ کلیمنٹ کے تابع تھا۔ دال فرشہ مستقل تھا۔ تابع کی ضروریات اس کے مرکز سے پوری جاتی تھیں۔ وہیں کا حاکم اُن کے امور کا متکفل ہوتا

تھا اور دورہ کرنے کو بھی وہی جاتا تھا

اسراء کے مقدمات

عموماً اسراء میں باوجود قید اور کثرت افکار و مصائب آپس میں لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے تھے۔ کیونکہ حسب غرضِ سابق آپس میں بہت زیادہ ہمدردی تھی اور اگر کبھی کچھ ہوتا تھا تو عموماً اس قوم کے ذی رائے اور مقتدر لوگ انگریزوں اور حکام تک جانے نہیں دیتے تھے اور اپنی بڑی ہتک سمجھتے تھے کہ دشمن کے سامنے اپنے جھگڑوں کو لیجائیں مگر اس پر بھی کبھی کبھی ایسے وقائع ضرور پیش آئے ہیں کہ جن میں انگریزی حکام تک آپس کے جھگڑے پہونچے ہیں۔ بسا اوقات اسیروں کے جھگڑے انگریزی محافظ فوجیوں کیلیپروں اور سارجنٹوں سے پیش آئے ہیں۔ غرضکہ ہر دو قسم کے جھگڑے آفس میں پیش ہوتے تھے۔ اگر کوئی چھوٹا معاملہ ہوتا تھا تو خود کمانڈر یا اس کا نائب فیصل کر دیتا تھا۔ اور مجرم کو سزائے قید محض یا قید بامشقت دیتا تھا۔

قید خانہ اور اسارت گاہ

وردالہ میں چند کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں جن میں تقریباً دو چار پائیاں بچھ سکتی تھیں۔ اُن میں قید کر دیا کرتے تھے۔ اور دروازہ بند کر دیتے تھے۔ چارپائی سونے کے لئے نہیں ملتی تھی۔ فقط کمبل ملتا تھا اور رات کو قضائے حاجت بھی وہاں ہی بالٹی میں کرنا ہوتا تھا۔ دن کو البتہ بوقت ضرورت وردالہ کے پاخانوں میں یجاتے تھے۔ سپاہی ساتھ جاتا تھا۔ دن کو علی الصباح دروازہ کھول کر قیدی سے وردالہ کی صفائی اور جھاڑو وغیرہ دینے کی یا دوسری خدمت لیجاتی تھی۔ کھانا اُس کے کیمپ سے مع چاء وغیرہ کے دونوں وقت کیلیر لیجاتا تھا۔ جس کو اسکے احباب بھیجتے یا جس باورچیخانہ میں اس کا کھانا پکتا تھا وہاں

لیجاتا تھا۔ یہ حالت اُن مجرموں کی ہوتی تھی جن کی قید چودہ پندرہ دن کی ہوتی تھی اور جن پر حکم زیادہ ہوتا تھا ان کو شہر کے فوجی جیل خانہ میں لیجاتے تھے اور فوجی معاملات اُن سے کرتے تھے۔ فقط سول آدمیوں سے مشقت نہیں کراتے تھے۔ اور اگر مقدمہ کوئی بڑا ہوا تو اُس کے لیئے کورٹ مارشل ہوتا تھا جس میں وکلاء اور فوجی حکام کا مجمع ہوتا تھا اور پھر مقدمہ فیصل کیا جاتا تھا

مولانا کا کیمپ سارت میں داخلہ مولانا مرحوم بندرگاہ سے سالٹر کے ساتھ اکّے پر سوار ہو کر پہلے آگئے تھے اور ہم لوگ پیدل سپاہیوں کے ساتھ بعد میں آئے تھے۔ روگیبٹ کیمپ میں پہلے سے ہمارے آنے کی اُسی دن سے خبر ہو گئی تھی جس دن ہمارا آگبوٹ اسکندریہ سے روانہ ہوا تھا۔ وہاں پر بذریعہ تار آفس مالٹا کو اطلاع دی گئی تھی۔ آفس نے روگیبٹ کیمپ میں انتظام کیا اور خبر بھی دیدی کہ پانچ ہندوستانی آرہے ہیں۔ الغرض دو خیمے وہاں ہمارے لیئے نصب کیئے گئے تھے اور لکڑی کے تختہ کی پانچ چارپائیاں اُن کے گدے اور کمبل وغیرہ جملہ ضروریات مہیا تھیں۔ چونکہ اُس کیمپ میں پہلے سے دو ہندوستانی ایک ڈاکٹر غلام محمد پنجابی آدم پوری اور دوسرے مسٹر سیدار بنگالی ساکن چندر نگر وہاں موجود تھے۔ مسٹر سیدار برہمن تھا فرانسیسی زبان عمدہ جانتا تھا۔ انگریزی اور جرمنی بھی جانتا تھا مگر اردو بالکل نہیں جانتا تھا۔ سنسکرت سے بھی خوب واقف تھا وہ بم بازی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا مگر باوجودیکہ اُس پر کوئی ثبوت ثابت نہ ہو سکا تھا۔ گورنمنٹ بنگال نے اُس کو مصر بھجوادیا اور وہاں سے مالٹا روانہ کر دیا گیا تھا اُس پر مصائب اسارت نے اتنا ضرور اثر کیا تھا کہ اُسکی

عقل میں فتور ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر غلام محمد مصر میں ایک مدت سے مقیم تھے۔ وہاں ان کے والد اور بھائی بھی آ گئے تھے۔ یہاں انھوں نے اپنی شادی بھی کر لی تھی۔ ابتدائے جنگ میں ان پر بھی ان کے دشمنوں نے کچھ خبریں اُڑا کر گورنمنٹ کو بدظن کر دیا اُن کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ اور بالآخر جیزہ کی سیاسی قیدگاہ جس میں ہم بھی ایک ماہ رکھے گئے تھے۔ اس میں یہ بھی گئے۔ وہاں پر مختلف وقائع ایک جماعت سے ایسے ہوئے کہ گورنمنٹ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ بہت زیادہ خطرناک ہیں۔ اسلئے ان سبھوں کو مالٹا بھیجدیا گیا اُس میں سے ڈاکٹر موصوف بھی تھے۔

الحاصل ڈاکٹر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ غالباً جیزہ میں جو اور چند ہندوستانی قید تھے جن سے یہ واقف تھے وہ لوگ ہیں اس لئے یہ خوش تھے۔ مگر جب مولانا کو دیکھا تو اُن کو معلوم ہو گیا کہ وہ خیال غلط تھا مگر اُنہوں نے وطنی تعلق کی وجہ سے نہایت تپاک سے مولانا کا استقبال کیا اور اپنے خیمہ میں لے گئے مولانا تقریباً مغرب کے قریب رو گیٹ کیمپ کے دروازہ پر پہونچے تھے۔ اُسی وقت اُن کو وہاں داخل کر دیا گیا۔ مولانا نے جاکر وضو کر کے نماز ادا کی اتنے میں ہم سب بھی پہنچ گئے۔ ہم نے بھی جاکر نماز پڑھی۔ کچھ مختصر سا سامان چار وغیرہ کا اُس وقت موجود تھا اُس کو تناول کر کے سامان دُرست کیا۔ چارپائیوں وغیرہ پر بستر لگایا۔ اور پھر عشا کی نماز کے بعد سونے کی تیاری کر دی۔ اُس روز تھوڑی تھوڑی بارش ہو رہی تھی۔ اور نہایت سرد اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جس نے اور بھی ہمکو مجبور کیا کہ نہایت جلد آمد و رفت بند کر دیں۔ مگر اتفاق سے اُس کیمپ میں عموماً وہ لوگ تھے جو کہ مکہ معظمہ سے

پکڑے گئے تھے اور اکثر لوگ مکہ کے رہنے والے یا عرصہ سے رہتے ہوئے ترکی حکام تھے اور حج سے بہت پہلے پکڑے جا چکے تھے۔ اُنھوں نے جمع ہو کر مکہ معظمہ کے احوال وغیرہ کے پوچھنے میں بہت بڑا حصہ رات کا لے لیا۔ ایک خیمہ میں حضرت مولانا مرحوم اور مولوی عزیر گل صاحب اور کاتب الحروف کی چارپائی بچھائی گئی اور دوسرے میں حکیم صاحب اور وحید کی تھی۔

صبح کے وقت ہم سبھوں کو آفس میں بلایا گیا۔ ہم کو خیال ہوا کہ غالباً ہم سے کوئی بیان لیا جاوے گا مگر وہاں معمولی طور سے پتہ وغیرہ پوچھا گیا اور رجسٹر وں میں درج کر لیا گیا۔ ہر ایک کو تولا بھی گیا اور وزن بھی درج کر لیا گیا۔ بعد ازاں ہمکو کیمپ میں واپس کر دیا گیا۔ حسب قاعدہ رسد کی چیزیں جاری کر دی گئیں چونکہ گوشت قابل اعتبار نہ تھا۔ اس لئے ہم نے اس کے کھانے سے انکار کیا۔ مگر چونکہ گورنمنٹ نہ اُس کو واپس لیتی تھی اور نہ اُس کے بدلے میں دوسری کوئی چیز دیتی تھی ادھر پہلے سے آئے ہوئے مسلمان اپنی کمزوری کی وجہ سے اُس کو برابر کھا رہے تھے۔ اسلئے گورنمنٹ کو اور بھی حیلہ مل گیا تھا۔

اُس گوشت کے حلال نہ ہونیکی وجہ

چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون

اس لئے ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارے میں دو شرطیں ضروری ہیں اوّل

لہ جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اُس کو مت کھاؤ وہ حقیقت میں فسق ہو گیا۔ شیاطین اپنے دوستوں کو سمجھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے ایسے حیوانوں کے بارے میں جھگڑے اور بحث کریں۔ اگر تم اُنکی تابعداری کرو گے تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔

تو شرعی ذبح ہونا دوسرے ذبح کرتے وقت اسم الٰہی کا ذکر ہونا۔ اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مسلمان ذبح کرنیوالا ہو اور وہ بھول کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو وہ حسب ارشاد حضور سرور کائنات علیہ السّلام حلال ہے۔ جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور اُن کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں۔ وہاں نہ ذبح پایا جاتا ہے نہ تکبیر بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو مشینوں کے ذریعہ سے ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا اور تھوڑی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ گوشت کے ٹکڑے علیحدہ اور جملہ دیگر اشیاء علیحدہ نکلتی ہیں۔ ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ شروط ذبح کی رعایت کرتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یا کھانیکی چیزوں میں جب تک نجاست اور حرمت کا یقین یا غلبۂ ظن نہ ہو جائے۔ جب تک اُس کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سے حکم ذبیحہ کا ہوگا۔ مگر یہ سخت غلطی ہے۔ ذبیحہ کا حکم ان دونوں کے خلاف ہے۔ صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار پڑا پایا۔ شکاری کتا جس کو اُس نے تکبیر کہہ کے چھوڑا تھا، پایا اور ایک دوسرا کتا پایا اور نہیں جانتا کہ کس نے اُس کو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے کتے کو تکبیر کہہ کر چھوڑا گیا ہے یا نہیں تو سرورِ کائنات علیہ السّلام اُس کو حرام فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شروط ذبح کا جب تک علم نہ ہو جائے حلال نہیں اور یہی مسلمہ فقہائ کا ہے۔ یورپ کے سفر کرنیوالے عموماً ہر جگہ کے مسلمان ایسے محرمات میں مبتلا ہوتے ہیں اور گمراہ کن

حیلے کرکے خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ لے و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم اسلئے ہمکو اُن کے ذبح کئے ہوئے حیوان میں حرام ہونے کا کوئی شبہ بھی نہیں۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے جو چیز مسلمان سے حلال نہیں ہوسکتی وہ اہل کتاب سے کیونکر حلال ہوسکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً تکبیر چھوڑ دے تو وہ کسی طرح حلال نہیں۔ پھر کتابی جب ایسا کرے تو کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ بہرحال وہ مسلمان سے تو کم ہی ہے اور اگر ظاہر الفاظ آیت پر جائیں تو چاہیئے کہ سوٗر بھی حلال ہوجائے کیونکہ وہ بھی نصاریٰ کا طعام اور اُن کا ذبیحہ ہے یا شراب میں پکا ہوا دوسرا کھانا اُن کا حلال ہو (العیاذ باللہ) اور اگر ان چیزوں کے حرام ہونے کا یقین دوسری آیتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ مذبوح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل ہونا ضروری ہے۔ اس قسم کے مباحث کا لوگوں کے دلوں میں اسلام کا پاس خدا کا خوف، اور آخرت کا خیال تھا اُنھوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اور جن کے دلوں پر سیاہی جمی ہوئی تھی یا کمزوری بیدینی وہ نہ مانتے۔ حالانکہ یورپ کے موجودہ نصاریٰ پر کتابی کا اطلاق اسوقت میں علی العموم آتا ہے یا نہیں یہ بھی ایک مسئلہ قابل غور ہے۔ جس میں اکثر اہل تحقیق و تجربہ اسی طرف ہیں کہ عموماً نصاریٰ یورپ دہریئے غیر کتابی ہیں ہاں اُن کے پادری وغیرہ جن میں اعتقاداتِ ملل سماویہ اور انبیاء و رسل کی حقانیت کا یقین صفاتِ الٰہی اور معاد و قیامت کا اعتقاد واثق موجود ہے اُن کی نسبت یہ خیال درست ہوسکتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا یہ بھی حیلہ تھا کہ ہم مضطر ہیں اور مضطر کے لئے قرآن مجید

لے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تم کو حلال ہے ۱۲

(مردار) اور خنزیر وغیرہ سب کو حلال بتا رہا ہے مگر یہ بھی اُن کی سخت غلطی تھی اور ایسے ہی خیالات بعض یوروپ کے سفر کرنیوالے پکایا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مضطر اُس شخص کو شرعی زبان اور قرآن کی اصطلاح اور عربی لغت میں کہا جاتا ہے کہ جس کو بھوک کا وہ درجہ پہونچ گیا ہو کہ مرنے کا اندیشہ غالب ہو گیا ہو اور بھوک کی تکلیف دفع کرنے کے لئے کوئی حلال چیز نہ ملتی ہو اُس وقت میں مردار حلال ہے اور وہ بھی اُسی قدر جتنی سے زندگی محفوظ ہو جائے پیٹ بھر کر نہیں، پھر یہاں تو علاوہ گوشت کے سینکڑوں چیزیں حلال ملتی ہیں اور کم از کم روٹی اور نمک تو سب جگہ موجود ہے اس لئے یہ سب تجنیں شیطانی ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں کسی کا اعتبار نہیں۔

چونکہ یہ گوشت حسب قاعدۂ شریعت میتہ (مُردار) تھا اس لئے نہ ہم اس کو کھا سکتے تھے اور نہ کسی مسلمان کو کھلا سکتے تھے۔ اب اس میں فکر کرنا پڑا کہ آیا اُس کی بیع و شرار بھی جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ جو چیز حرام ہے اُس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے وہ بیع باطل ہوگی اُس کی قیمت بھی حرام ہوگی۔ اس لئے مولانا سے جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہاں اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے مگر تم فقہ کی کتابوں کو دیکھو اسیر کیلئے دارالحرب میں بیع باطل اور قمار وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے۔ اسیر کو کافر سے جس طرح ہو سکے مال لینا جائز ہے۔ اور وہ مال حلال ہے۔ چنانچہ اُس وقت شرح کنز موجود تھیں اُن کی طرف رجوع کیا یہ مسئلہ صاف اور واضح طور سے مل گیا۔ اُس وقت سے ہم نے گوشت کو ہمیشہ کافروں کے ہاتھ جس قیمت سے وہ لیتے تھے بیچنا شروع کر دیا اور اخیر تک یہی کرتے رہے اور اُس کے پیسوں میں اپنے پاس سے کچھ نقد ملا کر اور

دوسری چیزیں خریدتے تھے اور پکا کر کھاتے تھے۔

حلال گوشت کے طریقے

تمام اسراء کے قیام گاہ میں جملہ حیوانات کا سوائے چڑیوں کے پالنا ممنوع تھا۔

ہاں کتے تو البتہ (چونکہ یورو پین لوگوں کی جان اُن سے متعلق ہے) ماذون بہ تھے اور علیٰ ہذاالقیاس بڑے جانوروں کا باہر سے لانا اور وہاں ذبح کرنا بھی ممنوع تھا جو لوگ تازہ گوشت حیوان کا چاہتے تھے وہ شہری کا ذبح کیا ہوا آسکتا تھا۔ جو لوگ مُرغی یا کبوتر یا خرگوش منگاتے تھے وہ وہاں سے ذبح شدہ پیٹ کی آلائش صاف کی ہوئی حالت میں آتا تھا۔ اس لئے ہم کو کوئی طریقہ اس کے استعمال کا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم نے آفس سے مراجعت کی اور اپنے مذہبی اعذار کو بیان کیا تو ہم کو بعد دُشواریوں کے اس قدر اجازت ہو گئی کہ ہم زندہ مرغ یا کبوتر یا خرگوش منگائیں اور اُس کو سرکاری سپاہی کے سامنے ہی ذبح کرلیں اور پھر صفائی کے قوانین کا پورا لحاظ رکھیں۔ چنانچہ ہم نے اس کی ذمہ داری لی اور اُس کے بعد سے ان زندہ حیوانات کے آنے کی ابتدا ہوئی۔ کچھ دنوں تو یہ ہمارے ہی ساتھ مخصوص رہا پھر اُس کے بعد اور لوگوں کو بھی اجازت مل گئی۔ مگر یہ چیزیں اس قدر گراں تھیں کہ الامان۔ کبوتر فی عدد ۸ یا ۹ میں پڑتا تھا۔ مُرغی فی عدد ۶ یا ۷ روپے میں پڑتی تھی۔ البتہ خرگوش ۶ یا ۶ روپے میں پڑتا تھا۔ گوشت بھی اُس کا زیادہ ہوتا تھا۔ اسلئے اُسی پر اکتفا کیا گیا۔

ہفتہ میں اوّل اوّل ایک یا دو مرتبہ اس کو کھاتے تھے اور باقی ایام میں دال اور ترکاری وغیرہ سے گذران کرتے تھے۔ ایک خرگوش کو دو وقت کرتے تھے۔ اُس میں آلو یا دوسری ترکاری ڈالتے تھے کبھی کبھی مچھلی منگاتے تھے۔

مگر وہ بھی نہایت گراں آتی تھی۔ تقریباً تین روپیہ یا چار روپیہ سیر معمولی مچھلیاں آتی تھیں۔ اس لئے ہمیشہ اُس کا بھی منگوانا دشوار ہوتا تھا۔

دال کے اقسام دال وہاں پر مسور کی ملتی تھی۔ مگر کچھ دنوں کے بعد وہ بھی ایک عرصہ تک بند ہو گئی۔ گول مٹر سفید دَلی ہوئی اور بے دَلی ہمیشہ ملتی رہی کبھی کبھی بے دَلے مسور مل جاتے تھے۔ مصری فول بھی ملتے تھے۔ دوسری دالیں وہاں نہیں ملتی تھیں۔ البتہ ہندوستان اور مکہ معظمہ سے پارسلوں میں ماش کی دال دُھلی ہوئی اور بے دُھلی اور بڑیاں وغیرہ آجاتی تھیں۔ جن کو ہم سب نہایت عظیم الشان نعمت سمجھ کر بہت چاہ سے استعمال کرتے تھے۔

ترکاریاں ترکاریاں حسب موسم اکثر ملتی تھیں۔ البتہ گوبھی کی تینوں قسمیں اور آلو اکثر اوقات میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ بھنڈیاں جب بہت سستی ہوتی تھیں تو تین آنہ ۳ر درجن بغیر چھانٹے ہوئے ملتی تھیں اسی طرح کدّو دراز اور کدّو سُرخ۔ چقندر، پالک۔ فول کی پھلیاں۔ مٹر کی پھلیاں وغیرہ آتی تھیں۔ مگر نہایت گراں۔ روزانہ ہم کھانوں کے اقسام بدلتے رہتے تھے تاکہ کھانے والوں کو ایک ہی کھانے کی وجہ سے گھبراہٹ اور بدمزگی نہ پیدا ہو جائے سالن عموماً ہم ایک ہی پکاتے تھے۔

کھانے کا طریقہ روزانہ دو وقت کھانا تیار کیا جاتا تھا۔ صبح کو تقریباً نو بجے اور شام کو تقریباً پانچ بجے چونکہ دیگر رفقاء کھانے کے پکانے سے ناواقف تھے۔ علاوہ ازیں ان کو دیگر مشغولتیں فرصت بھی نہ دیتی تھیں۔ پھر وہ مداومت بھی نہ کر سکتے تھے اور میرا ہمراہ ہونا فقط ادائے خدمت کی غرض سے تھا۔ اس لئے تمام ضروری خدمتوں کے انجام دینے کی

کوشش کرنا میرا فرض منصبی تھا جس کے لئے میں نے مالٹا پہنچتے ہی اپنے آپ کو تیار کیا اور ہر کام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ جدہ میں یا مصر میں یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہ تھی۔ البتہ حجاز میں حتی الوسع میں بھی کوشش کرتا تھا اور دوسرے احباب بھی اعانت کرتے تھے۔ مالٹا میں دوسرے رفقاء نے بسا اوقات معاوضہ کیا اور کاروبار کے بعض و یا اکثر حصہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ بعضوں نے نوبت مقرر کرنے کی خواستگاری کی مگر میں نے مخالفت کی اور یہی کہا کہ میرے فرض منصبی میں آپ لوگوں کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ ہاں جب کبھی ضرورت اعانت ہوگی میں آپ لوگوں کو تکلیف دونگا۔ روٹی عموماً دوپہر کے وقت آتی تھی۔ اُس کا آدھا حصہ شام کے وقت صرف ہوتا تھا اور آدھا صبح کے وقت چونکہ بہت بڑی اور موٹی ہوتی تھی۔ اس لئے اُس کو چھری سے کاٹنا پڑتا تھا۔ سالن جو کہ حسب عرض سابق عموماً ایک ہی قسم کا ہوتا تھا۔ ایک بڑے برتن طباق یا لگن میں نکال لیا جاتا تھا اور دسترخوان کے بیچ میں وہ طشت یا طباق رکھدیا جاتا تھا۔ اور اُس کے اِرد گرد روٹیوں کے ٹکڑے کٹے ہوئے رکھے ہوتے تھے۔ اور پھر ہم سب جمع ہو کر کھاتے تھے۔ عموماً دسترخوان پر فقط ہم ہی پانچ آدمی نہیں ہوتے تھے بلکہ دو چار آدمی اور بھی زائد ہوتے تھے۔ کیونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت سخاوت اور مہمانداری پر مجبول اور مفطور ہوئی تھی۔ اُن کو جسقدر مہمانداری اور سخاوت میں لطف آتا تھا کسی حال میں نہ آتا تھا۔ اکیلے کھانا اُن کو سخت ناگوار ہوتا تھا یہی حال ہمیشہ اُن کا ہندوستان میں رہا اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہے اور عموماً جائداد اپنی بیچ بیچکر قرضہ ادا کرتے رہے۔ مدرسہ کی تنخواہ اور بیرونی آمدنی اُن کو کبھی کافی نہ ہوئی۔ مہمانداری کی وسعت دیکھ کر عموماً اہل دُنیا اور

اصحاب ثروت ونگ رہ جاتے تھے۔ مگر ہمیشہ سے یہ خداوندی کارخانہ جاری رہا۔ علی الصباح اندروں خانہ جھاڑو دینا اور اپنے بستروں کا درست کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ کیلپر یا سارجنٹ روزانہ بستروں وغیرہ کو دیکھتا تھا۔ اگر درست نہیں ہوتا تھا تو تاکید کرتا تھا۔ اُس کے بعد ڈاکٹر آتا تھا۔ اور کمروں کے باہر اور اندر مکان کا معائنہ کرتا تھا۔ اسکے بعد چائے نوشی ہوتی تھی مولانا مرحوم کے لئے دو انڈے نیم برشت کرکے پیش کئے جاتے تھے۔ اگرچہ اس میں اُنھوں نے بارہا سختی کی اور ناک بھوں چڑھایا کئے مگر خدام کسی طرح اُس کے ترک کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مولانا کی خوراک بہت کم تھی اور ضعیف العمری کا زمانہ تھا غذا حسب عادت اور طبیعت میسر نہ ہوتی تھی۔ اسلئے تقویت کیلئے اس کا انتظام ضروری خیال کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی اس کا انتظام تھا۔ اُس کے بعد سب ملکر کچھ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ چاء پیتے تھے۔ اس کے بعد کھانا پکایا جاتا تھا جو کہ تقریباً دو گھنٹہ میں تیار ہو جاتا تھا۔ تقریباً نو یا ساڑھے نو بجے صبح کو کھانا کھا لیتے تھے اس کے بعد دوسرا کھانا ظہر کی نماز کے بعد تیار کیا جاتا تھا۔ اور عموماً عصر اور مغرب کے درمیان میں اُس سے بھی فارغ ہو جاتے تھے۔ ہمیشہ دونوں کھانوں کے بعد سادی چاء پی جاتی تھی۔ اس لئے روزانہ تین دفعہ چاء لازمی طور سے پکتی تھی۔ اور اگر کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ دوسری بات تھی۔ شام کا کھانا ایک عرصہ تک اصرار کرکے ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب پکاتے رہے اور پھر میں نے اُس کا بھی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا کبھی کبھی مولوی عزیر گل صاحب یا وحید بھی انتظام کر لیتے تھے۔

روگیٹ کیمپ کا قیام | روگیٹ کیمپ میں قیام تقریباً ایک ماہ

کامل رہا وہاں کے لوگوں سے بخوبی واقفیت اور اُنس بھی ہو گیا۔ مگر تکلیف بہت زیادہ ہوئی وجہ اُس کی یہ تھی کہ اگرچہ وہ مہینہ فروری کے آخر کا تھا۔ مگر مالٹا نہایت سرد جزیرہ واقع ہوا ہے۔ اور شمالی یورپ کے باشندے جو سخت برفستان کے رہنے والے ہیں۔ اُس کو نہایت معتدل خیال کرتے ہیں۔ مگر اہل ہند کے لئے تو وہ نہایت تیز چلتی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ برف باری بھی نہیں ہونے دیتے۔ جن ملکوں میں برف باری ہوتی ہے وہاں کی سردی زیادہ آزار دہ نہیں ہوتی جسقدر کہ اُن ملکوں کی ہوتی ہے جہاں پر سرد ہوائیں چلتی ہوں اور برف باری نہ ہوتی ہو پھر اس پر طرہ یہ کہ ماہِ نومبر سے اور کبھی وسط اکتوبر سے وہاں بارش شروع ہوتی ہے۔ دریا میں بھی طغیانی اور طوفان انہیں دنوں میں ہوتا ہے۔ دسمبر اور جنوری پورے زور و شور سے سردی ہوا طوفان بارش کے مہینے ہیں۔ فروری میں ہوا کی کثرت رہتی ہے مگر بارش اور سردی میں ضرور کمی شروع ہو جاتی ہے۔ اِدھر دھوپ میں ذرا قوت اور تیزی آجاتی ہے۔

روڈ گیٹ کیمپ اگرچہ خندق میں واقع تھا مگر چونکہ اُس میں فقط خیمے تھے، اسلئے وہ سردی سے پوری محافظت نہ کر سکتے تھے اور پھر کھلا ہوا میدان تھا۔ رات کو باوجودیکہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدّوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے۔ مگر تقریباً دو ڈھائی بجے رات سے سردی کی وجہ سے نہ اُٹھنے کی ہمت ہوتی تھی اور نہ نیند آتی تھی۔ صبح کے وقت مجبور ہو کر نماز کے لئے اُٹھنا پڑتا تھا تو خیمے سے سر نکالنا ایک عذاب الیم کا سامنا ہوتا تھا۔ سرد ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ وضو کرنے کی کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پر ہوا اور سردی سے محافظت ہو۔ پانی جو ہم بالٹیوں میں اور برتنوں میں بھر کر رات سے وضو کے لئے

رکھ لیتے تھے وہ برف سے زیادہ سرد ہو جاتا تھا۔ پیشاب اور پاخانہ کی جگہ بھی ایسی نہ تھی۔ جہاں پر ہوا اور سردی سے پوری محافظت ہو جو لوگ نماز کے پابند نہیں تھے وہ آفتاب نکلنے سے پہلے اپنے خیموں سے سر بھی نہ نکالتے تھے مگر جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ ہم سب ایک دوسرے کو اُٹھاتے اور پانچوں آدمی جماعت سے نماز حضرت مولانا کے خیمہ میں پڑھتے تھے۔

مولانا کی جفاکشی

مولانا مرحوم کو ہندوستان کی سردی بھی سخت اذیت دیتی تھی۔ وہ سردی کے ایام میں دن کو ہمیشہ دھوپ میں سوتے تھے بلکہ بسا اوقات گرمیوں کے زمانہ میں بھی۔ سردیوں میں آگ اور کوئلے سے تاپنے کی اکثر عادت تھی۔ روئی کے کپڑے اکثر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کے گھٹنوں میں اکثر درد رہا کرتا تھا۔ سردی کے ایام میں ہاتھوں اور پیروں پر ورم ہو جاتا تھا۔ جو سینکنے سے جاتا تھا۔ مگر مالٹا کی اس سخت سردی میں حسب عادت شب کو ۱½ یا دو بجے کا اُٹھنا کبھی اُنھوں نے نہ چھوڑا اسی وقت پیشاب فرماتے، وضو کرتے تہجد کی نمازیں ادا فرماتے اور اس کے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں وقت گذارتے ہم جوانوں کو تو مُنہ کھولنا بھی مصیبت معلوم ہوتا تھا اُٹھنا یا نماز پڑھنا یا وضو کرنا تو ہزار قیامت سے بھی زیادہ تھا۔ مگر اُن کی استقامت اُن کو اپنے اوقات کی پابندی اور اپنے پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں مولانا کی رہی۔ پھر اس پر طرہ یہ تھا کہ اس طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔ نہ نیند میں اصلاً فرق آتا تھا باوجودیکہ ہم سب قدام ہی تھے اور سفر و حضر میں ہمراہ اور رفیق تھے۔ مگر ہم سبھوں سے بھی چھپانے کی آخر تک برابر کوشش فرماتے رہے چونکہ پیشاب کا عارضہ تھا۔ اسلئے

عموماً شب میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ پانی بھی نہایت سرد ملتا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے باوجود ان سب امور مخالف طبع کے کوئی تکلیف مولانا کو روگیٹ کیمپ کے ایک ماہ قیام میں مرض وغیرہ کی نہیں ہوئی۔

عرب کیمپ کو انتقال

ہم روگیٹ کیمپ سے بہت اچھی طرح مانوس اور وہاں کے لوگوں سے پوری طرح تعارف پیدا کر چکے تھے کہ یکایک کمانڈار کا حکم آیا کہ تم کو عرب کیمپ میں جانا ہوگا۔ ہمکو طبعی طور پر نہایت ناگوار معلوم ہوا ہم نے چارہ جوئی کی فکریں کیں سب بے سود ہوئیں، اس مدت میں چونکہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور مسٹر سیدلر سے تعارف ہوگیا تھا اور ڈاکٹر صاحب وہاں کے احوال سے واقف تھے اسلئے اُن کے اشارہ پر ہم نے درخواست کی کہ اگر ہمکو بغیر ہماری مرضی کے وہاں منتقل کیا جاتا ہے تو کم از کم آشنا تو کیا جائے کہ ہمارے ساتھ یہ دو ہندوستانی کر دئے جائیں تاکہ ہم سب اہل وطن ایک جگہ بسر کریں یہ استدعا منظور کرلی گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم کو وہ راحت جو کہ روگیٹ کیمپ میں ہے۔ عرب کیمپ میں نہ ملے گی اسی وجہ سے ہمکو پس وپیش تھی۔ مگر حقیقت میں ہم کو وہاں پہنچکر بہت ہی زیادہ راحتیں ملیں۔ وہاں پر ہمکو ایک بہت بڑا کمرہ صاف کر کے دیدیا گیا اور کہا گیا کہ اس میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں رہے گا یہ کمرہ نہایت وسیع تھا اسکے دو ٹکڑے تھے درمیان میں ایک دیوار حائل تھی جس میں دروازہ لگا ہوا تھا۔

قطعہ نمبر ا کے بھی دو حصے ہم نے کر دیئے تھے یعنی ایک پردہ ڈال کر جس کی صورت یہ دکھلائی گئی ہے۔

(نقشہ قطعہ نمبر ا کی شکل صفحہ ۱۴۳ پر دیکھو)

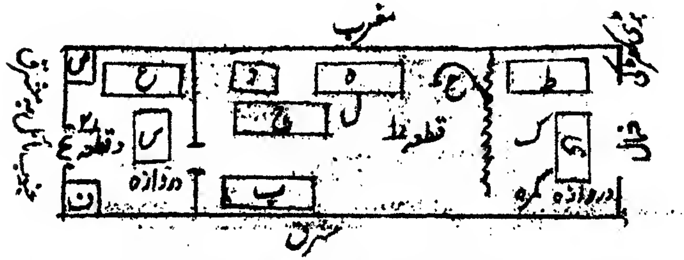

اندرونی اور بیرونی حصّہ کو جدا کر دیا تھا۔ بیرونی حصّہ (ک) کی جگہ میں ایک مستطیل ٹائبل (میز) رکھی رہتی تھی۔ جس پر چادر بھی رہتی تھی۔ اور چند کتابیں بھی رہتی تھیں اُس پہ دیاسلائی اور سگرٹ بھی اکثر رکھے رہتے تھے۔ اُس کے طول میں دونوں جانب اور دروازہ کی طرف عرض میں کرسیاں بچھی رہتی تھیں۔ جن میں سے اکثر آفس سے ملی تھیں اور بعض خود ہم نے بنوائی تھیں۔ دوسری طرف عرض کی جانب (ط) ایک چارپائی لکڑی کی جس پہ گدے اور کمبل اور سفید چادر پڑی رہتی تھی۔ یہ سب باہر سے جو مہمان ملنے کے لئے آتے تھے۔ اُن کے لئے انتظام تھا۔ جب مہمان نہیں ہوتے تھے ہم سب کتابوں کے دیکھنے یا خطوط وغیرہ لکھنے کے لئے یہاں بیٹھتے تھے (ی) یہ ایک بڑی کھڑکی لگی ہوئی تھی جس میں لوہے کی سلاخیں تھیں۔ اور شیشہ کا دروازہ سردی کے روکنے کے لئے لگا ہوا تھا۔ دیوار کا وہ حجم جو کہ کھڑکی میں سطح زمین سے بقدر ایک کرسی کے اونچا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک تختہ لگا کر اُس پر گدا ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں پر مولانا اکثر اوقات میں بیٹھتے اور تحریر وغیرہ کرتے تھے اپنے درود وظائف بھی سردی کے ایام اور اوقات میں یہاں ہی پڑھتے تھے۔ اس کا شیشہ کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا اور خوب ہوا دیتا تھا۔ مولانا کو روشنی اور ہوا کی وجہ سے یہ جگہ زیادہ مرغوب تھی۔ یہاں ہی بیٹھ کر ترجمہ قرآن شریف لکھتے اور تصحیح فرمایا کرتے تھے۔

اس کوٹھڑی کے باہر صحن میں گرمیوں کے ایام میں ایک چارپائی دیوار سے متصل بچھادی جاتی تھی۔ عصر کے بعد سے مولانا وہاں بیٹھتے تھے اور شب کو بھی اس پر ہی آرام فرماتے تھے۔

قطعہ ۱ کا اندرونی حصّہ (ب) مولانا کی لکڑی کی چارپائی ہے۔ اسی پر ہمیشہ آرام فرماتے تھے اور (ج) مولوی عزیز گل صاحب کی چارپائی ہے، یہاں ہی اخیر تک آرام کرتے رہے اور (د) حضرت مولانا کی لوہے کی چارپائی ہے یہ چارپائی بتکلف تھی مگر اس پر مولانا فقط ایک دو شب ہی سوئے حالانکہ اس میں راحت زیادہ تھی ہم سبھوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو حضرت سرور کائنات علیہ السّلام کا وہ قصہ یاد دلایا جبکہ آپ کے لئے بستر کی کئی تہ بنادی گئی تھی اور اسی وجہ سے آپ کے شب میں اٹھنے کی ذراسی دیر ہوگئی تھی۔ یہ چارپائی اخیر وقت تک بچھی رہی کسی نے اس کو استعمال نہیں کیا (ہ) حسین احمد (کاتب الحروف) کی چارپائی ہے (ل) درمیان میں ایک جگہ بچھی رہتی تھی اطراف میں گدے پڑے رہتے تھے۔ یہاں ہی بیٹھ کر کھانا دونوں وقت کھایا جاتا تھا۔ یہ تمام میدان پردہ تک بچھا رہتا تھا۔ اور اگر کبھی مجمع زیادہ ہوتا تھا تو سب لوگ اسی پر بیٹھتے تھے (ح) یہ جگہ لوہے کے بڑے چولھے کی ہے جس میں سردی کے زمانہ میں کوئلہ جلایا جاتا تھا اور دیوار میں اوپر تک دھواں نکلنے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ اس میں کھانا پکانے اور گرم کرنے کا بھی موقع بنا ہوا تھا یورپ میں سردی کی وجہ سے مکانوں میں یہ ضرور لگایا جاتا ہے۔

قطعہ نمبر ۲ میں (ع) حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کی چارپائی کی جگہ ہے اور (س) وحید کی چارپائی ہے اور (ف اور ص) دو بہت چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہیں جن میں مختلف سامان صندوق وغیرہ رکھا

کرتے تھے۔ قطعہ نمبر ۲ میں سب اسباب صندوق وغیرہ بھی رہتا تھا۔ اور اس میں کھانے اور پکانے کا سامان الماریوں وغیرہ میں رہتا تھا۔ اس میں دو کھڑکیاں بھی جنوب جانب کو تھیں جن سے ہوا خوب آتی تھی اور اس میں چونکہ شیشے کا مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا۔ اس لئے وہ سردی سے پوری حفاظت بھی کرتا تھا اس بڑے کمرہ کے مشرقی جانب اسی طول اور عرض کے دو اور بڑے بڑے کمرے تھے جو آپس میں ملے ہوئے تھے۔ اس میں قصبہ سیدا ملک شام (صوریہ) کے مسلمان بحری سوداگر اور ملاح تھے اور مغربی جانب میں اس سے ملا ہوا ایک اسی طول کا کمرہ تھا جس میں دو حصے تھے جو حصہ نمبر ۲ کے برابر تھا اس کو ہم نے کمبلوں کو بچھا کر مسجد بنا لیا تھا۔ گورنمنٹ نے کچھ کمبل دیدیے تھے۔ باقی ان صیدا والے عربوں نے اپنے پاس سے ڈال کر بچھائے تھے۔ سب ملکر یہاں نماز پڑھتے تھے۔ یہ عرب تقریباً بیس یا پچیس آدمی تھے۔ اس بڑے کمرہ کے بیرونی حصے میں جو کہ ہمارے ۱ کے مقابل تھا پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ اسی کے پاس ایک بڑا تختہ لانبا بنا ہوا تھا تاکہ اس پر کیچڑ سے زمین پر کھڑے ہو کر دھو سکے۔ اسی نل سے سب وضو کرتے تھے۔ ان کمروں کے سامنے ایک مختصر سا صحن تھا۔ جس کا احاطہ کانٹے دار تاروں سے کیا گیا تھا جس کی صورت نقشہ میں یہ (××××××××) دی گئی ہے۔ تین قطار ایسے تاروں کی تھیں تار کے باہر مختصر راستہ فوجیوں کے باہر سے آنے کا تھا۔ تار کے پاس ان شامی صیدا دی عربوں نے مٹی صاف اور جمع کرکے چھوٹے چھوٹے

نقشہ ۱۴۶ پر دیکھو

(نقشہ صفحہ ۱۴۵ کا)

باغیچے لگائے تھے اُن میں سے ایک یا دو باغیچہ مولوی عزیر گل صاحب کا بھی تھا اس میں مرچ۔ پودینہ۔ دھنیا۔ مولی۔ وغیرہ ہوتے رہتے تھے۔ بعضے بعضے درخت پھول یا انڈے کے بھی تھے۔ اس صحن کے وسط میں ایک بڑا عمود ان لوگوں نے گاڑ رکھا تھا جس پر ہر جمعہ اور عید کو یا جب کبھی کوئی خوشخبری ترکوں اور اُن کے خلفاء کی آتی تھی تو ترکی پھریرا در ہلال اُڑایا جاتا تھا۔ گرمیوں میں اس صحن میں سب سوتے تھے۔ نمبر ۱ و نمبر ۲ و نمبر ۳ چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تھیں۔ جن میں مختلف سامان کیمپ کا رہتا تھا۔ یہ کوٹھریاں صحن کے کنارے پر واقع تھیں جن کی چھت پر بالائی سیڑھیاں تھیں۔ انہیں میں سے بیچ کی کوٹھری کو مولانا مرحوم کے لئے گورنمنٹ نے خالی کرا کر ایک بالٹی اور چوکی رکھوا دی تھی۔ کیونکہ جب حکام نے مولانا سے دریافت کیا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں جس کا مفصل تذکرہ ہم آگے کریں گے تو اُن سے پاخانہ کی دُوری کی شکایت کی گئی اور یہ کہ سردی اور بارش کے ایام میں رات کو اندھیرے میں وہاں جانا بہت اذیت دیتا ہے . . . .

.... اور مولانا کو پیشاب کی ضرورت ہمیشہ رات کو کئی دفعہ ہوتی تھی تو انہوں نے چینی کا برتن دیا کہ رات کو اس میں پیشاب کر کے صبح کو پھینکدیا کرو۔ مولانا اس پر راضی نہ ہوئے۔ .... انہوں نے اس کوٹھری میں بالٹی اور چہ کی رکھوادی جسکی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی بہت آرام ہو گیا۔

انتظام پارچہ وغیرہ چونکہ ہر اسیر پہ اپنے کیمپ کا صاف کرنا پاخانہ کا دھلوانا اور باہر سے رسدِ غیرہ کا لانا ضروری تھا اسلئے ہمنے اس کام کیلئے نیز کپڑوں کے دھونے اور کمرے جھاڑو دینے کے لئے ہم پانچوں اشخاص بلکہ ابتداء میں تو ساتوں ہندوستانیوں کی طرف سے ایک شخص کو اُنھیں صیداوی عربوں میں سے نوکر رکھ لیا تھا۔ اُس کو نصف پونڈ ماہوار دیا کرتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ یہ سبھوں کے کپڑے دھوتا تھا۔ صابون وغیرہ ہم دیتے تھے اور جب ہماری باری دوسری بیرونی خدمات کی آتی تو اُن کو بھی انجام دیتا تھا اگرچہ اس میں کھانا کھلانا شرط نہ تھا۔ مگر چونکہ یہ شخص نہایت امانتدار شخص تھا اس لئے ہم نے اس کو کھانے میں بھی شریک کر لیا تھا۔ اُس نے بھی غیر مشروط امور میں ہماری بہت زیادہ مدد کرنی شروع کر دی تھی۔ اور اخیر تک اُس نے بہت سے کاروبار میں نہایت ہمدردی سے حصہ لیا۔ جس کے صلہ میں ہم نے بھی علاوہ مقررہ تنخواہ کے اپنی طاقت کے موافق خبرگیری میں کمی نہیں کی۔

اِن صیداوی عربوں کے حالات شہر صیدا سوریہ (ملک شام) میں ایک پُرانا شہر ہے جو کہ برلبِ سمندر بیروت اور حیفا کے درمیان واقع ہے۔ بیروت سے

خشکی میں بھی سڑک جاتی ہے اور گھوڑے گاڑیاں وغیرہ آتی جاتی ہیں۔ عکہ اور حیفا کو بھی یہاں سے راستہ جاتا ہے۔ یہ شہر قدیمی تاریخ میں بہت بڑا اور پرانا دکھایا جاتا ہے۔ مگر زمانہ کے تقلبات نے اُس کو اس قدر پیمانہ پر باقی نہیں رکھا بلکہ بیروت جو قدیم زمانہ میں اس قدر بڑا شہر نہ تھا۔ اب بڑا مرکز اور تمام سوریہ کا بندر ہو گیا ہے۔ صیدا میں مسلمانوں کی آبادی بہ نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے زیادہ ہے۔ اس میں باغات نہایت کثرت سے ہیں۔ لوکاٹ۔ سیب، انگور، سنگترے وغیرہ میوہ جات عمدہ اور بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بعضے تو زراعت اور باغبانی کرتے ہیں اور اور بعضے تجارت پیشہ ہیں جو کہ میوہ جات یہاں سے خرید کر کے مصر لے جاتے ہیں اور وہاں سے غلہ وغیرہ لاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے کشتی بانی اپنا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ بادبانی بڑی بڑی کشتیاں چند شخصوں کی کمپنی بنا کر حصوں میں تیار کرتے ہیں اور اُن پہ تجارتی مال لادتے ہیں۔ سوریہ اور افریقہ اور یوروپ کے قریب کے بندروں سے اپنے تعلقات قائم رکھتے ہیں اور سردی کے وہ زمانے جن میں دریا میں طوفان ہوتا ہے اپنے گھروں میں بسر کرتے ہیں کیونکہ ان ایام میں بادبانی جہاز کام نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو دریائی سفر اور اس کے احوال کی واقفیت موسموں اور پانی کے احوال کی اطلاع میں بہت زیادہ کمال ہے۔ ان میں اکثر لوگ پانی میں اُسی طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے کہ باہر غوطہ لگانا تیرنا کمال درجہ کا جانتے ہیں پھر صحت بھی ان کی اچھی ہے۔ جفاکش دیندار لوگ ہیں۔ جن ایام میں دریا قابل سفر نہیں رہتا مچھلی کا شکار کھیلتے ہیں اور بعضے لوگ ہمیشہ مچھلی ہی کے شکار پہ بسر کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے بڑی بڑی مقدار شکار کر کے اپنے

مصارف نہایت وسعت سے چلاتے ہیں۔ جو لوگ مالٹا میں ہمارے ساتھ اسیر تھے یہ سب وہی تجارت پیشہ اور جہازراں لوگ تھے جو کہ قبل از اعلان جنگ اپنے مال اور جہازوں کو مصر میں لائے ہوئے تھے اور قصد تھا کہ مال خرید کر واپس ہونگے کہ یکایک ٹرکی اور اتحادیوں کے درمیان اعلان جنگ ہو گیا۔ انگریزی حکومت نے ان لوگوں کو اطلاع کئے بغیر سب کو گرفتار کر لیا۔ جہازوں اور جملہ مال اور نقد کا مصادرہ کر لیا۔ ان کو قید کر کے مالٹا روانہ کر دیا۔ بیچارے ابتدائے جنگ سے اخیر تک تقریباً چھ برس تک اسیر رہے۔ ان کے اہل و عیال اکثر ہلاک ہو گئے طرح طرح کی مصیبتوں کے شکار ہوئے۔ التوائے جنگ کے بھی تقریباً ایک برس یا اس سے زیادہ کے بعد یہ لوگ چھوٹے۔ ان لوگوں کی جملہ مقدار تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ آدمیوں کی تھی۔ جن میں سے بعض بلغار کیمپ میں بھی رہتے تھے ہمارے کیمپ میں تقریباً پچیس ۲۵ آدمی تھے۔ بیچارے عموماً نہایت نرم اخلاق والے اور دیانتدار تھے۔ ہم لوگوں سے عموماً اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصاً انکے معاملات نہایت شریفانہ رہے۔ ہر ایک ہماری ہمدردی اور غمگساری کے لئے تیار رہتا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہمکو اور ہمارے ساتھ ان کو نہایت زیادہ تعلق ہو گیا تھا۔ ان کو دینی باتیں جو کچھ بتائی جاتی تھیں نہایت بشاشت سے قبول کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ گوشت جائز نہیں بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت تھی حکم شرعی جان کر ڈاڑھیاں چھوڑ دی تھیں۔ جماعت سے ہمیشہ نمازوں کی پابندی کرتے رہتے تھے۔ اذان تکبیر وغیرہ سب کے یہی لوگ متکفل تھے۔ ان میں سے چند آدمی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی ہو گئے

تھے اور خط و کتابت وغیرہ بھی ہم لوگوں سے سیکھا علمی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات

مولانا عشار کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے کچھ اپنے اوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر اکثر وضو فرماتے کبھی کبھی کچھ باتیں بھی کہتے اور پھر سو جاتے تھے۔ کیونکہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجے اسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں پر خود ہی بجھ جاتی تھیں۔ البتہ پھر وہ برقی روشنیاں جو کیمپ اور راستوں کی روشنی کیلئے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں۔ اُن کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علیحدہ تھا الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اُٹھتے اور نہایت دبے دبے پیروں نکلتے دروازہ سے باہر تشریف لیجاتے پیشاب سے فارغ ہو کر وضو فرماتے تھے گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانہ میں ہم نے یہ خاص انتظام کیا تھا کہ چولہے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوٹے میں جو کہ چاء کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا تھا اور اُس میں نیچے ٹونٹیاں بیجدار لگی ہوتی تھیں۔ اور اُس میں ہمارے دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا۔ پانی خوب گرم کیا جاتا تھا اور پھر اُسی پاس والے کمرہ میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا۔ اس لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشار کے بعد رکھدیتے تھے یہ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا

حالانکہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی۔ الغرض مولانا کو شب میں جتنی دفعہ وضو کی ضرورت ہوتی تھی۔ اُسی سے پانی گرم لیتے تھے اور وضو فرماتے تھے اور مسجد کے کمرہ میں محراب کے دائیں جانب مولانا کی سفید اونی جانماز کمبلوں پر ہمیشہ بچھی رہتی تھی اندھیرے ہی میں جاکر اُس پر تہجد ادا فرماتے تھے۔ جب اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر آکر اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول رہتے تھے۔ ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی۔ اسم ذات کی کوئی مقدار معین فرما رکھی تھی۔ اُس کو ہمیشہ بالالتزام پورا فرماتے تھے۔ مراقبہ کا اس قدر انہماک ہو گیا تھا کہ اکثر حصہ دن رات کا اس میں گذرتا تھا۔ استغراق بعض اوقات میں غالب ہو جاتا تھا۔ ہم بعض اوقات میں دو دو تین تین دفعہ باتیں دُہراتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے۔ صبح کی نماز سے پہلے اکثر پیشاب کرتے اور وضو فرما کر نماز باجماعت ادا فرما کر وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے۔ اُس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لاتے۔ اُسوقت مولانا کے لئے اُبلے ہوئے انڈے اور چائے تیار ہوتی تھی وہ پیش کر دی جاتی تھی۔ اُس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے اُس سے فارغ ہو کر کچھ ترجمہ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اُس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے اتنے میں کھانے کا وقت آجاتا کھانا تناول فرما کر چائے نوش فرماتے تھے۔ اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لئے ورالہ یا سینٹ کلیمنٹ کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہنکر تیار ہو جاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لئے دوسرے کیمپ میں سے آجاتا تو اُس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی

کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں اپنی چارپائی پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تھی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گدّے ڈال دیتے تھے اور اس پر کمبل بچھاکر اور تکیہ رکھ دیا جاتا تھا۔ اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور ان گدّوں اور کمبل کو بچھاکر آرام فرماتے تھے۔ دو تین گدّے ہم نے زائد اسی واسطے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علیحدہ رکھے رہتے تھے۔ اور جب تک وہ حاصل نہ ہوتے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدّے اٹھائے جاتے تھے گاڑھے کی ببول سے رنگی ہوئی چادر اوڑھ کر دھوپ میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ یہی عادت مولانا کی وطن میں بھی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ اس طرح آرام فرمانے کے بعد قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوت قرآن شریف اور دلائل الخیرات حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے۔ مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے۔ غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھا کرتے تھے۔ ظہر کی اذان تک اسی حالت میں مشغول رہتے تھے۔ پھر مسجد میں تشریف لانے اور نماز سے فارغ ہوکر اگر وحید کا سبق ہوتا تھا تو کبھی اسوقت اور کبھی صبح کو اپنے اوراد سے فارغ ہوکر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے۔ چونکہ عربی کتابوں میں فقط مشکوٰۃ اور ترمذی پاس تھیں اس لئے انہیں دونوں کو پڑھاتے رہے یہاں تک کہ دونوں ختم ہوگئیں۔ جلالین شریف بھی ساتھ تھی وہ بھی غالباً ختم ہوگئی تھی۔ اس کے بعد کتابوں کے نہ ہونے وحید کی بے شوقی، مدت اقامت کی لاعلمی، کی وجہ سے اور کتابیں شروع نہ ہوئیں۔ اس کے بعد اکثر ترجمہ قرآن پر نظر ثانی کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی نصرت حسین صاحب مرحوم اور مولوی عزیر گل صاحب کو ترجمہ سناتے تھے۔ کچھ دنوں تک ہم بھی اس

میں شریک ہوتا رہا مگر چونکہ مجھکو تمام دن میں قرآن کے دور کرنے کے لئے بھی وقت فارغ ملتا تھا۔ اس لئے میں نے شرکت اس میں چھوڑ دی تھی۔
دونوں حضرات کی بحثیں بھی ترجمہ کے متعلق مولانا مرحوم سے ہوتی رہتی تھیں اگر کوئی تاریخ ایسی ہوئی جس میں ظہر کے بعد دوسرے کیمپ میں جانا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کرچکا ہوں کہ ہم کو بھی ہفتہ میں تین دن دوسرے کیمپوں میں جانے کی اجازت تھی تو وہاں تشریف لیجاتے تھے اور ہم سب یا بعض ضرور ساتھ ہوتے تھے اس لئے یہ انتظام تھا کہ ہفتہ میں ظہر کے بعد ایک دن روگیٹ کیمپ میں جائے اور ایک دن سینٹ کلیمنٹ کیمپ میں اور ایک دن بلغار کیمپ میں عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذکر خفی ساقی میں مشغول ہوتے وہ ایک ہزار دانہ والی تسبیح کو چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے تھے اور ذکر کرتے رہتے ہاں اگر ورد کسی وجہ سے رہ گیا ہوتا تھا تو اُس کو اُس وقت میں پورا فرما لیتے۔
اکثر جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اُس وقت کھانا تیار ہوجاتا تھا تو جب دسترخوان چن لیا جاتا تھا اُسوقت مولانا سے عرض کی جاتی تھی کہ تشریف لائیے کھانا نوش فرما کر پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھتے اور اپنے کام میں مشغول ہوجاتے چائے وہیں پیش کردی جایا کرتی تھی۔ مغرب کے بعد بھی نوافل وغیرہ سے فارغ ہوکر اسم ذات میں خفیہ طور پر اسی بڑی تسبیح کو لیکر عشاء تک مشغول رہتے اس درمیان میں اگر ہم میں سے کوئی کسی بات کے لئے پاس جا بیٹھتا تو کچھ بات چیت بھی کرلیتے ورنہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ کبھی کبھی صبح کو دس بجے سے ۱۲ بجے تک بعض ترکی احباب وغیرہ تشریف لاتے تھے۔ اُسوقت مولانا اپنے کام کو چھوڑ کر اُن کے پاس آبیٹھتے تھے ____ خلاصہ یہ کہ حقیقت میں مولانا اپنے رُوحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز کرنے کا فارغ وقت تمام عمر میں کبھی ایسا

نصیب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالٹا کی اقامت کے ایام میں ہوا دن و رات اُن کو یہی دُھن تھی اور یہی مشغلہ تھا نہ کبھی اُن کی طبیعت گھبراتی تھی اور نہ کسی دوسری طرف کو رغبت ہوتی تھی بسا اوقات تو اُن کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتی تھی یہ ایک واقعی اور حقیقی انعام خداوندی تھا جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ترقی معنوی کے مدارج طے کرانے تھے۔ کاتب ازلی نے جو مقامات ازل سے مقرر فرما دیئے تھے۔ اُن کے طے کرنے کا ذریعہ یہ سفر اور یہ اسارت قرار دیگئی طے ہو جانے کے بعد اُن کو وطن بھجوا کر بہت جلد بُلا لیا گیا ؎

این سعادت بزور بازو نیست　　　گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ دُنیا اور آخرت کی سُرخروئی۔ اہل زمین اور آسمان میں نیکنامی اور رفعت ذکر، معنوی اور مادی ترقی قبولیت حقیقی، اور بے نہایت اجر و ثواب، قیامت تک کے لئے صدقۂ جاریہ اور ذکر محمود، نشر علم حدیث اور تفقہ فی الدین، جہاد فی سبیل اللہ اور خدمت دین۔ اخلاص و للہیت اور زہد فی الدنیا، خدمت قرآن اور ریاضت باطنیہ، استقلال و ثبات اور تحمل و تواضع خالص۔ عشق حقیقی اور معرفت کاملہ وغیرہ وغیرہ کمالات قسام ازل نے اس پردہ میں مولانا کے پیشتر سے دوبالا بلکہ اضعافاً مضاعفۃً کر کے اپنا خاص مقرب بندہ بنالیا اور آنے والوں کے لئے مثال اور نمونہ چھوڑ دیا۔ یہ وہ فضائل ہیں کہ جن کا مجموعہ قرنوں میں بھی کسی نہ کسی فرد میں پایا جاتا ہے۔ ازمنہ حاضرہ میں چراغ لیکر ڈھونڈھئے اور مشرق سے مغرب تک کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کو چھانئے تو ایسے مجموعہ کا وجود ہاتھ نہ آئیگا بلکہ غالباً انفرادی حیثیت بھی کبریت احمر کا سماں دکھلائے گی ؎

فضائل ہائے شتّی میں سے کوئی ایک دکھلائے　　　کئے تھے حق تعالیٰ نے جو مولانا کو ارزانی

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا اُن کے لقب ہے یوسف ثانی

مالٹا میں پہنچنے پر خرچ میں تنگی

ہمارے پاس جو کچھ نقد تھا یعنی اکیاسی (۸۱) پونڈ انگریزی اور وہ جیزہ میں ہم سے لے لیا گیا تھا اور اس میں سے چار پونڈ ہمکو مصارف کیلئے وہاں دیا گیا تھا جس میں سے تقریباً ڈیڑھ پونڈ ہم نے راستہ کے خرچ کے لئے اپنے پاس رکھ لیا تھا باقی (۷۷) ستتر پونڈ کیلئے جیزہ کے انگریزی افسر نے بوقت روانگی یہ کہا کہ یہ نقد روپیہ وہیں مالٹا میں مل جائیگا۔ ہم نے اُس سے کوئی رسید وغیرہ نہ مانگی اور اُس کے قول پر اطمینان کر کے یقین کر لیا کہ ابھی ہمارے ساتھ بذریعہ ڈاک وہاں یہ خبر بھیجدی جائے گی۔ مگر مالٹا پہنچنے پر جب ہم کو خرچ کی ضرورت ہوئی تو ہم نے کمانڈر سے طلب کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس کی وجہ سے ہم کو سخت کلفت کا سامنا ہوا اُس نے ایک مرتبہ جبکہ ہماری خاطرداری کو کہا کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو ہمکو اطلاع دیدو تو ہم نے ان نقود کی نسبت پھر تذکرہ کیا اُس نے کہا کہ مجھکو کوئی اطلاع نہیں ملی اور میں نہایت افسوس کرتا ہوں کہ میں اس کے متعلق کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ تب ہم نے درخواست کی کہ آپ مصر میں تحریر کریں اُس نے اس کو قبول کیا۔ ہمارے آنے کے دوسرے دن میجر حسن عزت بیگ کا دردالہ سے پیام پہنچا کہ میں مولانا سے ملنے کا مشتاق ہوں۔

میجر حسن عزت بیگ

میجر حسن عزت بیگ ایک نہایت خلیق شریف وضع علمی خاندان کا دیانتدار شخص تھا جس کے ہر ہر عمل اور حرکت سے مروت اور انسانیت ٹپکتی تھی۔ اصل میں اُس کا وطن دمشق شام تھا اُس کا رتبہ فوجی بیکباشی یعنی میجر

تھا۔ وہ عرصہ دراز سے مختلف مرتبوں پر مؤظف ہوکر حکومتِ عثمانیہ کے مختلف ممالک میں نہایت ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ خدمت کر رہا تھا۔ اور اسی وجہ سے اپنے افسروں اور حکومت کے ذمہ داروں میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جنگ کے زمانہ میں وہ یمن میں عہدہ دار تھا اُسکو گورنر یمن کا حکم ملا کہ وہ حجاز میں بحری راستہ سے جائے اور احکام فوجی کے پورے کرنیکی کوشش کرے۔ چنانچہ وہ حسب ہدایت یمن کے بعض بندروں سے مع اپنے سامان وغیرہ کے بادبانی کشتی پر سوار ہوکر جدّہ کو روانہ ہوا کیونکہ بحر احمر (قلزم) میں اُن دنوں میں دخانی آگبوٹ کا ملنا ممکن نہ تھا بادبانی کشتی سمندر میں سفر کر رہی تھی کہ انگریزی جنگی جہاز نے اُسکو دُور سے دیکھ لیا کشتی کو پکڑا۔ اگرچہ میجر موصوف اپنے رسمی اور ترکی لباس میں اُسوقت نہ تھا مگر جہاں تک معلوم ہوا کہ جس بندر سے وہ سوار ہوا تھا۔ وہاں پر انگریزی سی۔ آئی۔ ڈی کے لوگ موجود تھے۔ انھوں نے خبر پہنچادی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امور شریف حسین کے ذریعہ سے یمن کے قریب کے بندروں پر تکمیل دیئے گئے تھے۔ غرضیکہ انگریزی آگبوٹ نے جبراً موصوف کو گرفتار کر لیا تمام اسباب لے لیا اور جاکر عدن کے قید خانہ میں ڈالدیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مصر کو منتقل کر دیا گیا۔ وہاں بھی ایک عرصہ تک قید میں رہنا پڑا، پھر مالٹا بھیجدیا گیا۔ اور اخیر وقت تک ممدوح کو وہاں پر اسیری کے ایام کاٹنے پڑے۔

مولانا مرحوم اگلے روز وہاں گئے اور ملاقات کی نہایت اخلاق سے پیش آیا اور درخواست کی کہ آپ ابھی آئے ہیں۔ اس لئے غالباً مصارف کی ضرورت ہوگی ہم سب آپ کے ہمدرد اور خادم ہیں جسقدر کی ضرورت ہو بلا تردد آپ ہم سب سے ظاہر فرمائیں۔ ہم نے کہا کہ ہم سب آپ کا شکریہ ادا

کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک مقدار متعدد بہ موجود ہے جس کو حکومت نے ہم سے لے لیا تھا اور یہاں بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ غالباً دو چار دن میں یہاں آجائے گی۔ اُس نے ہمارے احوال وغیرہ پر نہایت ہمدردی کا اظہار کیا اور کمال توجہ سے ہمیشہ پیش آتا رہا۔ چلتے وقت ڈاکٹر غلام محمد سے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنی حاجت ظاہر کرتے ہوئے شرمائیں۔ اس لئے تم جو اُن کی ضرورت ہو مجھ سے بیان کر دینا جب ہمکو کچھ عرصہ گذر گیا اور نقد کی کوئی خبر نہ ملی کمانڈر اسرار نے بھی باوجود تقاضوں کے صاف جواب دیدیا تو بہت دِقت کا سامنا پیش آیا۔ اسلئے رائے یہی ہوئی کہ میجر موصوف سے قرض لے لیا جائے۔ چنانچہ موصوف سے مختلف اوقات میں تقریباً پانچ پونڈ لینا پڑا۔ علاوہ ازیں اور بھی بعض آدمیوں سے قرض لینا پڑا کیونکہ ہمارے جانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یعنی تقریباً بیس یا پچیس دن کے بعد میجر موصوف کے افسر کرنل علی نطری بیگ نے اُن کو اپنے پاس وال فرسٹہ میں منتقل ہونے کو فرمایا۔ اسلئے وہ وہاں چلے گئے۔

افسروں کی تنخواہ

حسب قواعد مقررہ دول متمدنہ فوجی افسروں کو ایام اسارت جنگ میں بہت زیادہ حقوق دیئے جاتے ہیں اُن کے لئے تنخواہیں بمقدار کفایت دی جاتی ہیں جن کا بوقت صلح حساب کیا جاتا ہے۔ ہر بادشاہت نے جس قدر خرچ کیا ہے اپنی مقابل بادشاہت سے وصول کرتی ہے۔ اگر دونوں برابر سرابر ہو جاتی ہیں جب تو خیر ورنہ زائد مصارف والی حکومت مقدار زائد کو وصول کرتی ہے۔ چھوٹے افسروں کو چھ پونڈ اور بڑے افسروں کو یعنی کرنیل جرنیل وغیرہ کو سات پونڈ ماہوار دیا جاتا تھا۔ جس میں سے خوراک کی رسد ہیں

تقریباً ڈیڑھ پونڈ ماہوار محسوب ہو کر باقی ماندہ دو تین ہفتوں میں پورا کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ مقرر تھا کہ کسی اسیر کو خواہ اُس کی تنخواہ ہو یا اُس کی مقدار جمع ہو دو پونڈ فی ہفتہ سے زائد نہیں دی جا سکتی۔ افسروں کے لئے علاوہ اس کے پلنگ لوہے کے گدّے، عمدہ اور صاف چادریں اور کمبل بھی اچھے قسم کے۔ الماریاں، آئینے، چینی کے استعمالی برتن، عمدہ کمرے۔ کرسی، میز وغیرہ دیئے جاتے تھے جو کہ سول بڑے بڑے عہدہ داروں کو نہیں ملتے تھے۔ ہاں اگر بڑی کمیٹی سے جو کہ اسراء کے انتظام کی ذمہ دار تھی کسی سویلین افسر کے لئے حکم ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ ملٹری آفس کا معاملہ کیا جائے تو اُس کے حقوق ویسے ہی ہوتے تھے۔ مذہبی لوگوں کے بھی حقوق زائد شمار ہوتے تھے۔

تقریباً دو مہینہ تک ہمکو یہ انتظار اور تکلیف اُٹھانی پڑی۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ روپے ہم سے لیکر فوراً برٹش بنک میں جمع کر دیئے گئے تھے اور پھر چونکہ بنکوں کو اپنا نفع ضرور حاصل کرنا چاہیئے خصوصاً انگریزی بنکوں کو اسلئے اسکے حوالہ کرنے اور پہنچنے میں تاخیر کی گئی۔ اس مدت میں جب ہم نے تقاضا زیادہ کیا تو آفس کی طرف سے قنطین (دوکان) والے کو کہدیا گیا کہ تم ان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو دیدیا کرو اُن کے روپے مل جائینگے چنانچہ وہاں سے بھی ہمنے تقریباً ساڑھے چھ پونڈ کا سودا خریدا تھا اور بعض اور دوسرے لوگوں سے بھی قرض لینے کی نوبت آئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۷ء مطابق ۴ رجب ۱۳۳۵ھ کو ہم کو فی کس دو پونڈ کے حساب سے دس پونڈ وصول ہوئے جس میں سے اکثر قرضہ ادا کر دیا گیا فقط میمر حسن بیگ کا قرضہ اس ہفتہ میں نہیں ادا کیا گیا چونکہ مالٹا میں قیمتیں چیزوں کی اسقدر گراں تھیں کہ ذرا ذرا سی چیزوں میں دس بارہ شلنگ خرچ ہو جانا معمولی بات ہوتی

تھی (ایک پونڈ ۲۰ شلنگ کا ہوتا ہے) اسلئے بہت زیادہ مصارف واقع ہوئے خصوصاً ابتداء میں اسلئے کہ آئندہ کے انتظامات کیلئے بہت ضروریات کا انتظام کرنا پڑا جیسے کہ کسی کو نیا گھر بنانا پڑتا ہے اور کچھ بدانتظامیاں بھی ناواقفیت اور نالائق واسطوں کی وجہ سے پیش آئیں ۱۴ر شعبان تک یہ تمام مقدار (۷۷) پونڈ کی آفس سے وصول ہو گئی جو کہ مولوی عزیز گل صاحب کی تحویل میں رہتی تھی۔ ہفتہ وار خرچ کے لئے اُن سے حسب حساب لے لیا جاتا تھا تو یہ مقدار نقود کی برابر خرچ میں آتی رہی۔ اگرچہ ہم نے بہت زیادہ کفایت شعاری سے خرچ کیا پھر بھی ہر مہینہ پانچ چھ گنی کا خرچ پڑتا ہی رہا۔ چونکہ ہندوستان بہت دور تھا چھوٹنے کی کوئی خبر نہ تھی نقدی موجودہ تھوڑی تھی اس لئے پھونک پھونک کے قدم رکھنا پڑتا تھا غرضیکہ ابتدائے ماہ جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ سے (جو کہ اگلا دن دخول مالٹا کا ہے) اواسط ربیع الاول ۱۳۳۶ھ تک ہم نے اس ۷۷ پونڈ کی مقدار خرچ کر ڈالا۔ اس مدت میں ہم نے جب خرچ کی حالت یہ دیکھی اور اسارت سے رہائی کی کوئی صورت نہ پائی تو مکہ معظمہ کو لکھا کہ بقیہ ہمارے نقود جو کہ تقریباً چالیس پونڈ یا کچھ اس سے کم ہوتے ہیں ہمارے پاس بذریعہ حوالہ بھجوا دو۔ چنانچہ منشی محمد حسین صاحب نے پینتیس ۳۵ نقدا اور دیگر ضروری اشیاء پان چھالیاں وغیرہ بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ بھجوایا جس کی صورت یہ واقعہ ہوئی کہ اگرچہ اولاً جدہ کی حکومت قبول نہیں کرتی تھی۔ مگر جب ہم نے بذریعہ گورنر آفس مالٹا سے خواستگاری کی کہ ہماری ضروری پارسلیں اور نقود مکہ معظمہ سے بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ منگادی جائیں۔ اس وقت وہاں سے حسب قانون حکم کیا گیا، اور نقود وغیرہ آگئے۔ چنانچہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۷ء مطابق ۷ر محرم الحرام ۱۳۳۶ھ سے یہ مقدار دو تین ہفتہ ہم کو وصول ہو گئی جس کو بطور امانت

علیحدہ مولوی عزیر گل صاحب کے پاس رکھا گیا ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ سے اس مقدار میں خرچ کرنا شروع کیا گیا اور ۱۹ جمادی الثانی مطابق ۲۸ مارچ تک اس مقدار میں سے صرف ۷ پونڈ صرف کیا گیا اور نہایت کفایت شعاری کو کام میں لایا گیا اس کے بعد اپریل ۱۹۱۸ء سے نقد گورنمنٹ سے لئے مقرر ہو گیا۔ جس کی تفصیل آئندہ ذکر کی جاوے گی۔

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر کی علیحدگی مسٹر سیدار اور ڈاکٹر غلام محمد جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ہمارے ساتھ ہی روگیٹ کیمپ سے عرب کیمپ کے کمرہ میں آ گئے تھے مگر چونکہ ہم سب تو حضرت مولانا کے زیر اثر تھے۔ اگر خلاف طبع امور پیش آتے تھے تو ہم پر قوت حاکمہ اور جامعہ موجود تھی مگر ان دونوں کی وہ حالت نہ تھی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد رفقاء میں خلاف طبع امور ظاہر ہونے سے کشیدگیاں پیدا ہو گئیں ہم نے ہر طرح اصلاح کی کوشش کی۔ ان دونوں حضرات کو مصارف زائدہ کی گرانباری کا بھی متحمل نہ کیا خدمات وغیرہ میں بھی حتی الوسع انکی خبر گیری اور ہمدردی پوری طرح کی گئی مگر آخر کار کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ ماہ رمضان ۱۳۳۵ھ مطابق اوائل جولائی ۱۹۱۷ء مطابق اواخر ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ میں روگیٹ کیمپ کو چلے گئے۔

علی بیگ کا واقعہ ہمارے مالٹہ پہونچنے سے پہلے ترکی دو افسروں میں کچھ اختلاف روگیٹ کیمپ میں واقع ہو گئے یہ دونوں ترکی گورنمنٹ کے مجرم تھے اور فرار ہو کر مصر میں موجود تھے کہ اعلان جنگ ہوا حکومت انگریزی نے دونوں کو معہ دیگر امراء کے یہاں مالٹا میں بھیج دیا تھا۔ علی بیگ ترکی حکومت میں یوزباشی (کپتان) فوجی تھا کہ

دوسرا ڈاکٹر تھا۔ ایک شب دونوں میں سخت ناچاقی ہوئی شب میں سوتے ہوئے علی بیگ نے ڈاکٹر پر حملہ کیا اور چھری سے سخت زخمی کر دیا۔ ڈاکٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا اور علی بیگ کو قید خانہ پہنچا دیا گیا ڈاکٹر کے ایسا زخم کاری لگا تھا کہ جانبر نہ ہو سکا مقدمہ قائم کیا گیا۔ حکام نے اُس کی نسبت پھانسی کا فیصلہ کیا ترکی گورنمنٹ کو حسب قاعدہ خبر کی گئی۔ وہاں سے بھی اجازت آ گئی آخر کار علی بیگ مرحوم کے لئے پھانسی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ جب کہ اُس کی تاریخ کو تقریباً ڈیڑھ ماہ باقی تھا ہم سب مالٹا پہنچے۔ حضرت مولانا مرحوم کے تقدس کی خبر اُس کو پہنچی اُس نے وہیں جیلخانہ میں درخواست کی کہ میں مولانا سے ملنا چاہتا ہوں غالباً یہ درخواست اُس کی پھانسی سے پانچ چھ دن پہلے ہوئی تھی۔ چنانچہ آفس نے مولانا کو موٹر پر وہاں پہنچایا یہ شخص چونکہ اصلی باشندہ ٹونس یا الجیریا کا تھا۔ اس لئے عربی زبان خوب جانتا تھا اُس نے مولانا مرحوم سے باتیں کیں اور بہت زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ دوسرے دن پھر طلب کیا اور پھر مجھکو (کاتب الحروف) کو بھی طلب کیا اور اپنی وصیتوں میں لکھا کہ مولانا میری پھانسی کے وقت میں بھی موجود رہیں اور میرا دفن کفن نماز جنازہ وغیرہ سب مولانا فرمائیں۔ اگرچہ مولانا مرحوم کو اِن اُمور سے کوئی سابقہ خاص طور سے نہ پڑا تھا اور نہ اِن کو ایسی باتوں سے دلچسپی تھی۔ مگر اُس وقت میں اس کے سامنے انکار کرنا بھی غیر مناسب معلوم ہوا اُس نے علاوہ کاتب الحروف اور مولانا مرحوم کے اور بھی مصر اور ترکی کے بعض آدمیوں کو اپنی تکفین وغیرہ کے لئے طلب کیا تھا۔ چنانچہ پھانسی کے دن صبح صادق کے وقت ہم سبھوں کو آفس میں لے گئے وہیں ہم سبھوں نے نماز فجر ادا کی اور پھر موٹر میں قید خانہ میں پہونچے۔ تقریباً سات یا آٹھ بجے پھانسی کا وقت آ گیا وہاں ہی سبھوں کے لئے چائے

حاضر کی گئی تھی سبھوں نے اور خود علی بیگ نے بھی چائے پی تھی اور پھر کچھ وصیتیں کیں اور جب وقت پھانسی کا آگیا تو اُس کو ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ اُس وقت اُس نے مولانا سے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ پھانسی کے چبوترہ اور تختہ تک چلیں۔ چنانچہ اُس نے مولانا کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھانسی کے تختہ کے برابر لے گیا باقی لوگ سب کے سب چبوترے کے نیچے کھڑے تھے جب اُسکو تختہ پر کھڑا کیا گیا تب اُس نے ہاتھ چھوڑا۔ مولانا مرحوم اُس کے قریب وہاں ہی رہے اُسی دم اُسکو حلقہ پھانسی کا پہنا دیا گیا اس نے کلمات شہادت ادا کئے اور تختہ ہٹا دیا گیا۔ اُس کے بعد سب لوگ باہر کر دیئے گئے تھوڑی دیر کے بعد مرحوم کی نعش لکڑی کے صندوق میں لائی گئی اور ایک خاص گاڑی میں جو اسی نعش کے ڈھونے کے لئے وہاں ہوتی ہے رکھدی گئی اور ہم سبھوں کو موٹر میں زیر حراست قبرستان میں پہنچا دیا گیا۔

اسلامی قبرستان

سلطان عبدالعزیز خان مرحوم نے مالٹا میں اس وجہ سے کہ اب اس میں کوئی اسلامی مقبرہ نہیں رہا تھا اور لوگ اسلامی مذہب کے وہاں مرتے تھے کیونکہ وہ ایک جہازوں کا مرکز ہے بعض مسلمان تاجر بھی وہاں رہتے ہیں جہازوں میں بعض مسلمان مریض ہوئے اور وہاں برائے مداوات اتار دیئے جاتے ہیں پھر ان میں سے بعض مر بھی جاتے تھے۔ بعض جہازوں کے مُردے بھی اتارے جاتے ہیں۔ ایک بڑا قطعہ زمین کا برٹش گورنمنٹ سے خرید کر یا بلا قیمت لے کر اُس کا بڑا احاطہ اور حسب ضرورت اس میں تعمیر بنوائی ہے تعمیر فقط احاطہ کے آخری حصہ میں ہے جسمیں ایک طرف کے حصے میں غسل دینے کا سفید پتھر کا چبوترہ بنا ہوا ہے اور دیگر ضروریا

غسل بھی وہاں ہوتا ہیں اور دوسرے کمرے میں ضروریات نماز جنازہ و فرش وغیرہ بنا ہوا ہے۔ بیچ کا دالان نماز جنازہ کے لئے ہے۔ دروازہ کے پاس ایک کونہ میں اس قبرستان کا محافظ ایک عیسائی مع اپنے اہل و عیال کے رہتا ہے جو کہ ٹرکی حکومت کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے۔ قبروں کا کھودنا اور غسل کے لئے پانی وغیرہ حاضر کرنا اس کا منصبی فریضہ ہے چونکہ مالٹا میں کوئی مسلمان نہیں دو ایک باہر کے تجارت کرنے والے اگر ہیں بھی تو وہ ایسے کام رویا نہیں کرسکتے۔ اس لئے مجبوری اس کام کے لئے عیسائی کو رکھنا پڑا۔ ٹرکی حکومت کی طرف سے ہمیشہ ایک عالم امام یہاں رہتا ہے جو کہ اپنے ہاتھ سے ہر مسلمان مردے کی تجہیز و تکفین غسل اور جنازہ وغیرہ کے فرائض کو ادا کرتا ہے وہ ایک بڑی تنخواہ ترکی گورنمنٹ کی طرف سے پاتا ہے۔ اس کی جائے قیام ترکی سفیر کا بنگلہ ہے جب کوئی مسلمان مرتا ہے تو گورنمنٹ مالٹا کی طرف سے اسکو اطلاع دیتا ہے اور حسب قاعدہ شرعیہ عمل کرتا ہے۔ گورنمنٹ مالٹا کی طرف سے بھی اس کو ایک پونڈ فی کس ملتا ہے اور غالباً گورکن کو بھی کچھ ملتا ہے ایام جنگ میں وہاں کے امام جمال الدین آفندی دیار بکری تھے۔ سفیر تو حسب قاعدہ اعلان جنگ سے پہلے ہی چلا گیا تھا۔ مگر امام موصوف کو انگریزوں نے پکڑ لیا اور اسیر کر دیا گیا بدیں حیلہ کہ ترکوں نے ہماری ایک عورت کو اسیر کر لیا۔ اس لئے ہم اس کے بدلے میں تم کو بھی اسیر کرتے ہیں۔ سنایا گیا ہے کہ اسی قسم کا انتظام خلافت ٹرکی کی طرف سے یوروپ کے جا اِن مقامات میں ہے جہاں مسلمانوں کی آمدورفت ہو یا سفر و دل وہاں رہتے ہوں جیسے لندن۔ پیرس۔ مارسیلیا وغیرہ وغیرہ ہمارے قبرستان میں پہنچنے کے بعد ہی تھوڑی دیر میں جنازہ پہنچا اسی وقت پانی وغیرہ منگایا گیا موجودہ لوگوں ایسے لوگ نہ تھے جن کو قواعد شرعی کے

موافق غسل دینے کی نوبت آچکی ہو اس لئے کاتب الحروف نے اس طرف

اسلامی قبرستان مالٹا

بنا کردہ سلطان عبدالعزیز خاں

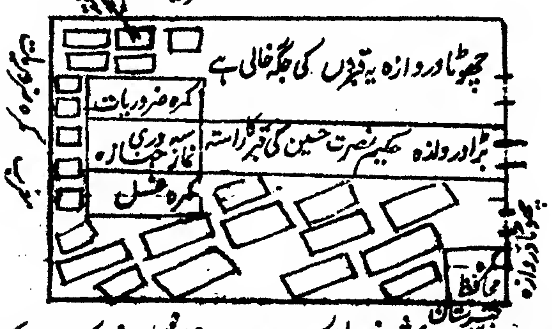

توجہ کرنی ضروری سمجھی اور شیخ عبدالحمید مصری اور علی فہمی وغیرہ کو معین لیکر مرحوم کو غسل دے کر ..... کفنایا حضرت مرحوم نے نماز پڑہائی اور دفن کر کے واپس ہوئے۔ قبرستان کا بڑا ہوا نقشہ بصورت مذکورہ ہے مگر چونکہ رخ قبلہ کا فدا ٹیڑھا ہے اس لئے قبریں عمارت کے لحاظ سے ذرا ٹیڑھی بنائی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا کو علی بیگ مرحوم کا خیال رہتا تھا۔ اس کے بعد جب کبھی قبرستان میں جانا ہوتا ہے تو اسکی قبر پر ضرور جاتے اور کچھ پڑھتے تھے۔

مولانا کی مراعات کا حکم

غالباً ستمبر یا اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ایک روز مولانا کو آفس میں بلایا گیا اور کمانڈر نے کہا کہ ہمارے پاس آپ کے لئے خاص طور سے حکم آیا ہے کہ آپ کی خاطرداری غایت درجہ کریں اور جو مراعات اور حقوق فوجی کپتان کے لئے رکھے جاتے ہیں وہ آپ کے ساتھ بھی ملحوظ ہوں اس لئے ہم آیندہ ان کا اہتمام کریں گے مگر آپکو

کوئی ضرورت یا شکایت ہو تو بیان فرمائیے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں کیمپ میں جا کر کل لکھ کر بھیج دونگا۔ اُس نے کہا کہ اپنے قیام کے لئے جس کیمپ اور جس کمرہ کو آپ چاہیں پسند فرمائیں ہم وہاں انتظام کر دیں گے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں اس کیمپ میں ہی رہنا پسند کرتا ہوں میں یہاں سے دوسری جگہ جانا نہیں چاہتا اُس نے کہا کہ اردوال فرسٹہ میں اچھے اور آرام کے مکانات ہیں مولانا نے فرمایا کہ میرے لئے پیشاب کی سخت تکلیف ہے اس کا کوئی انتظام کر دیجئے باقی اُمور کو میں کل لکھونگا۔

عرب کیمپ کو پسند کرنیکی وجہ

مولانا مرحوم کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لباس، چال، معاملات وغیرہ اسی قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہل دُنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے، طالبعلموں سے بیحد اُنس تھا۔ ریل میں بھی تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔ مگر باایں ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے۔ کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا۔ سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی اپنے آپ کو بنانا، وضعداری، تکلف سے طبعی نفرت تھی۔ بارہا حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے کہ "عوام الناس کا پاخانہ (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت اللہ ہے۔ یعنی وہ پاخانے جو خواص اور امراء کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ صاف اور ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پاخانوں کے حقیقت یہ ہے کہ

نفس کو اپنی تعلّی مرغوب ہے وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام بُرائیوں اور دُنیا و آخرت کی سیاہ روئیوں کی جڑ ہے۔ اس لئے اہل اللہ اور روحانی کامل حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلّی اور اُس کا تیز احساس کرتے ہیں اُسکو بُرائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسر نفسی اور ذلّت ظاہری نظر آتی ہے۔ اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ظاہری بدبو اور کثافت روحانی کے مقابلہ کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی ہستی ہے۔ امراء کا پاخانہ نفس میں عجیب رعونت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس کا پاخانہ اس کو پیدا نہیں کرتا بلکہ برخلاف اسکے تواضع اور نفس کی حالت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو نفرت سے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے جبکہ پاخانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے اوضاع، اطوار، مکانات، البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمالیجئے، فرماتے تھے کہ فقہانے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا شراح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف ہو اور انکی دل شکنی کیجائے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو۔ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اس میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اسپر نہایت شاق بھی گذرتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے دوسرا آتا ہے اور اسی پانی کو منہ میں اور ناک میں ڈالتا اور اُس سے چہرہ کو دھوتا ہے۔ اس لئے نفس امارہ والے اور بڑے بڑے دنیادار اس کے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بےعزتی سمجھیں گے۔ غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بناء پر نہایت افضل ہے واقعہ تو یہ ہے کہ یہ دونوں اُستاد شاگرد (یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ) اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی، نفس کشی، خمول، تواضع، انکساری ہوتی ہے۔

اُس کے لئے از حد کوشاں ہوتے تھے اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت، تعلی، خودداری ہوتی تھی۔ اُس سے کوسوں دُور بھاگنے کی فکر کیا کرتے تھے۔ پھر یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو یوں تو ہم سبھوں کی یہ حالت ہے کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترین خلائق، سگ دُنیا، ذرۂ بے مقدار، نابکار، ننگ خلائق، وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ مگر یہ سب کارروائی منافقانہ اور ریاکاری کی بنا پر ہوتی ہے۔ قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہی خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ ہمچو من دیگرے نیست اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی، آنکی نکتہ چینی، غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سُن لیتے ہیں تو تن بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اس میں عیب نکالے جاتے ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے اگر کوئی ہمکو جاہل، نالائق، احمق، گدھا، کتا، سؤر وغیرہ کہدیتا ہے تو آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اگر ہم کمترین خلائق کہنے میں سچے ہیں تو گدھا کتا وغیرہ کہنے سے کیوں بُرا مانتے ہیں۔ آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہیں۔

الغرض مولانا نے اپنے نفس کو ریاضتوں وغیرہ سے اس طرح مہذب بنا لیا تھا کہ صادقین کے زمرۂ شریفہ میں داخل ہو کر منصب عظیم حاصل کر لیا تھا۔ اُن کی یہ فروتنی کسر نفسی حالی تھی قالی نہ تھی اُن کا قالب اُسی بات کو دیکھتا تھا جس کو آنکی زبان اور آنکھ ظاہر کر رہی تھی وہ اپنے آپ کو واقع میں ایک معمولی مخلوق اور ایک ادنیٰ درجہ کا انسان دیکھتے تھے مجکو اس وقت مولانا عبدالصمد مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند کا مقولہ یاد آتا ہے وہ مولانا مرحوم کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ غالباً اس شخص کے دل پر کبھی خطرہ بھی نہیں گذرتا ہے کہ میں کوئی چیز یا عالم ہوں۔ جن

لوگوں نے مولانا کے احوال اور اُنکی لاالف پر تھوڑی سی بھی نظر ڈالی ہوگی وہ اُس کو صحیح اور واقعی بات سمجھیں گے۔ وہ ہر ایک کو اپنے سے بڑا اور افضل دیکھتے اور ایسا ہی اُس سے معاملہ کرتے تھے۔ یہ حالت اُن کی طبیعت بن گئی تھی جس میں ذرا بھی تکلّف کرنا نہ پڑتا تھا۔

الحاصل یہ شام کے عرب لوگ چونکہ اہل منصب نہ تھے اہل مال نہ تھے اہلِ علم نہ تھے۔ بلکہ عوام الناس میں سے تھے۔ مگر قلوب میں ان کے ایمان تھا۔ دماغ میں اُن کے انکساری تھی۔ سینہ میں ان کے اسلام کا روشن چراغ ان کے جگر میں سادگی اور مذہبی درد تھا۔ اسلئے مولانا مرحوم کو ان کے ساتھ زندگی بسر کرنا لاکھوں اور کروڑوں اصحاب منصب اور دولت کے ساتھ بسر کرنے اور کروڑوں سامانِ راحت جسمانی سے زیادہ تر محبوب اور پسند تھا۔ یہاں پر رُوحانی راحت تھی یہاں پر کوئی تکلّف کی حاجت نہ تھی یہاں پر جماعت اور نماز کی پابندی تھی۔ ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی تھی دل وجان سے قبول کر لیتے تھے اور شریعت کی پابندی کی کوشش کرتے تھے۔ اس خواہش میں رہتے تھے کہ ہمکو کوئی خدا اور رسول کا حکم اور فرمان معلوم ہو جائے کہ ایمان تازہ ہو۔ پھر اس کیمپ میں اگرچہ نیچے کے درجہ والوں میں رہنا ہوتا تھا مگر کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ کیمپ بھی ایک طرف کو علیحدہ واقع تھا۔ ہر چیز ہم نہایت آزادی سے اسلامی طریقہ پر علانیہ کر سکتے تھے۔

مولانا نے اپنے تشریف لانے کے بعد ہم خدام سے بیان فرمایا اور حکم کیا کہ جن چیزوں کی حاجت ہو اور مناسب معلوم ہو اُس کو لکھو۔ اس لئے ہم نے اگلے دن ایک مفصل عرضی لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ :-

"ہم لوگ گرم ملک کے رہنے والے ہیں مالٹا نہایت سرد جگہ ہے۔

جس طرح اہل یوروپ کو وسط افریقہ کی گرمی ستاتی اور امراض پیدا کرتی ہے اسی طرح ہم لوگوں کو اس سرد ملکوں کی آب و ہوا مناسب نہیں ہوتی۔ میں (مولانا) چونکہ ضعیف العمر ہوں اور مختلف امراض مزمنہ میں مبتلا بھی ہوں ہمیشہ وطن میں بھی باوجود گرم ملک ہونے کے سردی سے مجکو بہت زیادہ ضرر پہنچتا تھا۔ اس لیے میں مالٹا کی تکلیف کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ مجھکو اپنی اور اپنے رفقاء کی نسبت یہی خوف رہتا ہے کہ یہاں کی نہایت سرد ہوا سے کسی سخت بیماری کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جبکہ میں کسی قسم کے ملازمین میں مجرم نہیں ہوں تو جلد رہا کر دیا جاؤں، اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو کم از کم اتنا ضرور ہو جائے کہ مجکو اسارت ہی میں رکھا جائے مگر اپنے وطن ملک ہندوستان میں منتقل کر دیا جاؤں اور اگر یہ بھی نہیں کیا جاتا تو اتنا تو ضرور کر دیا جائے کہ مصر کے ان شہروں میں مجکو رکھا جائے جہاں پر سردی زیادہ نہیں ہوتی۔ تاکہ اسلامی شہر اور گرم ملک ہونے کی بناء پر مجکو مختلف تکالیف کا سامنا نہ ہو۔ مجکو اور میرے رفقاء کو کھانے کی سخت تکلیف ہے۔ ہم گوشت کھانے کے عادی ہیں جس پر طبی حیثیت سے بھی مدار زندگانی شمار کیا جاتا ہے مگر موجود گوشت ہمارے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ مالٹا میں اگرچہ زندہ حیوان منگانے کی ہمکو اجازت دیدی گئی ہے۔ مگر وہ اس قدر گراں ہیں کہ ہمارا موجودہ سرمایہ بہت احتیاط سے صرف کرنے میں بھی اکثر خرچ ہو گیا۔ علاوہ اسکے دیگر اشیاء بھی ہماری طبیعت اور عادت کے موافق جس پر ہمارا نشو و نما ہوا ہے یہاں پر میسر نہیں ہوتیں۔ لباس جو اسراء کو ملتا ہے اُس سے بھی ہم نفع نہیں اُٹھا سکتے کیونکہ وہ ہماری وضع کے بالکل خلاف ہے۔ ہمیں ایک سال سے زیادہ ہو چکا ہے فقط دو تین چیزیں ضروری لی ہیں۔ اب تک

ہم اپنا لباس جو ہمارے ساتھ تھا استعمال کرتے رہے. مگر اب وہ پرانا ہوگیا ہے اس لئے اُس کا انتظام ہونا چاہیئے ہم کو اس مکان سے بدل کر دوسرے کیمپ میں جانے کی ہرگز خواہش نہیں. مگر البتہ ہم کو جو تکالیف ہیں اُن کا دفعیہ کردیا جائے یعنی پیشاب وغیرہ کے لئے کوئی قریب جگہ ہم کو بالفعل بنوادی جائے اور ہماری آزادی یا انتقال مکانی کے لئے بہت جلد کوئی صورت پیدا کردی جائے اس عرضی کو عربی اور انگریزی میں لکھوا کر کمانڈار کے پاس بھیج دیا گیا. اس سے دو ہی ایک دن پہلے یہ بھی واقعہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے بلاکر مولانا سے اُن کی صحت وغیرہ کی نسبت پوچھا تھا کہ گورنمنٹ ہند سے حکم آیا ہے کہ آپ کی صحت کی تحقیقات کرکے میں اُس کو اطلاع دوں. اُس سے بھی یہ امور کہہ دیئے گئے تھے"

اس عرضی کے بعد فقط اتنا معاملہ ضرور ہوا کہ ایک لوہے کا پلنگ اور ذرا بڑھیا گدہ مولانا کے لئے آیا اور ایک کوٹھری بھی جس کا ہم نشان پہلے دے چکا ہوں۔ پیشاب کے لئے بالٹی اور چوکی رکھوادی گئی جس میں شب کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ہمسایہ پیشاب کرتے تھے باقی امور کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ کی گئی۔

مسٹر برن کی آمد

اس واقعہ کے دو تین ماہ کے بعد آواخر جنوری یا ابتداء فروری ۱۹۱۸ء میں ایک روز ہم سب صبح کو آفس میں بلائے گئے. ہم کو کوئی خبر پہلے سے نہ تھی ہم دفتر میں ایک طرف کرسیوں پر بٹھا دیئے گئے کچھ عرصہ کے بعد کمانڈانٹ اور اس کے ساتھ ایک بڈھا انگریز دونوں آئے اور مولانا اور ہم سبھوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گئے اس نے اردو میں باتیں کرنی شروع کردی مولوی عزیر گل صاحب نے خیال کیا کہ یہ سفیر ہے

اس دفتر میں ملازم ہو کر آیا ہے اُس نے جب خطوط اور پارسلوں کی نسبت سوال کیا تو اُنھوں نے نہایت بے رُخی سے کہا کہ آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں اپنے دفتر میں دیکھ لیجئے اور اسی طرح اور بھی کچھ اُکھڑی اُکھڑی باتیں کیں۔ اُس نے کہا کہ آپ عزیز گل ہیں۔ ان کو اس واقفیت پر تعجب بھی ہوا اور پھر غالباً ان کے سکونت شہر وغیرہ کا بھی ذکر کیا اس وقت ان کا تعجب کچھ زیادہ ہوا اس نے اپنا ہندوستان سے آنا اور انگلستان کا قصد کرنا بیان کیا اور تھوڑی دیر باتیں کر کے رُخصت کر دیا۔ مگر حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو روک لیا اور دوسرے کمرہ میں لیجا کر ان سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ اور کچھ بیان قلم بند کیا اُس کا بہنوئی ضلع فتحپور ہسوہ میں کلکٹر تھا۔ اس لئے حکیم صاحب موصوف اس کے بہنوئی سے بوجہ زمینداری واقفیت بھی رکھتے تھے۔ اس کو بھی تقریب کا موقعہ اس وجہ سے ملا اُس نے اونہیں باتوں کے متعلق پُوچھا جن کا ذکر مصر کے اظہار میں آیا تھا۔ مگر اختصار کے ساتھ البتہ حکیم صاحب سے اُنکے ضلع اور زمینداری اور ہندوستان کے احوال کے متعلق بہت کچھ باتیں کیں اور اپنے عہدوں کے متعلق بیان کیا اور یہ کہ وہ بالفعل گورنر یو۔ پی مسٹن کا سکریٹری ہے کچھ عرصہ کی رُخصت لے کر انگلستان کو جا رہا ہے جب حکیم صاحب وہاں سے واپس ہوئے تب حقیقت کی اطلاع ہوئی شام کو دو بجے کے بعد مولانا مرحوم کو بلایا اور انہیں معمولی باتوں کی نسبت پُوچھا جن کا ذکر مصر میں مولانا سے ہو چکا تھا۔ مولانا نے اسی قسم کے جواب دیئے البتہ نئی بات ہندوستان کی نسبت دریافت کی اس نے کہا ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک

دونوں صحیح کہتے ہیں۔ اس نے تعجب سے کہا کہ یہ کیونکہ ہو سکتا ہے مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اُس کے درجات ہیں جن کے احکام جُدا جُدا ہیں ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے۔ اس نے اسکی تفصیل پوچھی۔ مولانا نے فرمایا کہ (دارالحرب اُس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر با اقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں اس نے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس لئے ہندوستان ضرور دارالحرب ہے۔ اس نے کہا کہ دوسرے معنی کیا ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جس ملک میں علانیہ طور پر شعائر اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو یہ وہ دارالحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہوتی ہے (اگر استطاعت اصلاح نہ ہو) اُس نے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ہاں جس نے دارالحرب کہنے سے احتراز کیا غالباً اس نے اسی کا خیال کیا ہے (وہ چُپکا ہو گیا اور لکھ لیا علاوہ اس کے اس نے وہاں مالٹا کی کیفیت وغیرہ دریافت کی مولانا نے وہاں کی سردی وغیرہ کا ذکر فرمایا اُس نے مزاجی حالت دریافت کی اور یہ کہ یہاں کی آب و ہوا سے آپ کی صحت پر کیسا اثر ہے۔ اس کی نسبت بھی مولانا نے مختصر کیفیت مخالف ہوا اور موسم اور اپنی سن رسیدگی اور ضعیف العمری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھکو قید رکھنا ہے یا نظر بند رکھنا ہے تو ہندوستان میں پہنچا کر یا دیو بند میں رکھ کر جسقدر چاہو مجھپر چوکی پہرے مقرر کر دو یا وہاں ہی کسی دوسرے مقام پر نظر بند کر دو مگر یہاں کی موجودہ حالت تو طبی اور میری صحت کی حیثیت سے کسی طرح سودمند نہیں۔ اُس نے ان سب باتوں کو لکھ لیا۔

اسی طرح روزانہ صبح و شام اور دوسروں کے بیانات لئے۔ میں (کاتب الحروف) نے حسب عادات اس بیان میں بھی زمین آسمان کے قلابے ملائے اور پھر مالٹا کی غذاؤں اور سامان رسد اور آب و ہوا اور موسم اور کپڑوں کی نسبت تو بہت ہی شکایتیں کیں اور پھر یہ بھی کہا کہ ہم کو تقریباً ڈیڑھ ہزار یا سوا ہزار روپیہ فقط اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑا ہے ہمارا نقد بالکل ختم ہونے پر آ گیا ہے ہم ہر چند کفایت شعاری کرتے ہیں۔ مگر اخراجات کی کثرت اور عدم موافقت غذا وغیرہ سے ہمکو یہاں سخت تکلیف ہے اور نہایت افسوس ظاہر کیا کہ گورنمنٹ نے ہمارے ساتھ یہاں بھیجکر اس قدر تو ظالمانہ سلوک کر ہی رکھا ہے اور پھر بھی ہماری ضروریات اور صحت طبعی کی طرف ادنی درجہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتی ہمارے ساتھ مصری قید ہیں گورنمنٹ مصر ان کے اہل و عیال کیلئے ۱۰-۱۰ بارہ، بارہ پونڈ اور بعضوں کے لئے اس سے زیادہ ماہوار خرچ دیتی ہے۔ ان میں سے بہتوں کے لئے یہاں پر بھی خرچ آتا ہے۔ میرے بھائی ٹرکی کے یہاں اِڈریانوپل میں نظر بند ہیں مگر ان کو چھ چھ پونڈ ماہوار ٹرکی حکومت دے رہی ہے ان کو قلعہ میں رکھ رکھا ہے۔ دن بھر تمام شہر اور ملحقات شہر میں پھرنے کی اجازت ہے اور جیب سے اہل و عیال ان کے پاس آ گئے ہیں۔ ان کے ہر ایک عورت اور بچے کی بھی اسی حساب سے تنخواہ مقرر ہو گئی ہے اُس نے اسکی تصدیق سے انکار کیا میں بھائی صاحب کے خط کو جو کہ اِڈریانوپل سے کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا) لے گیا تھا اسکو جیب سے نکال کر دکھلانا چاہا اور کہا کہ دیکھئے اس خط میں عربی میں یہ صاف لکھا ہوا ہے اس نے عربی جاننے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ اُنھوں نے اپنے آفیسر کے اثر سے یہ کہدیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ بقول شاعر[1] اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونہ برٹش گورنمنٹ اپنے ہی

---

[1] جب آدمی کے اعمال بد ہوتے ہیں تو اسکے بدگمانیاں اور خیالات دوسروں کے ساتھ بھی ویسے ہی بُرے بن جاتے ہیں ۱۲

جیسا سبھوں کو سمجھتی ہے۔ یہ کہنے لگا کہ وہ تو کھانے کو نہیں دے سکتے۔ ہمارے اسیروں کے ساتھ اور ایسا برتاؤ انھوں نے کر رکھا ہے اور اس قدر آدمی وہاں مر گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ خبر غیر واقعی آپ کو پہنچی ہے۔ یہاں پر خطوط وہاں سے لوگوں کے آرہے ہیں ٹائمز میں لندن سے انگریزی اسراء کے احوال خطوط وغیرہ سے چھپکر آپکے ہیں وہ نہایت شکریہ کے الفاظ لکھتے ہیں وہاں پر سیاسی اسراء تو درکنار جنگی اسراء بھی کانٹے دار تاردں میں قید کر کے نہیں رکھے گئے۔

ٹرکی میں اسراء کی حالت

اور حقیقت میں بھی یہی تھی کہ ٹرکی میں جو اسراء کو رعایت اور آزادی تھی انگریزی حکومت نے اُس کا آدھا تہائی بھی نہیں کیا بلکہ ابتدائے جنگ میں تو برطانیہ نے ترکی اسیروں کے ساتھ جو کہ عراق وغیرہ میں پکڑے گئے تھے۔ نہایت بُرا سلوک کیا آفیسروں اور بڑے رُتبہ والوں کے ساتھ مجرمانہ اور معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا۔ مگر جب درہ دانیال وغیرہ میں شکستیں ہوئیں اور ان کے بھی اسیر پکڑے گئے اسوقت سے کچھ ہوش آیا اور حقوق اسارت کا خیال ہوا۔ پہلے تو جب اسیر افیسروں نے اپنے حقوق کا حسب قوانین دول مطالبہ کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ تمہاری حکومت مفلس اور دو چار دن کی ہے ہم اگر تم پر خرچ کریں تو کس سے وصول کریں گے جو اسراء عراق ہندوستان سے مالٹا آئے تھے ان سے جملہ احوال تفصیلی معلوم ہوئے تھے میری خود ان لوگوں سے ملاقات ہوئی جن کے زیر تحویل اسراء انگریزی تھے۔ اور پھر جملہ احوال کی تفصیلی کیفیت سُننے میں آئی۔ بعضے انگریز اسراء جو کہ انگلستان کے رہنے والے تھے اور ان کی ملاقات پہلے سے اشرف بیگ اور بعضے دیگر افسروں سے تھی وہ چھوٹنے کے بعد مالٹا ہوتے ہوئے انگلستان گئے تھے اور ملنے کے واسطے اسارت گاہ میں آئے تھے

اُنھوں نے اپنے اور دیگر اسرار کے معاملات نہایت تشکر یہ اور استحسان کے الفاظ میں بیان کئے تھے یہ انگریز استنبول میں تجارت کرتا تھا۔ ایام جنگ میں اسیر ہو گیا تھا۔ اس نے مالٹا کے اسرار کی حالت دیکھ کر ٹرکی کے اسرار کی حالت کو بدرجہا ترجیح دی اور گورنمنٹ ٹرکی کی انسانیت اور ہمدردی کی بہت تعریف کی
برٹش گورنمنٹ نے اپنی قوت کے گھمنڈ اور اپنی سیاست کے خوف کی وجہ سے اسرار سے وہ معاملات کبھی نہ کئے جو بین الدول ہمیشہ سے مقرر کرتے چلے آتے تھے۔

یورپ کی عادت ہے کہ کمزور کو قانون کی پابندی کراتا ہے بلکہ قانون کے مجمل الفاظ کو نئے نئے معنے پہناتا ہوا حسب خواہش عمل کراتا ہے بسا اوقات انسانیت اور حقوق و عدالت کی ایسی کارروائیاں تراشتا ہے جن کا کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ ان کو فوق القانون قرار دیکر کمزور حکومت سے عملدرآمد کراتا ہے اور جب عمل کی باری آتی ہے اور خود میں قوت دیکھتا ہے تو سارے قانون دھرے رہجاتے ہیں اور بے وجہ اور کبھی بلاوجہ تراشیدہ وغیر واقعہ انواع و اقسام کے مظالم اور بے قاعدگی برتتا ہے۔

یورپ کا واقعی تمدن، اصلی تہذیب، حقیقی قانون۔ نفس الامری عدل۔ فقط قوت ہے اس کا اصلی مذہب "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" ہے جو قوم غیر یوروپین اور غیر مسیحی ہو وہ اگر کمزور ہے تو ہر طرح وحشی اور غیر متمدن ہے اُس کے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نئی نئی منطقیں گھڑ کر جملہ اعمال بد کو قاعدہ عدل و انصاف میں داخل کر دیتا ہے اس کے یہاں حلفِ وعدہ اور نقض عہود کوئی عیب نہیں بلکہ کمال ہے۔ اس کی نظروں میں جو شخص زیادہ مکار زیادہ فریبی زیادہ

دھوکہ دینے والا، زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ وہی زیادہ پالیٹکس اعلیٰ درجہ کا سیاسی نہایت عقلمند ہے۔ اس کا اصل اُصول یہ ہے کہ دوسری اقوام کی مُبادی زندگی، لوازمات، حیوٰۃ، اسبابِ خوشحالی وجوہ ترقی کو اپنی قوم اپنے ملک پر قربان کرا دینا اور اس مقصود کے لئے ہر ممکن صورت کو عمل میں لانا اہم ترین فرائض اور سب سے بڑی انسانیت سمجھا ہے۔ دوسری اقوام خواہ اپنی زندگانی سے محروم ہو جائیں مگر اپنا اُلو تو سیدھا ہونا ضروری ہے۔ اگر دیگر اقوام پر کسی درجہ میں رحم کھاتا ہے تو اُسی دن پر اُنکو باقی رکھنا چاہتا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر کتے کی زندگی بسر کرتے ہوئے غلامی میں سرگرم رہیں۔ اُس کی چھین کھسوٹ غرباء اور کمزور طبقہ پر اغنیاء اور ذی ثروت طبقہ سے زیادہ ہے۔ اُس کی بھینٹوں پر چڑھنے والے دو چار نہیں ہوتے بلکہ تمام قوم اور جملہ افرادِ ملک کو اُس کے ہر مقصد پر نثار ہونا ضروری ہے۔ وہ اپنی ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا لازمی سمجھتا ہوا اُس کو فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ضرورت کے پورے ہو جانے کے بعد طوطا چشمی کرنا اعلیٰ درجہ کی انسانیت اور کمال خیال کرتا ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ اہل سیاست اور اعلیٰ درجہ کے فوجیوں کو کانٹے دار تاروں میں بند رکھنا ان پر شب و روز سنگینی پہرے قائم کرنا اُنکی جسمانی اور روحانی آزادی بالکل سلب کر دینا اُن کے احوال اور مرتبہ اور عادت کے موافق سامان راحت ایام اسارت میں بہم نہ پہنچانا وغیرہ وغیرہ قانون دول کے مطابق طرح جائز نہ تھا۔ ترکی نے حسب قوانین دول و لوازمات انسانیت بہت زیادہ حقوق دیئے۔ مگر بدنصیب ٹرکی ایشیائی تھا۔ یوروپین نہ تھا مسلم تھا مسیحی نہ تھا۔ کمزور تھا قوی نہ تھا۔ اس کی بھلائیاں بھی بُرائیاں ہو گئیں اُس کی مراعاتیں بھی مظالم ہو گئیں۔ اس نے دوسری دول کے اسراء

کے ساتھ وہ معاملات کئے جو کہ اپنے قومی بچوں اور شاہی فوجیوں اور افسروں کے ساتھ نہ کئے تھے مگر وہ خطا واز نکلا۔ برٹش نے سب کچھ کیا مگر وہ سب اچھا اور بھلا رہا۔ مصر میں ترکی فوجیوں کے ساتھ جو جو کارروائیاں کی گئیں ہیں جن کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اُن کو معلوم کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں پھر بالخصوص ارمنی ڈاکٹروں پر رکھے جاتے تھے۔ جن کو ایک تو پہلے سے ترکوں سے سخت دشمنی تھی ہی اور پھر بھڑکائے جاتے تھے۔ اُن کی ہر طرح امداد کی جاتی تھی۔ پھر کچھ نہ پوچھئے کہ انھوں نے ترکی کے بے زبان سیدھے سادھے مسلمان سپاہیوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں۔ میں جب خیال بھی کرتا ہوں تو خداوند جل وعلا کے حلم اور استغنا پر تعجب ہوتا ہے۔ میں سمجھ سکتا کہ کیوں زمین نہیں پھٹ جاتی۔ آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا یہ قطعہ یورپ کا کس زمین پر قائم ہے یہ ظالم درندے کب تک خداوندی ڈھیل میں سر چڑھتے رہیں گے اور کب تک مخلوقات خداوندی کا خون اُن تیز و سخت کچلیوں کا شکار بنتا رہے گا۔

اے اللہ اپنے کمزور بندوں کا حامی اور مددگار بن۔ اے پروردگار اپنے سچے دین اور حقیقی مذہب کی خبر گیری کر۔ اے خدا ہماری اصلاح فرما اور ہمارے دشمنوں کا نام ونشان روئے زمین سے اسی طرح مٹا دے جس طرح تو نے فرعون، ہامان، قارون، نمرود، شداد کا نام ونشان گم کر دیا۔ آمین یا رب العالمین۔

میں نے سٹرین سے ہندوستان کے سیاسی اسیر کا حال بھی ذکر کیا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ اُن کے دو دو سو اور تین سو روپے ماہوار سے خبر گیری کرتی ہے۔ اُس نے اقرار کیا مگر بڑی مقداروں کا انکار کیا۔ اُس نے مولانا مرحوم سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنے اہل وعیال کی طرف

سے فکر نہ فرمائیں۔ حکیم عبدالرزاق صاحب ان کو پچاس روپے ماہوار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت شرم کی بات انگریزی گورنمنٹ کے لئے تھی۔ قانوناً یہ فریضہ گورنمنٹ کا تھا۔ چنانچہ حکومت مصریہ ترکیہ وغیرہ نے اس قاعدہ کی مراعات رکھی تھی۔ ہمارے بیانات اس نے لکھے اور کہا کہ میں ان کاغذات کو پارلیمنٹ میں پیش کر دونگا۔ میں کوئی صورت آپ کے لئے نہیں کر سکتا۔ پھر مولوی عزیر گل صاحب کا بھی بیان لیا اور ان سے سرحدی اخبار یا وغیرہ پوچھیں مگر انھوں نے حسب عادت سخنی ہی سے جواب دیا۔ اس نے جہاد کی نسبت بھی ان سے پوچھا انھوں نے جواب دیا کہ آپ مجکو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اُس نے کہا کہ ہاں۔ کہا کہ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ کوئی شخص بغیر قرآن کی تصدیق کئے ہوئے اور اس کے تمام حصوں کو مانے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ انھوں نے کہا کہ پھر اس کے کیا معنے کہ آپ مجھ سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جسکو آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں مذکور ہے۔ اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوئیں۔

حکیم نصرت حسین کی ملاقات سبھوں کے بیانات لکھنے کے بعد اُس نے حکیم نصرت حسین صاحب کو بلایا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تم پر کوئی الزام نہیں پاتا اور تم کو چھوڑ سکتا ہوں۔ ہندوستان آپ ابھی جا سکتے ہیں۔ اسی کے قریب ان سے بہاؤ الدین انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی نے جدہ میں بھی کہا تھا۔ مگر انھوں نے اُسوقت بھی اکیلے چھوٹ جانے کی مخالفت کی تھی اور اب بھی کی اور کہا کہ ہم سبھوں کو چھوڑنا چاہیئے۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں مگر

تمہارا رہا کرنا میرے اختیار میں ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر اگر ہندوستان چلا بھی گیا تو تمام ہندوستان والے مجھکو کھا جائیں گے اور کہیں گے کہ تم مولانا کو پھنسوا کر اکیلے چلے آئے۔ میں اکیلا ہرگز نہیں جانا چاہتا۔ وہاں سے لوٹ کر جب آئے اور واقعہ بیان کیا تو مولانا اور سبھوں نے بہت اُن کو سمجھایا اور زور دیا کہ آپ ہندوستان اکیلے جانے پر راضی ہو جایئے اور چلے جایئے، مگر اُنھوں نے ایک بھی نہ مانی مولانا مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ وہاں جاکر ہماری خلاصی کی کوشش کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو ہماری طرح سے آپ کے بھی ہاتھ بندھے ہوئے پڑے ہیں مگر اُن کی سمجھ میں یہ نہیں آیا اور پھر تیسری مرتبہ جب وہ سخت بیمار ہوئے تب بھی مولانا مرحوم نے ان کو کہا اور زور دیا کہ تم اپنی تبدیلی آب و ہوا کی درخواست دیدو اُنھوں نے جواب دیا کہ موت اور حیات خدا کے ہاتھ میں ہے میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ خداوند کریم اُن کی مغفرت فرمائے نہایت مستقیم اور ایمان دار شخص تھے۔

نقد کا بجائے رسد مقرر ہونا

مسٹر برن نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو روزانہ ۱½ شلنگ اور مولانا مرحوم کو تین شلنگ دیا جایا کرے اور علاوہ اسکے روٹی ہمارے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم روٹی نہیں پکا سکتے گورنمنٹ کی روٹی لیں گے۔ کوئلہ، شمع، صابون، حسب عادت سابقہ ملنے کا حکم جاری کر دیا اور یہ کہا کہ ماہوار اُن سے فیض الوصول پر دستخط کرا کر ہندوستان بھیجدیا کرو وہاں سے .... آتا رہیگا۔ کپڑوں کے واسطے بھی اُس نے کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کچھ دنوں کے بعد ہمارے پاس ..... کچھ نمونے کپڑوں کے بھیجے گئے کہ جن کپڑوں کو تم چاہو پسند کرو۔ چونکہ وہ بہت ہی گھٹیا تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب

نے اُن کو واپس کر دیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد اوّل سے کچھ بڑھیا نمونے آئے۔ اُس میں سے ایک نمونہ پسند کیا گیا اور اُس سے ہر ایک کیلئے ایک پاجامہ ایک صدری ایک اچکن یا لانبا کوٹ بنوا دیا گیا۔ مگر آخر میں مولانا مرحوم کے لئے کپڑا کافی نہ ہوا، کیونکہ درزی نے جو تخمینہ کر کے بتایا تھا وہ قطع کرنے کے بعد ناکافی معلوم ہوا۔ جب آفس سے طلب کیا گیا تو آفس نے امروز فردا میں بالکل ٹال دیا۔ اُس کے بعد آخر تک پھر نہ گرمیوں کا نہ جاڑوں کا کپڑا بنوایا گیا۔ البتہ جو کپڑے معمولی تھے ان میں سے تولیہ۔ پیروں کے بنیائن، کرتہ، رومال۔ موزے، سلیپر، ہم لیتے رہے۔ مگر کوٹ، پتلون وغیرہ مثل سابق ہم رَد کرتے رہے مسٹر برن نے سردی کی شکایت کی بنا پر جاڑوں کے لئے کوئلہ کی زیادہ مقدار مقرر کرا دی۔ جس سے ہم اپنے کمرے کو روزانہ گرم کر سکتے تھے۔ اخیر میں وہ ہماری قیام گاہ کو دیکھنے کے لئے خود آیا اور کمرہ کو اندر باہر سے دیکھا اور مولانا سے نہایت ادب اور تپاک سے پیش آکر مصافحہ کیا اُسوقت مولانا ترجمہ قرآن لکھ رہے تھے۔ اُس کو دیکھا پھر میز پر جتنی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کو دیکھا ان کے نام پوچھتا رہا۔ اُن کے فنون سے بھی وقفیت حاصل کی اُس کے بعد کہا کہ میں اب انگلستان چلا جاؤنگا۔ میں نے آپ سب لوگوں کے لئے ایسا اور ایسا انتظام کرا دیا ہے۔ اور پھر مصافحہ کر کے چلا گیا۔ فارسی اچھی طرح جانتا تھا۔ کانوں میں اُس کے ثقل تھا یا مین نلکی لگا کر یا زور سے سنتا تھا۔ اسگلے روز کمان دار نے مولانا مرحوم کو مع رفقاء کے بلایا اور کہا کہ مسٹر برن نے آپ کے حق میں خاص طور سے ہمکو فہمائش کی ہے اس لئے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ آپ کے لئے اب سے نقد مقرر ہوگا اور آپ کی خاص رعایتیں کی جائینگی۔ جب کبھی کوئی ضرورت ہو۔

ہو آپ ہمکو اطلاع دیتے رہیں۔
اُسوقت سے ہماری رسد بالکل بند ہوگئی اور تقریباً پندرہ سولہ دن کے بعد ۲۰ر فروری ۱۹۱۸ء روز چہار شنبہ سے نقد ملنے لگا اُس روز سے ہمکو اپنے مصارف میں آسانی ہوگئی یہ مقدار اگرچہ باعتبار مالٹا کی گرانی کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ مگر پہلی سختیوں کے حساب سے بہت ہی غنیمت معلوم ہوئی اُس وقت ہمارے پاس تقریباً ستائیس ۲۷ پونڈ باقی تھے۔ مولانا مرحوم نے حکم فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ مقدار معینہ ماہانہ میں سے کچھ بچے اُس کو صرف کر دو اور بہ نسبت پہلے کے توسیع پر تو تمہاری حسن انتظامی اس میں نہیں سمجھنا کہ اس میں سے بچاؤ۔ ہاں یہ ضرور حسن انتظام میں شمار کرونگا کہ اصلی سرمایہ یعنی ستائیس ۲۷ پونڈ تم محفوظ رکھو کہ آیندہ کسی ضرورت کے وقت کام میں آئے اس پر توسیع کے متعلق رفقاء نے اس قدر پیر پھیلانا چاہا کہ اس مقدار میں بھی پورا پڑنا مشکل ہوگیا۔ ہوگیا اِدھر اس کی خبر ہندوستان لکھی گئی۔ مگر اس کے ساتھ غالباً وحید نے یا میں نے لکھدیا کہ اگرچہ یہ مقدار بہت سی مشکلات سے رہائی کا سبب بن گئی ہے۔ مگر مالٹا کی گرانی سخت سے سخت ہے۔ ایک انڈا ان دنوں چار آنہ اور مرغی چھ روپے کو اور اسی طرح دیگر اشیاء ہیں۔ اس کی بناء پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ مرحومہ نے غالباً گورنر یو۔ پی کے پاس عرضی بھیجی کہ جو مقدار مولانا کے لئے مقرر کی گئی ہے وہ مالٹا کی گرانی کی وجہ سے کافی نہیں ہے۔ اس لئے یا تو تم خود ان کے لئے کافی مقدار پہنچاؤ یا ہم کو اجازت دو اور انتظام کر دو۔ ہم یہاں سے نقد روانہ کر دیں وہاں سے جواب آیا کہ تم فکر مت کرو۔ ہم خود انتظام کریں گے وہاں سے حکم مالٹا میں زیادتی کا پہنچا کمانڈنٹ نے مولانا اور کاتب الحروف کو طلب کیا اور مصارف کی قلت کی نسبت دریافت کیا

ہم نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کا مدار زندگی گوشت پر ہے جسکو اہل یوروپ تسلیم کرتے ہیں ہم یہاں کی گرانی کی وجہ سے بہت زیادہ کفایت کرتے ہوئے ہفتہ میں فقط تین دن گوشت کھا سکتے ہیں۔ گھی یہاں ملتا نہیں بجائے اس کے زیتون کا تیل استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی بھی ایک بوتل چھ شلنگ (للعہ) میں آتی ہے جو کہ بمشکل تمام ہمکو دو دن کو کافی ہوتی ہے۔ اور بعض کھانوں میں تو ایک بوتل ایک دن میں خرچ ہو جاتی ہے شکر ۱ار پونڈ ہے اسی طرح جملہ اشیاء کی حالت ہے اس بنا پر اسوقت سے فی کس دو شلنگ یومیہ کر دیئے (واضح ہو کہ شلنگ ۱۲ ار کا ہوتا ہے۔

مسٹر برن کے لائے ہوئے خطوط

مسٹر برن کے جانے کے تقریباً ایک ماہ یا کچھ زیادہ دنوں کے بعد لندن ہوتے ہوئے بہت سے خطوط آئے جن میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم، مولانا خلیل احمد صاحب۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مولانا حافظ محمد احمد صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب اور دیگر اعزہ اور احباب کے خطوط تھے۔ سب نے بتاکید لکھا تھا کہ مسٹر برن چیف سکریٹری مسٹن گورنر یو۔ پی جاتے ہیں۔ ہم آپ سے خواہش مند ہیں کہ آپ اُن کی پیش کردہ شرائط کو قبول فرماکر بہت جلد ہندوستان تشریف لائیں ہرگز اُن کے مطالبے کو رد نہ فرمائیں۔ ہماری استدعا پر گورنمنٹ نے یہ صورت قبول کی ہے۔ اس قسم کی باتیں اور یہی مضمون سب میں تھا۔ اسوقت حقیقت مسٹر موصوف کے آنے کی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حسب اشارہ احباب نے ایک فد علماء کا گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لیے پیش کیا تھا جس کی وجہ سے مسٹر برن موصوف مالٹا میں اُترے ہیں اور اُن کو خطوط بھی لائے ہیں۔

مگر غالباً کسی سیاسی غرض سے ان خطوط کا یہاں دنیا مستحسن نہ سمجھا گیا بلکہ وہاں پہونچنے پر بھیج دیئے گئے۔

اس کے بعد بعض امور میں ہماری خاص خاص رعایتیں کی گئیں۔ مثلاً ایک زمانہ میں شکر بازار میں نہیں تھی۔ اس لئے تمام اسراء کو سخت تکلیف ہوگئی تھی ہم نے آفس سے مراجعت کی اُسے خاص طور سے انتظام کردیا جس کی بنا پر قیمت سے ہم کو شکر مل جاتی تھی اسی طرح ظہر کے بعد سیر کے لئے دوسرے کمپوں میں جانے کی بھی ہفتہ میں تین دن کی اجازت ہوگئی۔ جسکو میں پہلے ذکر کرچکا ہوں۔

مولوی عزیر گل صاحب کا اشتغال

مولوی عزیر گل صاحب مختلف اوقات میں اعمال سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا مرحوم میں مشغول رہتے تھے۔ اور پھر کچھ وقت قرآن شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے اُنھوں نے زبان ترکی کے سیکھنے کی طرف بھی توجہ کی اور تھوڑے ہی دنوں میں بحمداللہ اچھی خاصی ترکی زبان بولنے لگے۔ اُس کے بعد انگریزی زبان کی طرف متوجہ ہوئے مگر سوء بخت یا خوش نصیبی نے اُس میں دستگیری نہ کی۔ ان کو حسب خواہش کوئی اُستاد نہ ملا اور کچھ عدم استقلالی بھی اس فن کے کمال سے مانع ہوئی۔ قرآن شریف کی طرف توجہ بہت کی مگر ضعف حافظہ اور عدم استقلالِ طبع سدراہ ہوتا رہا، موصوف کو اس کا شوق بہت ہے یاد بھی جلد کرلیتے ہیں ہیں مگر بھول بھی جلدی جاتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی اور بہت بے تکلفی سے رہتے تھے جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے اور کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔

وحید کا اشتغال اُس نے ابتدا ہی سے اجنبی زبانوں کی طرف توجہ کی اور اولاً فرانسیسی، پھر جرمنی زبان کو سیکھا پھر جب دیکھا کہ پانسہ جنگ پلٹ گیا تو انگریزی کی طرف متوجہ ہوا۔ مختلف فنون عربیہ خصوصاً حدیث اور تفسیر کی چند کتابیں اس سفر میں اس نے مولانا سے پڑھیں مگر بدقسمتی سے نہایت بے اعتنائی اور کم محنتی سے پڑھا گیا۔

کاتب الحروف کا اشتغال مجکو طالب علمی کے زمانہ سے شوق تھا کہ قرآن شریف حفظ کروں مگر بدقسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی۔ مدینہ منورہ میں بڑی بڑی مشکلوں سے سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کئی دفعہ یاد کی۔ مگر سنبھال نہ سکا بھول بھول گیا۔ جب طائف پہنچا پھر اُس کو دھرایا اور سورہ نساء، مائدہ، انعام یاد کرلیں۔ مگر جب مکہ معظمہ آنا ہوا۔ پھر بھول گیا۔ کثرت اشتغال نے مہلت نہ دی کہ آگے بڑھتا یا اُن ہی کی حفاظت کرتا۔ مالٹا پہنچکر پھر از سر نو شروع کیا چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً نصف جمادی الاوّل سے آواخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہو گئے چونکہ فارغ وقت ظہر کے بعد دو ڈھائی گھنٹہ یا اس سے بھی کم ملتا تھا۔ اس لئے زیادہ یاد نہ ہو سکا۔ اس رمضان میں مولانا نے فرمایا کہ نوافل میں سنانا چاہیئے۔ چنانچہ ہر شب میں تراویح کے بعد (جو کہ الم ترکیف سے ہوا کرتی تھی کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک سب کے سب نہیں کھڑے ہو سکتے تھے) نوافل میں سنا کرتے تھے۔ رمضان شریف کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کیا۔ مگر اس مدت میں مدینہ منورہ کے واقعات والد مرحوم کی خبر وحشت اثر اور جملہ کنبہ والوں کے رنجیدہ واقعات نے تشویشیں بہت پیدا کیں۔ تاہم فضل و

کرم خداوندی سے ماہ صفر تک پورا قرآن شریف ختم ہوگیا اور پھر روزانہ دَور کر کے محفوظ رکھا اور رمضان میں مولانا مرحوم نے سُن لیا۔ قرآن شریف یاد کر لینے کے بعد مجکو بھی ترکی زبان کی طرف توجہ ہوئی۔ کیونکہ یہ بھی ایک دیرینہ آرزو تھی۔ آہستہ آہستہ کچھ اس میں شُدبُد ہوگئی۔ مالٹہ میں داخل ہونے کے وقت بلکہ اسیر ہونے کے زمانہ ہی سے میری تین آرزوئیں تھیں: ترکی زبان سیکھنا قرآن شریف حفظ کرنا۔ باطنی اشغال میں ترقی کرنا۔ خدا کے فضل وکرم سے دُو اوّل کی تو ایک درجہ تک حاصل ہوگئیں اور تیسرا مقصد باوجود صحبت شیخ کامل اور فراغِ وقت اپنی بدنصیبی سے ناکام رہا ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مگر تاہم مجکو افضال خداوندی اور بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل سے اس باب میں بہت کچھ اُمیدیں ہیں لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ارشاد قرآنی ہے۔ اہل اللہ کی عنایت وتوجہ کبھی نہ کبھی تو ضرور دستگیری فرمائے گی۔

حکیم صاحب کا اشتغال

مولوی حکیم نصرت حسین صاحب موصوف نہایت سلیم الطبع ذکی القریحہ مستقیم الاوقات تھے۔ اُنھوں نے علم حدیث دیوبند پڑھا تھا۔ باقی کتابیں لاہور۔ کانپور، دہلی وغیرہ میں پڑھی تھیں۔ دیوبند سے تکمیل کے بعد لکھنؤ میں طب کی تکمیل کی۔ جلسہ دستاربندی ہوئی مولانا شبیر احمد صاحب کے ساتھ دورہ میں شریک تھے۔ اسی زمانہ جلسہ میں مولانا مرحوم سے بیعت بھی ہوئے تھے۔ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے گھر پر جاکر زمینداری کے انتظامات اور طب میں مشغول رہے اسی زمانہ میں انگریزی بھی کچھ پڑھ لی۔ مگر مشق پوری نہ تھی۔

اس سفر میں بولتے بولتے اچھی طرح کام نکالنے لگے تھے تقوی طبیعت میں ابتدائی سے قدرت نے دیا تھا اس لئے نمازوں کو ہمیشہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ تہجد کا بہت ہی زیادہ خیال تھا۔ فضولیات کی طرف طبیعت کو رغبت نہ تھی اسلام کا درد اور وطن اور قوم کی محبت نہایت زیادہ تھی سیاسی امور میں پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ دھن لگی رہتی تھی۔ نہایت معزز خاندان کے نونہال تھے **کوڑا جہان آباد** (ضلع فتحپور ہسوہ) اُن کا آبائی وطن ہے۔ اُن کے بعض احوال پہلے گذر چکے ہیں، جب یہ نظر بند ہوگئے تو اُن کو جدہ ہی سے خیال ہوا کہ اسوقت کو ہاتھ سے جھوڑنا نہ چاہئے۔ بلکہ سلوک طریقت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ چنانچہ اُنھوں نے مولانا مرحوم سے اس کی درخواست کی مولانا نے کوئی ذکر مناسب تعلیم فرمایا۔ چنانچہ اُنھوں نے نہایت پابندی سے جملہ اُمور تعلیم کردہ مولانا مرحوم پر عمل کرنا شروع کیا عموماً ہر وقت ذکر اسم ذات جاری رہتا تھا اور کچھ اوقات معینہ پر مراقبہ وغیرہ بھی کیا کرتے تھے وہ اسی طرح ہمیشہ اپنے کام میں مشغول رہتے اور اپنی جملہ کیفیات مولانا مرحوم سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ بعد مولانا مرحوم کے ہماری جماعت میں کوئی بھی با اوقات شب خیز تہجد گذار۔ ان سے زیادہ نہ تھا۔ بلکہ کیمپ اسرا مالٹہ میں بھی کوئی ایسا نہ تھا۔ مولانا کی نظر عنایت بھی اُن پر بہت تھی ان کو ضعف معدہ کی شکایت بھی تھی اور ہمیشہ گھر پر بھی بخار وغیرہ میں مبتلا رہتے تھے۔ یہ اپنے اوقات قرآن شریف دلائل الخیرات، ذکر، مراقبہ وغیرہ میں صرف کرتے تھے۔ ڈاکٹر غلام محمد کے چلے جانے کے بعد ایک مدت تک شام کا کھانا بھی پکاتے تھے۔ اور خود اپنی خواہش اور اصرار سے اس کو اپنے ذمہ لیا تھا۔ میں نے کوئی زور اُن پر نہ ڈالا تھا۔ اور

نہ ڈاکٹر غلام محمد پر۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ہیں نے ان سے یہ کام لے لیا تھا۔ ان کی طبیعت کچھ عرصہ کے بعد مالٹا میں خوب سنبھل گئی تھی۔ اور جو شکایتیں ان کو ضعف معدہ اور بخار وغیرہ کی تھیں جاتی رہی تھیں۔ مگر ماہ رجب ۱۳۳۶ھ سے ان کو پھر تپ ولرزہ کے دورے شروع ہوئے خیال کیا گیا کہ معمولی جیسے ہمیشہ ان کو اس قسم کے دورے ہوا کرتے تھے ویسے ہی ہیں نہ انھوں نے کوئی فکر کی اور نہ دوسرے لوگوں نے یہی حال تمام شعبان رہا۔ رمضان آنے پر انھوں نے روزے بھی رکھے اور اخیر شعبان میں بعض مسہلات بھی استعمال کی۔ مگر فائدہ نہ ہوا۔ او اخیر رمضان میں بمجبوری ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے مختلف دوائیں استعمال کرائیں۔ جن کو حکیم صاحب بوجہ رمضان شریف دن کو استعمال نہ فرماتے تھے۔ بلکہ شب کو استعمال کرتے تھے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا عید کے بعد پھر ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ ان کو ہسپتال جانا چاہیئے۔ ہم نے زور دیا کہ ان کی دوا یہیں کی جاوے مگر اس نے کہا کہ یہاں باقاعدہ علاج نہیں ہوسکتا۔ ابتک کیا گیا۔ مگر کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوا۔ وہاں جانا ضروری ہے ہمنے جب دیکھا کہ یہ صورت نافع نہیں ہے تو درخواست کی کہ اچھا ہم میں سے ایک آدمی ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور یہ ضروری امر ہے اس کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس نے کہا یہ نہیں ہوسکتا ہے۔ خلاف قاعدہ ہے اور پھر ایک کے ساتھ دوسرا بھی مریض ہوگا الغرض ان کو وہاں پہنچا دیا۔ ہم نے آفس میں اس کے متعلق درخواست کی کہ یا تو ہم میں سے ایک آدمی کو وہاں رہنے کی اجازت دیجائے ورنہ کم ازکم روزانہ ہمکو ان سے ملنے اور انکی خبرگیری کرنے کی اجازت دیجائے انھوں نے اول بات کی تو اجازت نہ دی مگر یہ کہا کہ ہر تیسرے دن تم جا کر دو بجے کے بعد مل سکتے ہو۔ چنانچہ ان کے داخل ہونے سے پانچ چھ دن کے

بعد ہم وہاں گئے مگر ان کی حالت بہت گری ہوئی اور کمزور پائی معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت جس میں بڑے بڑے آفیسر ہیں اُن کی مدارات میں مشغول ہیں۔ اور بہت توجہ سے کام کر رہے ہیں جو میم کمپونڈری اور دوسری ضرورتوں کو انجام دیتی تھی وہ اُن پر خاص طور سے مہربان ہے جس کی وجہ ان کا انگریزی جاننا اور برٹش رعیّت ہونا ہے۔ کیونکہ اُس تمام ہال میں سب غیر برٹش رعایا بلکہ دشمنانِ برطانیہ تھے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ میں تمہارے لئے یخنی اور دوسری مقوی دوائیں جن میں شراب کا جوہر پڑتا ہے دونگی جس سے تمہاری صحت بہت جلد کامل ہو جائے گی۔ مگر اُنھوں نے یخنی اور ایسی مقوی دواؤں سے انکار کر دیا کہ ہمارے مذہب میں یہ چیزیں حلال نہیں۔ اُس نے نہایت افسوس کیا پھر ہمکو ہسپتال سے حکم آیا کہ تم خود ذبح کر کے اس کی یخنی بھیجا کرو۔ چنانچہ ہم نے اُس کا انتظام کر دیا، اور روزانہ بھیجتے رہے جو لوگ اُس ہال میں بیمار تھے اُن میں بعض مسلمان بھی تھے۔ اور بعض عیسائی تھے مگر اکثر حصہ عیسائیوں کا تھا۔ جن میں سے بعض سے قدرے واقفیت بھی تھی اور ان میں مادہ انسانیت کا بہت زیادہ تھا۔ ان کی صحت بھی تقریباً کمال کو پہنچ چکی تھی ان لوگوں نے بہت اچھی طرح حکیم صاحب کی خبرگیری کی حکیم صاحب نے کچھ نقد بھی لیا کہ خدام کو برابر دیتے رہیں اگے تاکہ خبرگیری اور خدمت پوری طرح سے ہو ہم کو کبھی اُمید ان کی صحت کی بندھ جاتی تھی اور کبھی خوف بھی ہوتا تھا۔ مگر آخر شوال میں انکی حالت زیادہ گرنے لگی۔ اُسوقت ہم نے آفس سے درخواست کی کہ ہمکو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔ حکیم صاحب سے بھی طلب کرایا۔ مگر اُس کے جواب آنے پر وہاں سے بہت تاخیر ہوئی غالباً ۳ ذیقعدہ کو اجازت ملی مگر فقط تحریری اجازت تھی جب ہم نے چاہا تو ایک دو دن کی تاخیر افسروں کے نہ موجود ہونے

یا کسی اور عذر سے کرادی گئی نویں تاریخ کو جب ہم اجازت لینے گئے تو ہم کو خبر دی گئی کہ آج ان کا شب کو صبح سے قریب انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
اس سے تقریباً دو روز پہلے بھی حسب عادت ہم گئے تھے۔ ان ایام میں ان کو سانس بہت زور سے اور جلدی جلدی آیا کرتا تھا۔ ہوا کے لئے برقی پنکھا ان کے آگے رکھا رہتا تھا وہ اکثر تکیوں کے سہارے پر کمر لگائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے وفات سے ایکدن پہلے جب ہم گئے تھے۔ تو آواز بہت پست پائی تھی مگر وہ خود اطمینان سے تھے کسی قسم کی گھبراہٹ اُن کو نہ تھی۔ ان کا رُخ قبلہ کی طرف ایک عرصہ سے اس وجہ سے کر دیا گیا تھا کہ ان کو اُٹھنے اور چلنے کی اجازت ڈاکٹروں کی طرف سے نہ تھی۔ اس لیے ان کو نماز پڑھنا چارپائی ہی پر اشاروں سے پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ چارپائی رو بقبلہ رہتی تھی۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ رات کو چارپائی سے اُتر کر خفیہ نماز پڑھا کرتے تھے (واللہ اعلم) ان سے جب ملنا ہوا تو اُنھوں نے کہا کہ ذکر میرا جاری ہے اور تعلق خداوند ذوالجلال سے بندھا ہوا ہے۔ وللہ الحمد والمنتہ
چونکہ مرحوم کا مرض نمونیا تجویز کیا گیا تھا۔ اور وہ امراض متعدیہ میں سے ہے اس لئے کمانڈار اسرا نے مولانا مرحوم کو اور ہمکو بلا کر کہا کہ حکیم صاحب مرحوم کی نعش تم کو قبرستان میں ملے گی۔ لیکن فقط دور سے نماز پڑھ لیناا۔ تابوت کے پاس کبھی مت جانا۔ ہم نے اصرار کیا کہ ہم کو غسل دینا کفن پہنانا ضروری ہے اس نے کہا کہ ڈاکٹر کا حکم ہے کہ ان کے پاس بھی کوئی نہ جاوے میں نے کہا ہم کو شریعت کا حکم ہے۔ غرضکہ اس بارہ میں مولانا مرحوم سے اور کمانڈار سے بہت زیادہ رَدّ وقدح ہوتی رہی۔ جب اُس نے زیادہ ردوقدح کی اور لگے تقریباً آدھ گھنٹہ کی رَدّ و قدح پر بھی راضی نہوا تو ہم نے کہا اچھا ہم نہ نہلائیں

مگر کفن تو پہنا دیں۔ بڑی مشکلوں سے وہ اِس پر بھی جب راضی ہوا جب مولانا خفا ہو کر کہنے لگے کہ جب آپ کو ہمارے مذہبی ضروریات پر اولی توجہ نہیں تو پھر ہم کو کیوں بلایا خود ہی جو چاہتے تھے کر دیا ہوتا یہ کہا اور لوٹ جانیکے لئے آمادہ ہو گئے اُسوقت اجازت دی۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس بہانہ سے ہم ان کو تیمم کرا دیں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شفاخانہ میں اُن کو اپنے طریقہ پر دوا کے پانی سے ڈاکٹروں نے خوب نہلایا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ کافی تھا۔ مگر ہم چاہتے تھے کہ طریقہ مسنون پر اُن کو نہلائیں خلاصہ یہ ہے کہ اُن کے لئے مقبرہ میں جانے کے واسطے ہم نے تقریباً پچاس یا ساٹھ آدمیوں کی اجازت طلب کی۔ کمانڈار نے اجازت دیدی یہ سب وہاں گئے۔ ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں وہاں نہیں ہو سکا تھا ان کو تیمم کرا کے کفنایا گیا اور پھر مولانا مرحوم نے بادل غمگین نماز پڑھائی اور دروازہ کے قریب ہی ان کی قبر کھدی ہوئی تیار تھی، اُس میں دفن کر دیئے گئے ان اُن کے مصارف جو وہاں واقع ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے پاس سے دیئے ہی تھے۔ مگر گاڑیوں کا کرایہ کرنیل اشرف بیگ نے جو کئی پونڈ کی مقدار میں ہوتا تھا۔ بغیر ہماری اطلاع کے دیدیا۔ ان کی قبر پر جو کہ مثل دیگر قبور کے خام ہے۔ ایک پتھر حسب رائے مولانا مرحوم لگا دیا گیا ہے جس پر ذیل کی عبارت کندہ ہے اس پتھر کو کرنیل اشرف بیگ ہی نے کندہ بھی کرایا تھا اور لگوایا بھی تھا۔ کیونکہ اُس نے ایک بڑی مقدار نقود کی خرچ کر کے بطور یادگار جملہ اسرائے مدفونین کے لئے پتھر کندہ کرائے تھے۔ اور بیچ میں ایک مربعہ ستون پتھر کا جس میں سنگ مرمر جملہ ان ترکی اسراء کا نام کندہ تھا جو کہ ایام اسارت جنگ عمومی میں وہاں مدفون ہوئے۔ کرنیل مذکور کی کیفیت اور تفصیل اس وقت چونکہ ممکن نہیں اسلئے

یہ کتبہ حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم اسیر مالٹا کی قبر پر لگا ہوا ہے کرنیل اشرف بیگ کا نظم

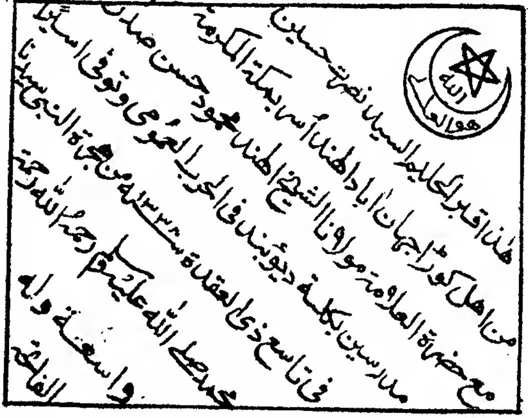

اگر زندگی باقی رہی تو پھر لکھونگا۔ مرحوم اپنے مرض وفات میں اپنے گھر کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے چونکہ ضعیف العمر والدہ، جوان بیوی، اور نوعمر بچے و دیگر رشتہ دار تھے اس لئے طبعی رغبت ضرور تھی اور پھر وہاں اسارت اور سفر میں کما حقہٗ خدمت نہیں ہوسکتی تھی۔ مالٹہ میں جو اسراء وفات پا جاتے تھے۔ خصوصاً غیر ممالک کے ان کے سینہ کو چاک کر کے اندرونی اعضاء کو دوا میں رکھا جاتا تھا۔ جس سے غالباً یہ مقصود تھا کہ اگر حکومت مخالفہ دعویٰ یا شبہ کرے کہ میت کو کوئی زہر وغیرہ دیا گیا ہے تو دل اور جگر کی کیفیت سے معلوم ہو سکے۔ (واللہ اعلم) اس لئے ہم نے اولاً یہ کوشش کی کہ حکیم صاحب کے شکم کو چاک نہ کیا جائے، اور اس پر مولوی عزیر گل صاحب

نے بہت زور دیا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اسرار کا چھوڑا جانا حکیم صاحب مرحوم کی وفات سے دو تین مہینے کے بعد سے اسراء کا چھوڑا جانا شروع ہو گیا اول اول جرمنی لوگ چھوڑے گئے پھر اسٹرین، بلغاری وغیرہ مگر بہت تھوڑی تھوڑی مقدار میں لوگ چھوڑے جاتے تھے تقریباً تین ماہ میں اکثر حصہ اسراء کا روانہ کردیا گیا۔ اس وقت سب اسیروں کو مختلف جگہوں اور کمپوں سے منتقل کر کے دردالہ میں رکھا گیا ترکی اور شامی اسرار اُس وقت تک نہیں چھوڑے گئے تھے جو لوگ روگیٹ کیمپ یا دال فرسٹہ یا سنیٹ کلیمت براکس وغیرہ میں تھے سب کے سب وہاں جمع کر دیئے گئے۔ جو لوگ زمانہ التوائے جنگ کے بعد استنبول سے پکڑے گئے تھے۔ ان کو اس اسارت گاہ سے بہت دور رکھ رکھا تھا۔ اور ان قدیمی اسیروں سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ انہیں شیخ الاسلام خیری آفندی اور احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد اور دوسرے ترکی کے معزز اور اکابر عہدہ دار تھے۔ اس وقت میں ان کو بھی یہیں جمع کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام خیری آفندی کا کمرہ ہمارے کمرے کے قریب تھا۔ اس مرتبہ ہم کو دردالہ میں دو کمرے دوسرے طبقہ پر نہایت مکلّف ملے۔ جس میں سے ایک حضرت مولانا کے لئے خاص کر دیا گیا اور اُس میں ایک طرف مولوی عزیر گل صاحب کی چارپائی تھی اور اس میں پردے کے باہر مہمانوں کے لئے میز کرسیاں بچھا دی گئی تھیں اور دوسرے کمرے میں کھانے پکانے کا جملہ سامان تھا اور اُس میں میں اور وحید تھے۔ کھانا بھی یہیں کھایا جاتا تھا ہمارے رفقاء اہل صید ہم سے ذرا کچھ دور ہو گئے تھے۔ مگر اسی کیمپ میں تھے۔ کچھ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ان کی روانگی کا بھی وقت

آگیا اور وہ بھی اپنے اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔ اس وقت سے ہم کو اپنے کاروبار میں ذرا دقت کا سامنا ہو گیا۔ کیونکہ کوئی شخص کاروبار ضروریہ کا انجام دینے والا نہ رہ گیا تھا۔ مگر بسبب الاسباب ہر قسم کی آسانی پہنچاتا ہے اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد باقی ماندہ ترک اور دوسرے اقوام بھی اپنے اپنے ممالک کو سفر کر گئے جو لوگ کہ التوائے جنگ کے بعد پکڑے گئے تھے وہ اور کچھ دوسرے لوگ باقی رہ گئے وردالہ کا اکثر حصّہ فارغ ہو گیا تو ہم کو تقریباً ڈیڑھ ماہ رہنے کے بعد وردالہ سے بھی وال فرسٹہ میں منتقل کر دیا گیا وال فرسٹہ کے کمرے نہایت ہی آرام کے تھے۔ ہر کمرہ میں چار حصّے میں نل اور غسل وغیرہ کا سب سامان تھا۔ ایک کمرہ ہم سبھوں کے لئے کافی تھا۔ وہاں سے بھی لوگ آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے یہ سب کچھ ہوتا رہا، اور تقریباً پانچ یا چھ ماہ اسیروں کو سفر کرتے گذر گئے۔ مگر ہماری نسبت کوئی خبر نہ آئی یہاں تک کہ پرانے اسراء میں سے فقط دس بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ جن میں سے پانچ یا چھ اسٹرین یا جرمنی تھے جو کہ مصر کو جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کے متعلقین مصر میں تھے۔ حکومت برطانیہ اُن کو وہاں بھیجنا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی اور اسی طرح پانچ چھ ترکی آفیسر تھے۔ جو کہ قوم اور وطن کے خائن تھے ایام جنگ میں انگریزوں سے مل گئے تھے۔ وہ اپنے ملک کو واپس ہو جانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ بھی مصر جانا چاہتے تھے۔

اسی وال فرسٹہ میں سعید حلیم پاشا سابق صدر اعظم ٹرکی اور ان کے بھائی عباس حلیم پاشا سابق گورنر بورصہ کرنیل جلال بگ جرنیل علی احسان پاشا۔ جرنیل فخری پاشا۔ خیر الدین آفندی جرنیل محمود پاشا وغیرہ وغیرہ اکابر ٹرکی تھے۔ جن سے اکثر ملاقات ہوتی تھی اور مولانا سے ملنے کے لئے یہ حضرات آیا کرتے تھے۔ آخر کار انتظار کرتے کرتے ہمارے لئے بھی وقت آپہونچا۔

مالٹا سے روانگی

قاعدہ تھا کہ جب کسی اسیر کی نسبت روانگی قرار پاتی تھی تو اُس کو آٹھ دس دن پہلے خبر دیجاتی تھی کہ وہ تیار رہے اور جس دن جانا ہوتا تھا۔ یکبارگی اُسکو حکم روانگی کا دے دیا جاتا تھا۔ جب کہ ایکمرتبہ حکم دیا گیا جسپر ہم تیار رہے مگر آٹھویں دن خبر ملی کہ اس آگبوٹ میں بیمار رہیں۔ اس لیئے دوسرے آگبوٹ میں جانا ہوگا۔ تقریباً دس پندرہ دن کے بعد ۲۲ رجمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ ر مارچ ۱۹۲۰ء جمعہ کے دن تقریباً دس بجے دن کے ہم وہاں سے روانہ ہوکر آگبوٹ پر سوار کرا دیئے گئے ہمکو سکنڈ کلاس کے کمرے دیئے گئے اور چونکہ وہ جہاز جنگ کی مہمات کی خدمت کیلئے تھا۔ اسلیئے اس میں جملہ کاروبار کرنیوالے عموماً افغانی لوگ تھے جو کہ صوبہ فرانٹیر کے ہمارے کھانیکا انتظام انہیں کے سپرد کیا گیا چونکہ مولوی عزیز گل صاحب اس صوبہ کے ہیں۔ ان سے ان لوگوں کی پشتو میں بات چیت ہوئی تو وہ انکے شیدا ہو گئے انھوں نے نہایت اخلاص سے کھانے پینے وغیرہ کا انتظام کیا مگر اُن پر افسروں کی سخت تاکید تھی کہ کوئی ان میں سے نہ ہمارے پاس بیٹھے نہ بات چیت کرے فقط کھانا وقت پر پیش کر دیا کرے وجہ یہ تھی کہ اُن کو خوف تھا کہ یہ سیاسی ہیں۔ ان لوگوں کو خراب نہ کر دیں ۲۵ ر جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو مطابق ۱۵ ر مارچ ۱۹۲۰ء صبح کے قریب یہ آگبوٹ اسکندریہ پہنچا وہاں عرصہ تک انتظار ہوتا رہا۔ مگر قریب شام کے کچھ سپاہی اور افسر آئے۔ ان کے ساتھ ہم روانہ ہوئے وہ لوگ ہم کو نہایت بے ترتیبی کے ساتھ لے گئے اسباب کو قلیوں کے سپرد کر دیا اور ہمکو ٹرام موٹر میں سوار کرکے گوروں کے فوجی کیمپ میں لے گئے اور وہاں پر مجرم سپاہیوں کے قید کا جو کیمپ تھا۔ اس میں ہمکو داخل کر دیا اور ہمپر اسی طرح سخت پہرہ کر دیا جیسا کہ اُن لوگوں پر تھا اشا کا وقت ہو گیا تھا کچھ کھانا اُنھوں نے ہم کو دیا اور خیمہ

ہیں نہ گدا تھا نہ بچھونا نہ چارپائی تھی نہ روشنی فقط کمبل دیکر پڑے رہنے کو کہدیا۔ اسباب قریب عشاء کے پہنچا۔ اس کو بھی انھوں نے اندر داخل نہ ہونے دیا دروازہ پر باہر ہی رہا اس شب کو ہم کو بہت تکلیف اُٹھانی پڑی صبح کو افسر آیا اور ہم نے جو کچھ معاملہ گذرا تھا بیان کیا اُس نے بہت عُذر و معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کر کے کہا کہ میں معافی کا خواستگار ہوں مجکو بالکل اطلاع نہ تھی۔ الحاصل اُس نے اُسی وقت اپنے بڑے آفس میں جا کر گفت و شنید کر کے سیدی بشر میں جو کہ مصر میں قرارگاہ اسراء تھا بھجوا دیا ہمارا اسباب تو گاڑی پر بھجوایا، مگر ہمکو پیدل بھجوایا۔ جگہ نہایت دُور تھی۔ چلتے چلتے ہم نہایت پریشان ہو گئے چونکہ عرصہ دراز سے قید میں تھے اس لئے چلنے کی عادت چھوٹ گئی تھی پھر مولانا کو بھی مشکل تھی سپاہی بندوق لئے ہوئے ہمارے ساتھ تھے آخرکار ہم ۲۶ رجمادی الثانی کو تقریباً ایک بجے وہاں پہونچے ہمکو اسی وقت قرارگاہ کے کیمپ میں داخل کر دیا گیا۔ جس میں قرنطینہ نئے اسیروں کا ہوا کرتا تھا۔ اس میں تین خیمے نصب کر دیئے گئے اور چارپائیاں گدے وغیرہ جملہ ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ داخل ہونے وقت سب کی تلاشی لی گئی مولوی عزیز گل صاحب غفلت کی حالت میں آئے تھے ان کے پاس ۲۷ پونڈ تھے ان کو لے لیا گیا اور رسید دیدی گئی۔

سیدی بشر میں اُس وقت ترکی اسرار کی بہت بڑی مقدار موجود تھی غالباً آٹھ نو کیمپ میں خدمت کے لئے ترکی سپاہی تھے۔ ہمارے کھانیکا انتظام باہر سپاہیوں کے متعلق کیا گیا۔ جو کہ ہندوستانی یا ولائتی تھے۔ کیونکہ وہاں پہرہ وغیرہ ہندوستانیوں کے ذمہ تھا وہ لوگ جیسا خود کھاتے تھے دال روٹی لاتے تھے گوشت بہت کم ہوتا تھا۔ جو ترکی افیسر ادگرد کے کیمپوں میں موجود تھے وہ ہم پر نہایت شفقت کرتے تھے اور بہت زیادہ محبت

اور لطف سے پیش آتے تھے۔ ہم نے خیال کیا کہ گنتی کے بعد حسب عادت جیسے کہ دوسرے کیمپ کھلتے ہیں اور لوگ آپس میں ملتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا مگر ہمارے لئے بالکل اجازت کسی سے ملنے اور آنے جانے کی نہ تھی بلکہ دوسرے اسرار سے دور سے باتوں کی بھی اجازت نہ تھی۔ پھر یہ خیال کیا کہ شاید دو تین دن کے بعد جب کہ ایام قرنطینہ ختم ہو جائیں اجازت ہو مگر جب بھی نہ ہوئی جو انگریز افسر اور کمانڈار تھا اُس سے کہا گیا، ترکی افسروں نے خود درخواست کی تو اُس نے کہا کہ یہ لوگ سیاسی ہیں اور تم جنگی ہو، آپس میں اجتماع خلاف قانون ہے اخیر تک ہم آپس میں نہ مل سکے مگر چونکہ راستہ بعض بعض کیمپوں میں سے تھا اس لئے چلتے چلتے بعض اشخاص سے مصافحہ وغیرہ ہو جاتا تھا وہ لوگ ہمارے پاس اکثر ہدایا وغیرہ بھیجتے تھے۔ ہم اصرار بھی کرتے تھے مگر وہ نہ ملتے تھے۔ کھانے کی حالت پر اُنھوں نے کہا۔ کہ تم کمان ڈار سے کہدو کہ خشک رسد تمہاری ہمارے باورچیخانے میں دیدیا کرے ہمارے یہاں سے کھانا پکا ہوا تمہارے واسطے آیا جایا کریگا۔ چنانچہ یہی انتظام کیا گیا۔

سیدی بشر سے سوئز کو روانگی

تقریباً اٹھارہ روز وہاں اسی طرح قیام ہوا۔ ۱۳ رجب ۱۳۳۵ھ مطابق ۲ راپریل ۱۹۲۰ء کو وہاں سے روانگی ہوئی اور اسی طرح سنگینوں کے بیچ میں ہم اسٹیشن پر پہنچائے گئے فسٹ کلاس میں سفر کر کے شام کے قریب سویس پہنچے ہمکو خیال تھا کہ آگبوٹ وہاں تیار ملے گا مگر بدقسمتی سے پھر کیمپ اسرار میں قید کئے گئے وہاں پر آبادی سے دور اسارت گاہ تھی جس میں بہت سے ترکی افیسر اور سپاہی تھے پہرہ ہندوستانی سپاہیوں کا تھا ہمکو

مغرب کے بعد وہاں داخل کر دیا گیا اور دو خیمے دے گئے جن میں رہنا شروع کیا یہاں پر ہمکو سبھوں کے ساتھ رکھا گیا وہ بیچارے عراق سے پکڑے گئے تھے، اور استنبول بھیجنے کے وعدہ پر سویز لائے گئے تھے جو کہ دو تین ماہ سے وہاں پڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں سے مل کر نہایت دلچسپی رہتی تھی۔ نہایت توجہ اور کرم سے پیش آتے تھے۔ مگر عموماً افسر نہایت تنگدستی کی حالت میں تھے۔ کیونکہ ان کی نہ تو تنخواہیں ملتی تھیں نہ ان کو آگے روانہ کیا جاتا تھا فقط کھانے کا انتظام تھا ہمکو بھی یہی دقت پیش آئی چونکہ وہاں بھی چیزیں نہایت گراں آتی تھیں ادھر ہم سے جو پونڈ اسکندریہ میں لیلئے تھے ان کے بدلے ہمکو نوٹ دیئے گئے ساورن نہیں دیگئی۔ ہمنے اصرار بھی کیا مگر ایک نہ سُنی گئی ساورن وہاں پندرہ روپیہ سے زائد کو تھی مگر نوٹ ایک ساورن کا دس کو چلتا تھا سیدی بشر میں اور یہاں سویس میں یہی مقدار کام آئی یہاں اگبوٹ کے انتظار میں ہمکو بہت زمانہ گذارنا پڑا تقریباً پونے دو مہینے گذر جانے کے بعد آگبوٹ کی آمد ہوئی۔

سویس سے روانگی

پانچویں رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء اتوار کے دن دس بجے صبح کو کیمپ سے روانہ ہو کر آگبوٹ پر پہنچے فسٹ کلاس ہمکو دیا گیا اور کمروں میں اسباب وغیرہ جما دیا گیا اُسی روز شام کو آگبوٹ روانہ ہو گیا ۱۲ رمضان المبارک کو اتوار ہی کے دن آگبوٹ عدن پہنچا اور پھر ۲۰ رمضان المبارک کو پیر کے دن بمبئی پہنچا ہوا ہیں (کاتب الحروف) اور مولوی عزیر گل صاحب اکثر اسباب لیکر کنارہ پہنچے اور تھوڑی کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور وحید کے لینے کے لئے روانہ کیا اتنی ہی دیر میں بارش ہو گئی دریا میں طوفان آگیا۔

جس کی وجہ سے اس روز حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور وحید نہ آسکے اگلے دن بمشکل تمام مولانا کو اتار اگیا بمبئی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہم بالکل آزاد ہیں۔ کسی قسم کی روک ٹوک ہمکو نہیں۔ بمبئی میں آگبوٹ پہنچنے پر سب سے اول سی۔ آئی۔ ڈی کا افسر انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے جن میں بہاؤالدین صاحب بھی تھے آئے اُس انگریز نے مولانا سے کہا کہ میں کچھ آپ سے علیحدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں مولانا کمرے میں چلے گئے اُس نے کہا کہ مولوی رحیم بخش یہاں آئے ہیں آپ بغیر اُن کے ملے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اُتریں یہ کہکر وہ چلا گیا ہمنے عرصہ تک انتظار کیا آخر کار ہم اسباب لیکر اُتر آئے اُسکے بعد مولوی رحیم بخش صاحب وہاں پہنچے۔ مولانا سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ موصوف گورنمنٹ کی طرف سے مولانا پر اثر ڈالنے کیلئے بھیجے گئے تھے جس سے مقصد یہ تھا کہ مولانا یہاں پہنچنے کے بعد سیاسیات میں دلچسپی نہ لیں مگر ایک تو مولانا کچھ اپنے ارادہ میں کمزور نہ تھے ان کی پختگی گورنمنٹ اور خلافت پر ظاہر ہو چکی تھی۔ ادھر مولوی صاحب موصوف مہذب تعلیمیافتہ بزرگوں کے دیکھنے والے۔ مولانا کی شدت عزم و استقلال سے واقف تھے۔ اس لئے وہ کوئی قوی اثر نہ ڈال سکے اُنھوں نے دبھی الفاظ استعمال کئے اور جلسوں کی شرکت وغیرہ سے نفرت ضرور دلائی جلسوں میں جو بے عنوانیاں ہوتی تھیں انکا بھی تذکرہ فرمایا اور اس پر زور دیا کہ مولانا اُترنے کے ساتھ ہی ریل پر سوار ہو کر دیوبند کو روانہ ہو جائیں بمبئی میں خلافت والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں اُنھوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کے قلبی ارادوں اور مذہبی عزائم سے روکنا نہیں چاہتا مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے مبادا آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو پیدا نہ ہو جائے۔ مگر وہاں تو بقول شخصے ؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے

ان کا قلبی مذاق یہی تھا، مرض وفات کے زمانہ میں کئی مرتبہ فرمایا کہ میں اس مرض سے اچھا ہو کر قصد کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان میں اسی تحریک و اشاعت کے لئے دورہ کرونگا۔ آخر کار ایک تھی نہ سنی خلافت کمیٹی نے استقبال کیا انہیں کے مکان پر قیام فرمایا انہیں کے یہاں دعوتیں ہوئیں اڈیرس پیش کیا گیا ۲۲ اور ۲۳ رمضان کو قیام فرمایا کر جمعرات کی شام کو ۲۴ رمضان کی شب میں ایکسپریس پر روانہ ہو کر ۲۵ رمضان کی صبح کو ہفتہ کے دن دہلی پہنچے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی شب کو وہاں سے روانہ ہو کر ۲۶۔ رمضان المبارک کو تقریباً ۹ بجے صبح کو دیوبند پہنچے۔ راستہ میں اہل میرٹھ نے اڈیرس پیش کیا میرٹھ شہر، میرٹھ چھاؤنی۔ مظفر نگر وغیرہ پر بہت ہی زیادہ مجمع تھا اور دیوبند میں بھی استقبال کرنے والوں کا جم غفیر تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وامدنا باملادہ ولا یحرمنا عن برکاتہ فی الدنیا والآخرۃ آمین یارب العالمین

عرض حال

چونکہ میں اسوقت تک جیل کراچی میں حوالات تھا اور غالباً کل کو یعنی غرہ ربیع الاوّل کو مقدمہ سشن سے فیصل ہو جائے گا اور ہمکو سزائے قید کا حکم قلم و دوات کاغذ سے محروم کردے گا۔ اس لئے آخری واقعات میں میں نے تفصیل سے کام نہیں لیا بعض بعض باتیں چھوڑ دیں۔

میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں اور امید وار ہوں کہ جو کچھ غلطیاں مجھ سے واقع ہوئی ہوں ان سے چشم پوشی فرماتے ہوئے میری مغفرت اور حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں۔

فی لیلۃ الجمعہ اول ربیع الاوّل سنہ ۱۳۴۰ھ

کرنیل اشرف بیگ کے مفصل حالات

کرنیل اشرف بیگ ترکی حکومت کے نہایت سربرآوردہ لوگوں میں سے اور صاحب مروت شخص تھا ہمارے مالٹہ میں پہونچنے کے تقریباً دو ماہ بعد مالٹہ پہونچا اور اتفاق سے جس کمرے میں "بیگباشی" میجر حسن عزت بیگ رہتا تھا اُسی میں قیام پذیر ہوا۔ ہماری اور موصوف کی ملاقات پہلے پہل کپتان (یوزباشی) علی بیگ مرحوم سے ملنے کے لئے جانے وقت ہوئی تھی کیونکہ ایک ہی موٹر بس جانا ہوا تھا اُس میں وہ اور ایک اُس کا رفیق لوزی آفندی مصری اور حضرت مولانا مرحوم اور کاتب الحروف گئے تھے۔ جس وقت روانگی کے وقت آفس میں مجمع ہوئے اُس وقت لوزی آفندی نے جو کہ پہلے سے ہم سے واقفیت رکھتا تھا اور اشرف بیگ موصوف سے بھی واقف تھا۔ تعارف کرایا تھا پھر علی بیگ مرحوم کے پاس قید خانہ میں پہونچکر اور بھی زیادہ تعارف ہوا۔ اُس روز سے مولانا مرحوم کو اُس سے اور اُس کو مولانا مرحوم سے بہت زیادہ تعلق ہو گیا اور اخیر تک نہایت گہرا تعلق رہا۔

کرنیل موصوف کے والد ماجد سرکیشیہ کے رہنے والے ایک بڑے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے نہایت دیندار شخص تھے۔ اُس کے

اُس ملک پر تسلط کر لینے کے بعد بہت سے خاندانوں نے وہاں سے ہجرت کر کے مختلف ترکی ممالک میں سکونت اختیار کر لی تھی ان کے والد ماجد وہاں سے آئے اور استنبول میں پہنچے۔ سلطان عبد الحمید خان مرحوم نے ان کے حال پر نظر عنایت کی اور خاص توجہ سے اُنکو اور اُن کے جملہ متعلقین کو باریاب کیا اور اپنے خاص عجائب خانہ پرپند کا داروغہ بنادیا جس کو ترکی میں قوش باشی اور عربی میں باشبتہ الطیور کے لفظ سے اس زمانہ میں یاد کیا جاتا ہے۔ اشرف بیگ موصوف پر لڑکپن ہی کے زمانہ سے سلطان عبد الحمید خان مرحوم کی نظر عنایت بہت زیادہ تھی اپنے بچّوں کے ساتھ محل سرا میں ان کی تربیت فرمائی قرآن شریف حفظ کرایا اور جب قران شریف تمام ہوا تو اُس روز خاص جشن کیا عمائد اور اکابر وغیرہ کی دعوت کی اور اُستاد کو خلعتیں دیں۔ لکھنا پڑھنا سکھلایا اور بڑے ہونے کے بعد مکاتب حربیہ وغیرہ میں داخل کیا۔

اشرف بیگ کی اخلاقی حالت

چونکہ سرکش لوگ نہایت تندرست قومی جنگ جو بہادر عموماً ہوتے ہیں اور ان میں سے یہ خاندان نہایت سربرآوردہ تھا۔ اس لئے فطرتی طور پر اشرف بیگ نہایت مستقل مزاج نہایت صابر۔ جفاکش بہادر۔ ابتدائے عمر سے واقع ہوا تھا۔ اُس کی ابتدائی عمر کی جفاکشی اور مستقل مزاجی کے نہایت دلچسپ واقعات ہیں۔ جن کو اُس نے خود اپنی سوانحعمری میں دکھلایا ہے۔ ہم انکی طرف ناظرین کو طول کی وجہ سے توجہ دلانا نہیں چاہتے وہ اگرچہ سلطان عبد الحمید مرحوم کا پروردہ تھا مگر وہ اپنے سینہ میں دردوالا دل رکھتا تھا اپنے سر میں حقیقت شناس دماغ رکھتا تھا۔ اُس کی نظر قومی مفاد اور اسلامی قوت پر زیادہ رہتی تھی اُس نے لڑکپن کے زمانہ سے سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کے

اندرونی اور بیرونی احوال پر بخوبی اطلاع حاصل کرلی تھی وہ خود بارہا مجالس میں اقرار کرتا تھا کہ لوگ سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی دیانت اور تقویٰ میں گفتگو کرتے ہیں مجھ سے زیادہ کوئی اُس کے احوال سے واقف نہیں۔ میری طبیعت شرارت کی وجہ سے بارہا مجکو سلطان مرحوم نے محل سرائے میں اپنے ہاتھ سے مارا بھی ہے۔ سلطان مرحوم اعلیٰ درجہ کا متدین۔ عابد وزاہد تھا۔ عبادات میں نہایت اعلیٰ پیمانہ رکھتا تھا فقط اُس کے اردگرد ایسے خود غرض لوگ جمع ہوگئے تھے جنہوں نے اُس کو عام قوم کی طرف سے بدظن کردیا تھا۔ اُسکے دل میں اپنی جان کا خوف بٹھادیا تھا۔ وہ لوگ اپنے شخصی منافع پر قوم کو اور قومی اسلامی مفاد کو قربان کرتے رہتے تھے مدت تک ہم نے اصلاح کی ہر قسم کی کوششیں کیں۔ مگر کامیاب نہ ہوسکے وہ نہایت زیرک اور عقل مند تھا۔ اُس کو تجربہ بھی حکومت کرتے کرتے بہت حاصل ہوگئے تھے۔ خود اشرف بیگ کو جلاوطن کرکے اڈریانوپل میں تقریباً دو برس رکھا، اُس کے بعد معافی ہوئی پھر حجاز میں مدینہ منورہ میں نظر بند کیا۔

اشرف بیگ نے ابتدائی تعلیم حاصل کرکے حربی کالج میں بھی تعلیم حاصل کی تھی مدینہ منورہ کی نظر بندی کے زمانہ میں معافی ایک مرتبہ ہوجانے کے بعد پھر عثمان پاشا والئی مدینہ نے اُسکو پکڑنا چاہا تو وہ بھاگ گیا اور بدوؤں سے مل کر اُنھیں میں بودوباش اختیار کرلی چونکہ فنون جنگ سے پورا واقف تھا۔ طبیعت نہایت جری واقع ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے ان کے ساتھ مل کر لوٹ مار شروع کردی خصوصاً جب کوئی قافلہ گورنمنٹ کے مال واسباب کا گزرتا تھا تو اُسکو ضرور لوٹتا تھا اور جو کچھ لوٹ مار میں حاصل کرتا تھا وہ سب بدوؤں کو کھلادیتا تھا۔ اسلئے اُس نے اپنی حسن تدابیر اور واقفیت سے تھوڑی سی مدت میں حجاز، یمن، تہامہ، نجد، عراق وغیرہ کے قبائل

اور مشائخ سے واقفیت پیدا کر لی اور اُن کو اپنا حلیف بنا لیا جو لوگ مخالفت کرتے اُن پر غارت ڈالتا اور فنونِ حرب اور جنگی حسن تدبیر کی بناء پر غالب آتا اس لئے بہت جلد اُس کا سکّہ تمام سرزمین عرب پر جم گیا عثمانی پاشا وغیرہ نے بہت کوششیں کیں شرفاء اور مشائخ قبائل کے واسطے سے پکڑنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا کچھ عرصہ جس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ دو برس ہوتی ہے حجاز میں قبائل عربان میں مقیم رہا نجد میں ابن رشید کے یہاں بھی اُس کا پورا رسوخ ہوا۔ فنون سپہ گری قوت جسمی، قلبی بہادری کی بناء پر امیر نے اُس کی بہت زیادہ خاطرداری کی اور شادی کرنے کی خواہش کی مگر یہ راضی نہ ہوا۔ امیر نے اُس کے وکلاء کے نام پروانہ راہداری دے کر بصورت تاجر نجدی ہندوستان آیا اُس وقت اُس کی صورت و شکل بالکل نجدی عربوں کی تھی۔ ہندوستان میں عرصہ تک پھرتا رہا۔ چنانچہ بنارس وغیرہ میں اپنے وقائع کو اُس نے اپنے تک محفوظ کر رکھا ہے۔ اُس کے بعد یہاں سے چین میں گیا۔ اور پھر چین سے بخارا۔ روس وغیرہ ہوتا ہوا ٹرکی ممالک میں پہنچا۔ اسی طرح ایک مرتبہ اُس کو افریقہ کے ملکوں میں چکر کھانا پڑا ہے۔ اور اپنے ملکوں یعنی البانیہ، مقدونیہ، تراکیا۔ ویرس۔ بلغاریہ۔ سرویہ۔ اناطولیہ۔ سمرنا۔ سوریہ۔ مصر وغیرہ میں تو بارہا پیدل پہاڑوں اور جنگلوں میں عمر گذارنی پڑی ہے۔ جس میں وہ اکثر روپوش رہکر پھرتا تھا۔ اسکو عربی۔ ترکی۔ فرانسیسی زبانیں اچھی طرح آتی ہیں زمانہ انقلاب ٹرکی میں انور پاشا اور اُس کی جماعت البانیہ اور مقدونیہ میں زور و شور کرنے والی جماعت اشرف بیگ کی تھی یہ کئی مرتبہ قید بھی ہوا ہے مگر اپنے عزم پر نہایت قائم اور استوار رہنے والا شخص ہے۔ انور پاشا کا واقعہ نہایت قوی بازو ہے عموماً مخفی حرکات فوجی اُس کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھیں۔

اُس نے زمانہ انقلاب میں اور اُس کے بعد جنگ طرابلس جنگ بلقان۔ جنگ عمومی میں نہایت بڑے اور پُر روز کارنامے کئے ہیں۔ جس جگہ سرفروشی کا موقع پیش آتا تھا۔ پہونچ جاتا تھا۔ انقلاب ہونے کے بعد ہی اُس نے فوجی نوکری چھوڑ دی اور قصبہ جرمین صالحلی ضلع ازمیر (سمرنا) میں ایک قطعہ زمین خرید کر زراعت میں مشغول ہو گیا۔ مگر باطنی تعلقات رؤسا جمعیتِ اتحاد والترقی سے رہا اُس نے بارہا کہا کہ میں پارٹی بندی کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہوں اور نہ میں کسی خاص حزب اور جماعت سے ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے جماعت ائتلاف والحریہ اور جماعت اتحاد والترقی دونوں میں شامل ہو کر تحقیقات کی اور ہر فریق کے اعتراضات اور خیالات کا اندازہ کیا۔ مجکو تحقیق ہو گیا کہ جماعت ائتلافیہ کے مقاصد محض شخصی منافع اور حسد پر مبنی ہیں۔

دونوں پارٹیوں کی مختصر کیفیت

جب تک کہ ٹرکی ممالک میں شخصی حکومت سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی تھی اُس وقت تک جمہوریت کے چاہنے والے دستوری قوانین کی پیروی کرنے والے سب ایک ہی پروگرام پر حرکت کر رہے تھے آپس میں اتفاق تھا۔ اور ایک دوسرے پر جاں نثاری کرتا ہوا نیم جمہوریت کا خواہشمند تھا۔ نیم جمہوریت سے یہ مراد ہے کہ خاندان شاہی کو گویا بالکل لغو نہ کیا جائے بلکہ اُس کو برسر اقتدار قائم رکھا جائے مگر اُس کا استقلال محض اور اُس کی شخصیت مطلقہ سلب کر لی جائے اس کے احکام بمشورہ جماعت خاصہ جس کو ٹرکی میں مجلس اعیان کہتے ہیں۔ جاری ہوں۔ یہ مجلس اعیان بمنزلہ دارالخواص (لارڈ کامنس انگلستان) کے ہے جمہوریت قائم ہونے کے بعد ان لوگوں میں آپس میں تفرقہ پڑ گیا اور دو جماعتیں قائم ہو گئیں

ایک جماعت ائتلاف والحریت اور دوسری جماعت اتحاد والترقی دونوں نے اپنی تحریکات کے پروگرام علیحدہ علیحدہ بنائے جماعت اتحاد والترقی کا مقصد اعلیٰ تمام مسلمانانِ عالم میں اتحاد قائم کر کے ترقی کرنا اور مغربی غیر مسلم قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شکست دینا مشرق کو اُس کے پنجہ ہائے استم سے بچانا ہے وہ عدالت کو قائم کرنا چاہتے ہیں مگر حسب حیثیت، وہ حریت کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر حسب نظام، وہ مساوات کے خواستگار ہیں مگر حکومت کو اسلامی مانتے ہوئے۔ اس میں شریک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے سربر آوردہ اکثر ممبر یورپ کی زہریلی بد دینی کی روشنی سے پورے متاثر ہیں اپنے آپ کو تنور رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ مظلم ہو گئے ہیں یوروپ نے اپنی سالہا سال کی کوششوں سے ان کے عقائد کی زندگی۔ عملی لائف پر نہایت بدنما اور تاریک اثر ڈالا ہے تاہم جمعیتہ اتحاد والترقی میں مذہب کے پابند اور اس کا خیال رکھنے والے لوگ بہت ہیں اور مع اس کے ان کا اولین پروگرام مسلمانانِ عالم کو متحد کر لینا اور پھر مشرقی اقوام کو ایک رشتہ میں جوڑ لینا ہے۔ بخلاف جمعیتہ ائتلاف والحریتہ کے ان لوگوں میں دیانت کا شائبہ تو کم ہے ہی مگر اسلامی درد بھی نہیں ان کا پروگرام یہ ہے کہ بادشاہت خالص اسلامی نہیں بلکہ عیسائی۔ یہودی۔ مسلم۔ آرمنی۔ وغیرہ وغیرہ سے مرکب ایک حکومت ہے۔ اس میں عیسائی اور ارمنی کے وہی حقوق ہیں۔ جو کہ ایک مسلمان کے ہیں بڑے سے چھوٹے عہدوں تک بلاتمیز ہر شخص اور ہر ملت کو ملنے چاہئیں ان کو بیرونِ احاطہ ممالک عثمانیہ سے کوئی علاقہ نہیں انکو یوروپ سے بہت زیادہ تعلق ہے۔ ان کی پالیسی فرانس اور انگلستان کی سیاست سے بہت زیادہ وابستہ ہے ان میں وہ سی جرأت اور بہادری بھی نہیں۔

راحت طلبی شخصی وجاہت اور منافع کے بہت زیادہ گرویدہ ہیں۔ ابتدائی جنگ طرابلس وبلقان میں کامل پاشا اور اُس کا تمام کابینہ جمعیت ائتلاف والحریتہ کا تھا۔ دوسری جمعیت والے گرے ہوئے تھے ائتلافی ...... جماعت کی سوء انتظامی سے طرابلس میں جنگ ہوئی اور اٹلی نے قزاقانہ حملہ کرکے اُس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔ جب ائتلافیوں کے بنائے کچھ نہ ہوسکا تو اتحادی جماعت کے سربرآوردہ لوگ شہید نیازی بیگ مرحوم، آنور بیگ، اشرف بیگ اور دیگر بڑے بڑے سردار چھپ چھپ کر کوئی خشکی سے اور کوئی اگبوٹوں سے خلاصی بن کر، کوئی بادبانی کشتیوں وغیرہ میں میدان پہنچا اور عربوں کو جمع اور شیخ سنوسی سے اتحاد کرکے وہ سخت جنگ کی کہ اٹالیہ کے چھکّے چھوٹ گئے طویل زمانہ تک کوشش کرنے پر بھی سوائے ان مقامات کے جن کی حفاظت بحری ڈریڈناٹ کرتے تھے۔ دوسرے دور کے مقامات پر قبضہ کرنے کی طاقت نہ ہوسکی۔ نہایت زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا ہو۔ اور مقصد اصلی حاصل نہ ہوا اس مدت میں اُس تمام سرزمین کے عرب قواعد جنگ سے بخوبی واقف ہوگئے۔ انور پاشا نے ان میں مدارس اور زراعت وغیرہ کی مختلف تعلیم گاہیں قائم کردیں جن کی بناء پر ان میں اچھے اور مستعد لوگ ایسے پیدا ہوگئے جن کو اپنے جنگی اور ملکی کاروبار میں بہت زیادہ ضرورت دوسرے کمانداروں کی نہیں رہ گئی۔ مگر بدقسمتی سے اُسی زمانہ میں جنگ بلقان چھڑ گئی۔ اور اُس میں بجائے فتحیابی کے کامل پاشا اور اُس کے کابینہ کی سوء انتظامی نے مغلوبیت نمودار کی جس کی وجہ سے خود دارالخلافت زد میں آگئی اور بہت زیادہ نقصان نمودار ہوا ان اتحادی سرفروشوں کو خیال تھا کہ ترکی فوجیں اور سامان جنگ کافی موجود ہے۔ اس لیے بد چھوٹی حکومتیں

یونان۔ سروبیہ۔ بلغاریہ۔ مانٹی نگرو پسپا ہونگی۔ کچھ فکر کی بات نہیں۔ مگر الٹی ہوئی ناظم پاشا کمانڈر جنگ کی آرام طلبی اور فوجوں کی بدنظمی نے وہ دن دکھایا جو ٹرکی کو تمام ایام حکومت میں کہ دیکھنا پڑا تھا۔ آخر کار یہ سب سربرآوردہ افسر وہاں سے کچھ کچا پکا انتظام کر کے بھاگے مگر ادھر مصر میں ان پہ پوری نگرانی تھی۔ آخر کار انور پاشا جرمنی لباس میں جرمنی بولتا ہوا آگبوٹ میں سکندریہ سے سوار ہو کر قسطنطنیہ پہنچا۔ برٹش کو اس کی خبر وہاں اترنے کے بعد ہوئی۔ اشرف بیگ خشکی کے راستہ سے صحرائے نیبہ قطع کر کے وہاں پہنچا غرضکہ اسی طرح سب آہستہ آہستہ پہنچ گئے۔

اشرف بیگ کی فوج

اشرف بیگ نے چونکہ استعداد اور شخصیت کے زمانہ میں عرصہ تک کام کیا تھا۔ اس لئے اس نے ہر شہر میں اپنی ایک خفیہ پارٹی قائم کر لی تھی۔ اس کی بہادری اور انسانیت، مروت۔ دریا دلی، نے ہر جگہ تسخیر کا کام کر رکھا تھا۔ اس نے اپنی پارٹی میں ایسے ہی لوگوں کو ہمیشہ رکھا جو کہ پورے جاں نثار اور جفاکش ہوں علاوہ اس کے جو مہاجرین سرکش ممالک عثمانیہ میں موجود تھے ان کا بہت بڑا حصہ اس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ایسے لوگوں کو بہت جلد جمع کیا اور نہایت سرعت کے ساتھ استنبول پہنچا ادھر انور پاشا نے ائتلافیوں کی وزارت ساقط کر کے اتحادی وزارت قائم کر دی تھی اور صلح کے کاغذات کو دستخط ہونے سے روک دیا تھا اس نے اشرف بیگ کو اور دوسرے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت زور و شور سے حملے کریں بلغاری جو کہ چتالجہ پر پہنچ چکے تھے ان سرفروشوں نے ان پر ایسی زور و شور کی مار دی کہ ان کو پسپا ہونا پڑا اور نہایت سرعت کے ساتھ ان کا . . . تعاقب شروع ہوا خود

اشرف بیگ اگلی فوج کا کمانڈر تھا انور پاشا جملہ فوجوں کی خبرگیری کر رہا تھا۔ اشرف بیگ نے کئی دن کی لڑائی کی وجہ سے درمیان میں راحت لینا چاہا مگر انور پاشا نے راحت نہ لینے دی۔ انور پاشا بخار کی حالت میں تھا۔ مگر اسی حالت میں گھوڑے پر سوار برابر چلتا رہا خلاصہ یہ کہ اشرف بیگ مع اپنی فوجوں کے آگے بڑھتا رہا جس زمانہ میں اشرف بیگ اڈریانوپل میں نظر بند تھا اُس زمانہ میں اُسکو وہاں کے اطراف وجوانب میں پھرنے کا اتفاق ہوا تھا وہ وہاں کے خفیہ اور ظاہر راستوں اور گھاٹیوں سے پوری طرح واقف ہوگیا تھا اور چونکہ فوجی آدمی تھا ادھر اس کو ہمیشہ خفیہ حرکات کا سامنا رہتا تھا۔ اس لئے وہ جہاں جاتا تھا اپنے مرض کی دوا کی فکر کرتا تھا ہر مقام کو فوجی نقطۂ نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ اڈریانوپل میں بلغاری قوت موجود تھی اور اگر کچھ دیر وہاں پہنچنے میں ہوجاتی تو اور بھی قوت بڑھ جاتی اور وہ شہر کی حفاظت کا پورا کامل انتظام کر لیتے مگر چونکہ برابر تعاقب ہو رہا تھا، اس لئے پورا اجتماع نہ ہوسکا اور معمولی استحکام سے زیادہ وہاں مورچہ بندی بھی نہ ہوسکی فقط ان راستوں پر جو کہ عام تھے۔ اُنھوں نے انتظام کیا تھا۔ اشرف بیگ نہایت سرعت سے مخفی اور غیر مشہور گھاٹیوں سے داخل ہوگیا جسکی وجہ سے بہت جلد شہر پر قبضہ ہوگیا اور زیادہ تلفیات کی بھی نوبت نہ آئی۔

اشرف بیگ اور اُس کے بھائی سامی بیگ اور دیگر کمانڈروں نے اپنی اپنی فوجیں بلغاریہ وغیرہ پر چڑھائیں اور پے در پے شکستیں دیں مگر زار روس، فرانس برٹش ملکہ ٹرکی کے سامنے آگئے زار نے صاف طور سے کہدیا کہ اگر حدود ایڈریانوپل سے تم لوگ آگے بڑھے تو میں اعلانِ جنگ دے دونگا۔ ٹرکی کی حکومت کو اُس وقت اتنی طاقت نہ تھی کہ روس سے لڑنے پر تیار

ہوجاتا۔ لاچار ہوکر اسکو ردکنا پڑا مگر اشرف بیگ نے اعلان نازمانی کردیا اور وہ اُسکے بھائی وغیرہ نے ریاستہائے متحدہ بلقان سے برابر جنگ جاری رکھی اور فتحیاب ہوتا رہا۔ ٹرکی نے اپنی نظامی فوج ہٹالی اشرف بیگ نے اُس مدت میں چار ہزار گھرانوں کو جوکہ بلغاریوں کے مظالم اور شدائد کی وجہ سے مرتد بنا بنالئے گئے تھے پھر مسلمان کیا مفتوحہ زمین میں امن قائم کیا سکہ اور ٹکٹ بھی اس کا علیحدہ کیا اور تقریباً چھ مہینے یا اس سے کچھ زائد تک علیحدہ ریاست وہاں جمی رہی اسکے پاس ہر طرف سے غیر تمند افسر اور سپاہی خفیفہ طور پر پہنچتے رہے مگر پھر دول یورپ نے ٹرکی کو مجبور کیا کہ اشرف بیگ کو جس طرح ہو وہاں سے ہٹایا جاوے چنانچہ بہت زیادہ مجبور کرنے پر بعض بعض مفید اسلام شرائط بلغاریہ سے کرکے جملہ غنائم جوکہ بارہ ریلوے گاڑیوں میں آئے تھے۔ جن کو بلغاریوں سے اُس نے چھینا تھا۔ اور نقود وغیرہ ساتھ لے کر واپس آگیا ان غنائم میں سے اکثر ان مہاجرین پر تقسیم کردیا جوکہ بلغاری زمینوں سے ہجرت کرکے ٹرکی ممالک میں آگئے تھے۔

اشرف بیگ ٹرکی میں غیر منظم فوج اور مجاہدین کا کماندار تھا اور جس جگہ حکومت کو ضرورت پڑتی تھی پہنچتا تھا۔ اُس کی خفیہ کام کرنے والی پارٹی ہر جگہ موجود رہتی تھی ضروری کاموں کو بطور رجال الغیب پورا کرتی رہتی تھی جس پر حکومت ٹرکی مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی قبل اعلان ٹرکی ابتدائی جنگ عمومی میں وہ اور اُس کا بھائی سامی بیگ کاشغر کو ہندوستان کے راستے سے بھیجے گئے تھے ان کے ساتھ اور بھی چند افسر تھے۔ مگر جب جہاز بمبئی تاجرانہ طریق پر پہنچا تو انگریزوں نے آگبوٹ کو گرفتار کرلیا۔ اشرف بیگ خفیہ طور سے بھاگ کر مسقط اور وہاں سے جدہ وغیرہ پہنچا اُس کا بھائی سامی بیگ

گرفتار ہوگیا اور بمبئی سے کہیں دوسری جگہ ریل میں بھیجا گیا وہاں سے راستہ
میں بھاگ گیا اور پھر بمبئی واپس آیا اور وہاں سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے
نقود ضروریہ حاصل کر کے پشاور اور وہاں سے کاشغر پہنچا۔ بعض دوسرے
افسر بھی روپوش ہو کر پھرتے پھرتے اُس طرف پہنچ گئے سامی بیگ نے کاشغر
میں حکومت چینی کا انقلاب کر دیا اور اسلامی حکومت وہاں قائم کرادی۔ چنانچہ
بالفعل وہاں اسلامی حکومت ہے سامی بیگ کی خبریں مالٹہ میں آیا کرتی
تھیں سامی بیگ اشرف بیگ سے چھوٹا ہے اسقدر توانا اور قوی نہیں
مگر استقلال اور صبر و تحمل بے حد رکھتا ہے غیرت اسلامی اور ہمدردی مذہبی
انسانیت مروت بے حد رکھتا ہے اشرف بیگ میں غصہ زیادہ ہے مگر
وہ حکیم ہے جنگی جفاکشی میں اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ ذہن نہایت تیز اور
رائے بہت صائب رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انور پاشا کی پارٹی
میں بہت سے ایسے بلند ہمت جفاکش۔ ہمدرد اسلام اشخاص تھے اور
ہیں جن کی نظیر اس وقت دوسری قوموں میں موجود نہیں۔ اگر جنگ بلقان کے
بعد دس پندرہ برس بھی سلامتی اور امن کے ساتھ گذر جاتے تو یہ پارٹی جمعیت
اتحاد و الترقی کی اسقدر قوت مغربی اس کا سامنا نہ کرسکتی مگر بدقسمتی سے سنبھلنے
بھی نہ پائے تھے کہ اس جنگ عمومی کا سامنا پڑ گیا۔ پھر بھی اس میں وہ
جفاکشیاں اور انتظامات کئے جن کی نظیریں گذشتہ ایام میں ٹرکی کیلئے
نہیں پائی جاتیں۔ ابتدائے جنگ میں اپنے حسن انتظام سے پندرہ لاکھ
فوج میدان جنگ کے لئے زیر ہتھیار نکالی اس قدر فوج کبھی ٹرکی میدان جنگ
میں نہیں لایا۔ پھر ان کے لئے ہر میدان میں جملہ اقسام کی ضروریات کو مہیا کیا۔
میں نے خود سپاہیوں اور افسروں سے سنا ہے کہ میدان جنگ میں

سپاہیوں کے لیے علاوہ عمدہ خوراک کے سنگترے انگور، سیب وغیرہ تازے میوے بکثرت پہنچائے جاتے تھے پھر فقط ایک دو میدان پر لڑائی نہ تھی تقریباً بارہ تیرہ میدان پر ترکی فوجیں برابر جنگ کرتی رہیں۔ میدان عراق۔ میدان عدن میدان حجاز۔ میدان سویز۔ درہ دانیال سالونیکا۔ ارض روم۔ طرابزون غالیچیا وممالک اسٹریا، رومانیہ۔ حدود ایطالیہ، حدود روس، بجانب وارشو۔ حدود ایران بجانب وان وکرکوک۔ ان سب میدانوں میں بڑے طویل عریض خط میں جنگ قائم رہی حالانکہ آلاتِ رسد رسانی کی نہایت دقت تھی۔ ریلوے لائنیں تمام ملک میں زار روس اور دیگر یوروپین قوموں کی تشددات ومظالم کی بنا پر نہ بنا سکے تھے جب کبھی بنانے کا قصد کیا ان مہذب مردودوں نے سخت مخالفت کر کے جنگ کی دھمکی دی کسی ایک قوت سے مقابلہ نہ تھا بلکہ بہت سی قوتوں سے پیکار تھی پھر نہیں کہ خارجی دشمنوں ہی سے مقابلہ ہوا اندرونی دشمن بھی کھڑے ہو کر سخت پریشانیوں میں ڈالتے رہے آرمینیوں نے جو نقصان ایام جنگ میں پہنچایا ہے اور جو جو مظالم انھوں نے کئے ہیں وہی فقط ایک بڑی سلطنت کے برباد کرنے کے لئے کافی تھے انھوں نے ہزاروں سپاہیوں اور باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ گھروں کو جلا دیا ہر قسم کے سامان جنگ ڈائنامیٹ کے گولے بندوقیں ہوائی تار وغیرہ وغیرہ سامان بہت بڑی مقدار میں روس، فرانس امریکہ برٹش وغیرہ مختلف مقامات سے خفیہ خفیہ جمع کر کے بہم پہنچائے چنانچہ تفتیش پر تہ خانے بھرے ہوئے ان چیزوں سے پائے گئے اور جن کا انھوں نے استعمال کر لیا تھا وہ علیحدہ رہے انھوں نے روسی افواج کو حدود وان میں داخل کر ہی لیا تھا غرض روم کی طرف سے انکو اعانت پہنچا ہی رہے تھے پھر اس پر بھی اگر ان کے ساتھ کوئی معاملہ ٹرکی نے کیا ہے تو تمام یوروپ ٹرکی کو خطاوار اور سفاک ظالم

ٹھیراتا ہے اگران کے مظالم کی میں تفصیل لکھوں تو بڑے دفتر کی ضرورت پڑے نہ میرے پاس ان کی کافی د فت ہے اور نہ ہی میں اسکو بخوف ضبط کتاب لکھ سکتا ہوں مگر دو ایک باتیں ضروری طور سے جس کو میں نے خود متعدد لوگوں سے سُنا ہے عرض کرتا ہوں۔

ابتدائے اعلان جنگ میں جب کہ ٹرکی نے لشکر جمع کرنے شروع کیئے تو جو لوگ لشکر میں بھرتی ہونے کی صلاحیت آرمینیوں میں سے رکھتے تھے یا تو پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے یا روس کے ممالک میں بھاگ گئے۔ عورتیں بچے اور پینتالیس ۴۵ برس سے زائد عمر والے ظاہری طور پر باقی رہ گئے۔ مگر انھوں نے سردی اور برف باری کے زمانوں میں رستہ والے گاؤں وغیرہ میں مسلمان لشکریوں کو اپنے گھروں میں شب کو آرام کے واسطے دعوت دی بیچارے عساکر یا پولیس کے جوان یا منتظمہ فوجی جماعت جو کہ رسد لکڑی اور دیگر ضروریات کے واسطے گاؤں گاؤں جاتے تھے وہ جب مکان میں پہونچے اور سو گئے اور یا کم عدد پر ہوئے تو ان کو قتل کر ڈالا کبھی مکان میں آگ لگا دی کبھی ڈائنا منٹ سے اُڑا دیا اسی طرح قبل از ظہور بغاوت ہزاروں آدمیوں کو انھوں نے قتل کر ڈالا جس کا پتہ کچھ عرصہ کے بعد پوری طرح سے چلا۔ ارمنی عیسائی مسلمانوں کو قتل کر کے تین تین چار چار کو جمع کرتا تھا اور اُس کو پانی میں جوش دیکر اُس پانی سے نہاتا تھا اور اُس کو باعث نجات آخرت سمجھتا تھا وان میں ارمنی لوگوں نے روسی فوجوں کو داخل کر کے قتل عام مسلمانوں کا کیا ان کی عورتوں کی عصمت دری اور مال وغیرہ کی غارت گری نہایت بیدردی کے ساتھ کی کیونکہ وان یان کی

حدود پر فوج نہ تھی اور نہ یہ محاذ جنگ اوّل سے تھا۔ ارمنوں نے راستہ بتا کر روسی فوجوں کو داخل کر دیا تھا مفتی وان کی دوشیزہ لڑکی کو ساٹھ ستر ارمنی اٹھا کر پہاڑوں میں لے گئے اور اس کو زنا کرتے کرتے مار ڈالا اس قسم کی سینکڑوں بے حرمتیاں اور شدائد واقع ہوئی تھیں جن کی بناء پر ترکوں نے ان کی صفائی کی طرف توجہ کی جن باتوں کو دیکھ کر خود جرمنی افسروں اور غیر جانب اسپینی سویڈی سفیروں وغیرہ نے حق ترکوں کو ہی دیا تھا اور ہر طرح ارمنوں کو ظالم قرار دیا تھا۔ افسوس تو یہ ہے کہ ایام جنگ میں جب کہ ٹرکی حکومت بڑی حکومت کے ساتھ مشغول تھی اسقدر مظالم کی ابتداء کرنے والی قوم باوجود ہتھیار وغیرہ پائے جانے کے اگر زیر قوانین مارشل لا لائی جائے تو وہ ظلم ہوگا۔ اگر ہندوستان کے نہتے غیر ایام جنگ میں سیتہ گرہ اور اسکے جلسہ کریں تو ان پر قوانین مارشل لا جاری کرنا اور ان کو مشین گنوں اور رائفلوں سے برباد کرنا جنرل ڈائر اور اوڈوائر کا خالص عدل شمار کیا جاوے۔ ؎

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

ٹرکی کو ادھر تو آرمینیوں سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس سے کچھ فارغ ہی ہوا تھا کہ یوروپ نے عربوں کو سامنے لا کھڑا کیا اور شریف حسین اہل سوریہ، اہل عراق سے نہایت ناجائز اور شنیع افعال کرائے۔ جن کی بناء پر نہایت برا اور زہریلا اثر ترکی قوت پر پڑا حقیقت تو یہ ہے کہ اگر عربوں کی خیانت نہ ہوتی تو ٹرکی کسی طرح بھی میدان جنگ میں شکست نہیں کھا سکتا تھا۔ مگر اس کا مزا آج عرب چاروں طرف چکھ رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اتحادیوں ہی کے حسن انتظام نے ٹرکی کو ایسی حالت میں چار برس لڑائی پر قائم رکھا جس کی نسبت کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ایام جنگ میں بعض مقامات میں ماتحت حکام سے بہت سی بے عنوانیاں بھی ہوئیں بہت سے بدنیت اور اغراض نفسانی والے لوگوں نے ایسے تنگ اور خراب اوقات میں نقصان بھی پہنچایا مگر ترکوں کے اخلاص اور حسن انتظام میں شک بھی نہیں۔

اشرف بیگ کی گرفتاری

اشرف بیگ چونکہ حجاز۔ یمن۔ نجد وغیرہ کے قبائل اور تمام زمینوں اور گھاٹیوں سے واقف تھا۔ عربی زبان بھی خوب سمجھتا ہوا فنون جنگ کا ماہر تھا اس لئے امام یحییٰ نے صنعا یمن سے اپنا آدمی استنبول انور پاشا کے پاس بھیجا کہ تم اشرف بیگ کو میرے پاس بھیجدو تو میں اپنی اور موجودہ ترکی فوج کو لے کر شریف حسین پر چڑھائی کروں اور جو کچھ اس نے ایسے وقت میں اسلام کو ضرر پہنچایا کہ کافروں کی مدد کی ہے۔ اس کا دفعیہ کر دوں۔ چنانچہ وہاں سے اشرف بیگ کو روانگی کا حکم ملا اور تقریباً بیس ہزار پونڈ فوج کے مصارف وغیرہ کے لئے اور کچھ ہدایا امام یحییٰ کے لئے اس کے ساتھ روانہ کئے گئے تقریباً پانچ ہزار پونڈ سکے علاوہ خود اشرف بیگ کے تھے اور چالیس بہادر جانباز افسر بھی ساتھ کئے گئے اشرف بیگ اولاً مدینہ منورہ آیا، وہاں پر سواری وغیرہ کا انتظام کیا اور اس لئے کہ کہیں شریف کے لوگوں پر جو اسپین کے ذریعہ سے یمن کا جانا معلوم نہ ہو جائے سیدھا راستہ یمن کا مدینہ منورہ سے اختیار کیا بلکہ مدینہ منورہ سے اولاً خیبر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے قصد یمن کی روانگی کا کیا کل مجموعہ تقریباً ستر آدمیوں کا تھا چالیس آدمی جنگی تھے اور باقی خدمت گار یا شتربان وغیرہ تھے خیبر کے قریب ان کو پانی کی غرض سے ایک کنوئیں پر قیام کرنا پڑا وہاں تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ عبداللہ بیگ

شریف کا منجھلا یا نجھلا بیٹا جو کہ طائف کی مہم پر تھا طائف فتح ہونے کے بعد بارہ ہزار سپاہی لے کر مدینہ منورہ کی محاصرہ کی غرض سے شام اور مدینہ منورہ کی ریلوے لائن کاٹنے کو جاتا ہوا اسی کنویں پر آیا نہ اسکو پہلے سے اشرف بیگ کی خبر تھی نہ اشرف بیگ کو اس کی، جب اس کے آدمی پانی لینے کو کنویں پر پہنچے تو اشرف بیگ کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور آخر کار جنگ شروع ہوگئی اشرف بیگ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارا مقابل بارہ ہزار فوج فوج رکھتا ہے۔ اور ہم ہتھیار بند فوجی تو ابن سے واقف چالیس آدمی ہیں اس لئے حسب قوانین عسکریہ میں تم کو تکلیف مقابلہ کی نہیں دے سکتا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ انھوں نے اس سے کہا کہ آپ کیا کریں گے اس نے جواب دیا کہ میں تو اسلام اور ملت پر قربان ہونگا۔ میں بھاگنا نہیں چاہتا انھوں نے بھی یہی جواب دیا اور آخر کار باقاعدہ نہایت جلد مورچہ بنا کر مقابلہ کیا پانچ گھنٹہ تک سخت مقابلہ ہوا عبداللہ بیگ کے لوگوں ہزیمت فاش ہوئی مگر اس کے بعد ایک جماعت بدوؤں کی پیچھے کی پہاڑی پر چڑھ گئی اور وہاں سے انھوں نے اوپر سے گولیاں برسا کر اکثروں کو شہید اور باقی ماندہ کو سخت زخمی کر دیا اشرف بیگ کی ٹانگ میں بھی گولی لگی جس کی وجہ سے نقل و حرکت سے بالکل معذور ہو گیا۔ تمام آدمیوں میں شام تک فقط تین چار زندہ باقی رہ گئے تھے۔ اور سب کے سب شہید ہو گئے جب مغرب ہوگئی تو گولی برسانی انھوں نے چھوڑ دی رات بھر زخمی وہیں پڑے رہے صبح کو آکر تمام اسباب وغیرہ کو لوٹا اور زخمیوں کو لے گئے اشرف بیگ اپنے آپ کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ مگر اس کو قسمیں دلائیں اور اطمینان دلایا کہ تیرے ساتھ معاملہ انسانیت کا کیا جائیگا آخر کار اس کو اٹھا کر شریف عبداللہ

کے خیمہ میں لائے اُس نے نہایت انسانیت سے معاملہ کیا اُسی وقت زخموں کو دھلوایا اور کمپوڈر کے ساتھ ینبع البحر بھوایا وہاں سے جدہ بھیجا گیا اور پھر مکہ معظمہ بھیجدیا گیا۔ اشرف بیگ کے اسیر ہونے پر شریف حسین نے بہت خوشیاں منائیں پھر اُس کو مصر بھیجدیا گیا مصر میں زیر حراست اُس کا ڈاکٹری علاج کیا گیا مگر اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا پھر بدوی جراح کو بلایا گیا اس کے علاج سے نفع ہوا اور چلنے پھرنے کی قوت آگئی اُس کو مصر میں خلاف قاعدہ بہت تنگ کیا گیا اور پھر اُس کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنی قوم کے خلاف فوج لیجا کر جس کو برٹش گورنمنٹ دیگی ازمیر کے میدان میں اُترے اور وہاں جنگ کرے۔ جس کے وزلیعہ سے یہ ترغیب دی گئی تھی اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو تمام صوبہ ازمیر (سمرنا) اُسکو دیدیا جائے گا اور ایام جنگ میں ہر قسم کی مدد بھی اُسکو دیجائے گی۔ اشرف بیگ نے اُسکو مارا اور بہت گالیاں دیں جب عرصہ تک آزمائش کی گئی نہ سختی سے وہ گھبرایا اور نہ لالچ میں دہ آیا۔ وحدت اور تنہائی نے اُسکو گھبرایا تو اُس سے مایوس ہوگئے مصر کی اسارت گاہوں میں جہاں پر اور اسرا رکھے اسکو نہ بھیجا گیا بلکہ سیدھا مالٹہ بھیجا گیا۔ یہاں اُس سے آدمیت کا برتاؤ کیا گیا۔

اشرف بیگ کا حسن انتظام

یہاں آکر اُس نے اولاً تمام عثمانی اسراء کو پہچانا لوگوں سے میل جول کیا ہر ایک کے احوال کی تحقیق کی بہت سے ایسے کمزور اور نادار آدمی پائے جن کی مالی حالت خراب اور اخلاقی کیفیت نہایت ضعیف تھی اس لئے اُس نے اولاً افسروں کو چندہ ماہوار دینے پہ آمادہ کیا اور ایک خاص انجمن عثمانی اسراء کی خبر گیری کے لئے بنائی ان کے لئے تعلیم کا انتظام کیا تاکہ نوعمر

قابل لوگ کچھ تعلیم حاصل کرلیں۔ استنبول سے ان کے لئے کتابیں بذریعہ ہلال احمر سے ان نادار لوگوں کے لئے نقد منگایا جس کو وہ بذریعہ انجمن جن کے ہاتھ میں ہر شخص کے لئے تعین مقدار حسب مرتبہ تھی۔ ایک نظام پر تقسیم ماہواری کرتا رہا، روگیٹ کیمپ کے اسرار کے کھانے میں ایک بڑی مقدار خرچ کرتا رہا تاکہ عمدہ اور لذیذ کھانا ان کو ملا کرے۔ اس نے مختلف قہوہ خانے کھولے اور اُس میں مسلمانوں کو رکھا کہ وہ طریق تجارت سیکھیں ان سے کہا کہ کماؤ اور جو کچھ میں نے خرچ کیا ہے مجھکو نفع میں سے ادا کردو۔ چنانچہ منتظم لوگوں نے اُس کے مصارف کو بھی ادا کیا اور خود بھی اچھی مقدار جمع کرلی اسکی فکر ہمیشہ مسلمانوں کی ترقی اور نفع کی تھی۔ یہ ہمیشہ اتحاد اسلامی کا حامی رہتا تھا۔ اسکو خصوصیت فرقہ یعنی ترکی اتحاد عربی اتحاد وغیرہ سے نفرت تھی وہ جملہ کلمہ گوں کے اتحاد کا حامی تھا خواہ مشرقی ہو یا مغربی کالا ہو یا گورا اس کی ہمت نہایت بلند تھی اُس کی جسمانی قوت بہت زیادہ اچھی تھی مالٹہ کے موجودہ لوگوں میں خواہ ترکی ہوں یا جرمنی و آسٹرین کوئی اُس سے زیادہ قوی نہ تھا۔ اُس کے جسم کی ہڈیاں نہایت قوی اور چوڑی اور بڑی تھیں، اُس کے اخلاق اور اعمال میں نہایت سادگی اور سپاہیانہ پن تھا ترک عموماً سادی وضع رکھتے ہیں۔ ہندوستانی امراء کی طرح تکلفات اور بناوٹ جملہ حرکات و سکنات لباس اور طعام وغیرہ میں نہیں رکھتے۔ اگرچہ اختلاط یورپ کا بڑا اثر ہو چکا ہے۔ مگر اپنی جبلی عادت سادگی کی ابھی تک بہت باقی ہے۔ اسکو ہندوستان اور افغانستان سے بھی خاص ہمدردی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت اخلاص اور محبت سے ملتا تھا اور حضرت مولانا جسقدر اس سے دل کھول کر ملتے تھے کسی سے نہ ملتے تھے۔ اس کی سادگی اور عادات

اور اطوار کو پسند کرتے تھے اور اُس کو بھی ایک درجہ تک مولانا سے شغف تھا ہفتہ میں ایک دفعہ اُسکے پاس ضرور جاتے تھے اور اُس کو بھی جب کبھی اجازت ہوتی تو یہاں آتا تھا۔

ترکوں کا تدین

عام طور سے لوگوں کا خیال ترکوں کی طرف عدم تدین کا ہے۔ مگر واقفیت اس کے خلاف ہے۔ ترکوں کے تدین کو اگر ہندوستان یا دوسرے مقامات کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تو ان کو ہی فوقیت دینی پڑتی ہے۔ ترکوں کا عام اور متوسط طبقہ نہایت متدین ہے یعنی فیصدی شاید اسی اور نوے تک نمازی اور عقائد صحیحہ والے ملیں گے اور مع اُس کے جہاد کے نہایت شائق۔ اسلام پر جان دینا ان کے نزدیک نہایت مبارک فعل ہے۔ طبقہ عُلیا کے لوگ البتہ بد دین ہیں ان میں بھی جو لوگ یوروپ میں رہ چکے ہیں وہ اکثر اپنے عقائد اور اعمال میں خراب ہیں۔ ان میں غالباً فیصدی بیس اچھے خیال اور اعمال کے ہونگے۔ اور فی صدی اسی آزاد انعال ہیں جو لوگ یوروپ نہیں گئے ہیں وہ فیصدی ساٹھ یا ستر متدین ہیں اور باقی ماندہ آزاد خیال ہیں۔ غرضکہ عام ملت ترکیہ ایسے نہیں ہیں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں عام طبقہ عموماً غیر متدین ہے فیصدی بیس بھی اس فرقہ میں سے متدین نکالنا مشکل ہوگا بلکہ بعض ملکوں میں تو فیصدی پندرہ بھی نکلنا دشوار ہے ترکوں کے عقائد عموماً بہت اچھے ہیں۔ یوروپ کے قرب اور ان کے اختلاط نے بہت بُرا اثر ڈالا ہے جس سے عموماً متاثر ہونے والے یہی نوجوان اوپر کے لوگ ہیں یوروپ نے قصداً ان کے تدین کے احساس کو مختلف طریقوں سے کم کیا ہے ترکوں کے علماء نہایت ہی متدین ہیں اتباع سلف میں بہت

زیادہ کوشاں اور حق گوئی میں بے نظیر ہوتے ہیں۔

اشرف بیگ کے عقائد بہت اچھے تھے البتہ عملی حالت امور دینیہ میں کمی پر تھی مگر منہیات سے سخت متنفر تھا جب کہ تمام ترکی لوگ مالٹہ سے چھوٹے تو اشرف بیگ کے بھی چھوٹنے کا حکم آیا اُس نے اوّل اوّل دوسروں کو تین چار دفعہ میں روانہ کیا اپنے آپ سب سے آخیر میں روانہ ہوا اور پھر استنبول پہونچکر اس نے پوری قومی ہمدردی کی داد دی اور پھر جاکر مصطفےٰ کمال سے مل گیا جس پر مصطفےٰ کمال نے اخباروں میں مضمون دیا تھا کہ اشرف بیگ کے آنے سے میری دونوں آنکھیں مجکو مل گئیں۔

علاوہ اشرف بیگ کے مولانا کا تعلق کپتان (یوزباشی) سید حسن آفندی بغدادی جو کہ بحری فوج کا افسر تھا اور کپتان (یوزباشی) نیازی آفندی میجر (بیگباشی) بہار بیگ جو کہ پورٹ سعید میں فوجی انتظامات وغیرہ میں متعین تھا اور بہت سے دوسرے افسروں سے بھی واقف تھا یہ لوگ نہایت اخلاص اور عقیدتمندی سے مولانا سے پیش آیا کرتے تھے اور بہت عظمت کی نگاہوں سے مولانا کو دیکھتے تھے جب آخیر میں وردالہ اور دال فرسٹہ میں آنا ہوا تو وہاں پر خصوصیت سے التواء جنگ کے بعد کے اسراء میں سے چند آدمیوں کے ساتھ تعارف اور تعلقات پیدا ہوئے یہ لوگ پہلے سے یہاں نہ تھے۔ جناب شیخ الاسلام خیرالدین آفندی ان کے رفیق حبیب بیگ احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد کرنیل (میرالائی) جلال بیگ۔ کرنیل جواد بیگ فائق بیگ۔ مفتی حسن فہمی آفندی وغیرہ شیخ الاسلام موصوف نے بیعت کی بھی درخواست کی مگر مولانا نے انکار فرمایا پھر اُنھوں نے کتابوں اور اوراد کی اجازت مانگی اُس کو مولانا نے قبول کیا اور اپنے

دست مبارک سے لکھ کر ان کو عنایت فرمایا انھوں نے اپنی یادگار کے طور پر مولانا کو اپنی دلائل الخیرات جو کہ خط ثلث میں نہایت خوش قلم تھی مولانا کی خدمت میں پیش کی۔ جس پر اخیر میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر بطور طلب دعا اور درخواست یادگاری اپنے دستخط بھی کر دیئے تھے۔

کرنیل جلال بیگ نے بھی ایک حمائل نہایت عمدہ اور خوبصورت چھاپہ کی مولانا کی نذر کی تھی مولانا مرحوم اس میں اس کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ انور پاشا کے والد احمد پاشا معمر اور نہایت سادہ آدمی ہیں ان کو بزرگوں سے نہایت خلوص و اعتقاد ہے وہ اکثر مولانا کے پاس آیا کرتے تھے علاوہ ان کے صدر اعظم سعید حلیم پاشا اور ان کے بھائی عباس حلیم بھی کبھی کبھی آتے اور ملتے تھے جرنیل محمود پاشا جرنیل فخری پاشا بھی کبھی کبھی خاص طور سے ملتے رہتے تھے جب خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور ہندوستانیوں نے دوبارہ خلافت کے مطالبات شروع کئے۔ ان لوگوں کی محبت ہندوستانی مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی چونکہ لندن ٹائمز اور ربوٹر برابر آتا رہتا تھا اور اس میں تمام خبریں درج ہوتی تھیں اور بہت سے آفیسران میں کے انگریزی زبان سے خوب واقف تھے۔ اسلئے وہ لوگ عموماً اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا شکریہ نہایت محبت بھرے الفاظ میں کیا کرتے تھے۔ بلکہ چلتے وقت ان بڑے عمائد نے شکریہ کا ایک محضر بھی بنا کر دیا تھا جو کہ مولانا مرحوم کی بیماری اور مشغولیت کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔

بہت سے معزز عہدے والے لوگ تھے جن کو مولانا سے خاص عقیدت اور تعلق تھا اس میں سے میجر (بیگباشی) احمد حیدر بیگ نے بہت زیادہ اصرار کر کے بیعت بھی کی تھی عموماً پنج وقتہ ہمارے ساتھ وہ اور قائم مقام

(لفٹنٹ کرنیل) محمد رفیق بیگ نماز بھی با جماعت پڑھا کرتے تھے جب مالٹہ سے روانگی ہونے لگی تو صاحب آفیسر صدر اعظم سے لیکر نیچے کے درجہ تک سب کے سب جمع ہو گئے اور بہت ہی زیادہ محبت کا اظہار کیا شیخ الاسلام نے خاص طور سے دعا مانگی سب آمین کہتے رہے اور بہت تپاک اور محبت سے آبدیدہ ہو کر سبھوں نے رخصت کیا وہ مجمع اور وہ سماں بھی عجیب تھا کیونکہ بہت سے ذی وجاہت دنیاوی لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے مگر ایسا مجمع ان کی رخصتی کے وقت اور ایسے ایسے بڑے رتبہ والوں کا اجتماع اس ہیئت دعا و آمین وغیرہ کے ساتھ کسی کے لئے نہیں ہوا تھا انگریزی آفیسر وہاں موجود تھے۔ اس حالت کو دیکھکر نہایت تعجب کرتے تھے۔

این سعادت بزور بازو نیست
گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ ہیبت اور دبدبہ حقانی تھا نفسانی نہ تھا وہ شخص جس کی کبھی صورت بھی عالمانہ زندگانی کا جامہ نہ پہنتی تھی وہ ہستی کہ جس نے کبھی اپنے آپ کو مسند علم کا صدر نشینی پر پیش نہ کیا ہو اس کی لباسی اور عملی کارروائی ظاہر میں ایک معمولی درجہ سے کبھی متجاوز نہ ہوئی ہو اس کو لوگوں کے اختلاط اور مناصب کے حاصل کرنے سے وحشت ہو اسکی یہ عزت و تمکنت، عام خلق خداوندی میں یہ قبولیت اگر اس کے تقویٰ اور للہیت کا اثر نہ تھا تو کس کا تھا ہندوستان میں جو قبولیت مولانا مرحوم کو خداوند کریم نے عطا فرمائی اور جس وقعت سے لوگوں کے دل میں مولانا مرحوم نے جگہ پائی وہ آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر و باہر ہے

فرحمہ اللہ وارضاہ آمین۔
اب میں اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوند کریم اس ناکارہ کو بھی مولانا مرحوم اور ان کے اسلاف کرام کے طفیل اور اپنے فضل و کرم سے استقامت اور ایمان عطا فرما کر اپنی خاص معرفت سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں پر اور تمام امت محمدیہ پر دنیا اور آخرت میں اپنا خاص لطف و فضل بخشش فرمادے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حسین احمد غفرلہ

جنوری ۱۹۴۷ء

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی تصانیف

اعظم گڈھ جیل میں "خدا کی باتیں" پچھلے دنوں گورنمنٹ یو۔ پی نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۱۳۰ کے ماتحت قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ کی ایک تقریر پر حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے خلاف مقدمہ قائم کرکے ایک ماہ قید کی سزا دی تھی۔ چنانچہ مولانا ۲۰ جنوری ۱۹۴۱ء سے ۲۶ فروری تک اعظم گڈھ جیل میں حکومت کی غیر منصفانہ مہربانیوں کا شکار رہے۔

احادیث قدسیہ کا ترجمہ ابھی یہ کام اپنی ابتدائی منزل میں تھا کہ مبارکپور کا مقدمہ شروع ہوگیا۔ ۳۰ جنوری کو مولانا کے خلاف فیصلہ کردیا گیا اور مولانا جیل تشریف لے گئے۔ لیکن مولانا نے اپنا کام جیل میں بھی جاری رکھا اور الحمد للہ اعظم گڈھ جیل میں احادیث قدسیہ کا ترجمہ ہوگیا۔

کم و بیش تقریباً آٹھ سو احادیث کا یہ ترجمہ ہے جو مولانا نے سلیس اور عام فہم اردو میں کیا ہے۔ بعض مقامات پر احادیث کے مطالب کی توضیح بھی فرمادی ہے۔ یہ کتاب مولانا کی ایک دینی خدمت کے علاوہ قید خانہ کی یادگار بھی ہوگی۔ کتاب کا نام "خدا کی باتیں" رکھا ہے۔ قیمت تین روپے (سے ؏)

جنت کی کنجی ملاحظہ کیجئے جسے حضرت مولانا نے احادیث کی معتبر کتابوں سے تالیف فرمایا ہے۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے اس کا مطالعہ بیحد ضروری ہے۔ اس میں بہت سی آسان باتیں درج ہیں جو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں اور جن پر عمل کرنے سے آپ جنت کے حقدار بن جائینگے۔ اس کتاب میں ۱۲۳۵ حدیثوں کا نہایت سلیس اور عام فہم ترجمہ ہے جن میں جنت کی خوشخبری دیگئی ہے اور پوری کتاب ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

قیمت فی جلد تین روپے چار آنہ (سے ؏)

دوزخ کا کھٹکا اس کتاب میں اُن احادیث کا مبارک درشستہ اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے جن کا تعلق اعمال سیئہ سے ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کیلئے جو اعمال سیئہ سے اور خبیثہ کا ارتکاب کرتے ہیں جن الفاظ میں وعید فرمائی ہے اور خدا کے غضب سے ڈرایا ہے ان تمام احادیث کو مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کر دیا ہے۔ دوزخ کے کھٹکے میں تقریباً ۴۸۸ احادیث کا ترجمہ ہے۔ دوزخ کے کھٹکے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے اُردو میں آجتک اتنا بڑا ذخیرہ ترہیب کا سوائے اس کتاب کے اور کسی میں نہیں ملیگا۔ اسکے متعلق کہا جاسکتا ہے جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ نواہی کے بہت بڑے حصّہ سے واقف ہو سکتا ہے ہر حدیث کے نیچے کتاب کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے۔ مذہبی کتاب ہونے کے ساتھ دلچسپ اسقدر ہے کہ شروع کرنیکے بعد چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ قیمت دو روپے (۲؍)

پہلی تقریر سیرت مولانا کی یہ وہ مشہور تقریر ہے جو آپنے اٹاوے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کی تھی۔ مولانا کی اس تقریر کے متعلق اخبارات و رسائل نے جن خیالات کا اظہار کیا، انکا شائع کر دینا کافی ہوگا **معارف کی رائے** تقریر مجموعی حیثیت سے بیحد دلچسپ اور مطالعہ کے قابل ہے۔ **جامعہ کی رائے** مولانا نے نہایت شگفتہ اور اچھوتے انداز میں ان حضرت کی تصویر قوم کے سامنے پیش کی ہے۔ **مدینہ بجنور کے تاثرات**۔ جو حضرات سیرت نبوی کے ساتھ حالات حاضرہ پر نہایت دلفریب تبصرہ ملاحظہ فرمانا چاہیں وہ اس تقریر کو منگا کر ضرور مطالعہ کریں۔ **خلافت کا اظہار خیال** ضرورت ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں پہنچائی جائے۔ مذکورہ چند اخبارات و رسائل کی رائے اس امر کی ضامن ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کیلئے بیحد ضروری اور مطالعہ کے قابل ہے قیمت دو روپے آٹھ آنہ

دوسری تقریر سیرت مولانا کی یہ دوسری تقریر سیرت ہے وہ جو آپنے ناگپور میں کی تھی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپکی تبلیغی مشکلات اور مخالفین کے دردانگیز مظالم اور آپکے صبر و تحمل کا دیگر انبیاء سابقین سے مقابلہ اس قدر دلچسپ اور دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس سلسلے میں بعض احادیث کی تشریح و توضیح قرآنی آیات کی تفسیر اور بعض تفسیری شبہات کا حل اور صدہا نکات و لطائف و رتصوف کے مسائل اس خوبی سے عام فہم اُردو میں بیان کئے گئے ہیں (۲۲۴) قیمت دو روپے چار آنہ (۲؍)

دینی بکڈپو۔ دہلی — اُردو بازار جامع مسجد

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی تصانیف

اعظم گڈھ جیل میں "خدا کی باتیں" پچھلے دنوں گورنمنٹ۔ یو۔ پی نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۳۸ کے ماتحت قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ کی ایک تقریر پر حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے خلاف مقدمہ قائم کر کے ایک ماہ قید کی سزا دی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا ۲۰ جنوری ۱۹۴۲ء سے ۲۰ فروری تک اعظم گڈھ جیل میں حکومت کی غیر منصفانہ مہربانیوں کا شکار رہے۔

احادیث قدسیہ کا ترجمہ ابھی یہ کام اپنی ابتدائی منزل میں تھا کہ مبارکپور کا مقدمہ شروع ہو گیا۔ ۲۰ جنوری کو مولانا کے خلاف فیصلہ کر دیا گیا اور مولانا جیل تشریف لیگئے لیکن مولانا نے اپنا کام جیل بھی جاری رکھا اور الحمد للہ اعظم گڈھ جیل میں احادیث قدسیہ کا ترجمہ پورا ہو گیا۔ کم وبیش تقریباً آٹھ سو احادیث کا ترجمہ ہے۔ جو مولانا نے سلیس اُردو اور عام فہم میں کیا ہے۔ بعض بعض مقامات پر احادیث کے مطالب کی توضیح بھی فرمادی ہے یہ کتاب مولانا کی ایک دینی خدمت کے علاوہ قیدخانہ کی یادگار بھی ہوگی۔ کتاب کا نام "خدا کی باتیں" رکھا ہے۔ قیمت تین روپے (سے؍) علاوہ محصولڈاک وغیرہ

جنت کی کنجی ملاحظہ کیجئے جسے حضرت مولانا نے احادیث کی معتبر کتابوں سے تالیف فرمایا ہے۔ اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے ہر مسلمان مرد وعورت کیلئے اس کا مطالعہ بیحد ضروری ہے۔ اس میں بہت سی آسان باتیں درج ہیں جو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں اور جن پر عمل کرنے سے آپ جنت کے حقدار بن جائیں گے۔ اس کتاب میں ۱۲۳۵ حدیثوں کا نہایت سلیس اور عام فہم ترجمہ ہے جن میں جنت کی خوشخبری دیگئی ہے اور پوری کتاب تقریباً ۔۔۔ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت تین روپے چار آنہ (ہےؔ؍) علاوہ محصول

دوزخ کا کھٹکا اس کتاب میں اُن احادیث کا صاف اور شستہ اُردو میں ترجمہ کیا گیا

جن کا تعلق اعمال سیئہ سے ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان لوگوں کے لئے جو اعمال سیئہ
اور خبیثہ کا ارتکاب کرتے ہیں جن الفاظ میں وعید فرمائی ہے اور خدا کے غضب سے ڈرایا ہے
ان تمام احادیث کو مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کر دیا ہے۔ دوزخ کے کھٹکے میں تقریباً
۱۸۸۴ حدیثوں کا ترجمہ ہے۔ دوزخ کے کھٹکے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے اُردو میں
آجتک اتنا بڑا ذخیرہ ترہیب کا سوائے اس کتاب کے اور کسی میں نہیں ملے گا۔ اس کے
متعلق کہا جا سکتا ہے جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ نواہی کے بہت بڑے حصّہ
سے واقف ہو سکتا ہے۔ ہر حدیث کے نیچے کتاب کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے۔ مذہبی
کتاب ہونے کے ساتھ دلچسپ اسقدر ہے کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔

قیمت دو روپیہ (۲عار) علاوہ محصول ڈاک

پہلی تقریر سیرت مولانا کی یہ وہ مشہور تقریر ہے جو آپ نے اٹاوے میں۔۔۔۔
۔۔۔۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کی تھی۔ مولانا کی اس تقریر کو جو مقبولیت حاصل
ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ مولانا کی اس تقریر کے متعلق اخبارات و رسائل
نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے انکا شائع کر دینا کافی ہوگا۔

معارف کی رائے یہ تقریر مجموعی حیثیت سے بیحد دلچسپ اور مطالعہ کے قابل ہے۔

جامعہ کی رائے مولانا نے نہایت شگفتہ اور اچھوتے انداز میں آں حضرت کی
سیرت قوم کے سامنے پیش کی ہے۔ **مدینہ بجنور کے تاثرات** جو حضرات سیرت نبوی
کے ساتھ حالات حاضرہ پر نہایت دلفریب تبصرہ ملاحظہ فرمانا چاہیں وہ تقریر کو منگا کر
ضرور مطالعہ کریں۔ **خلافت کا اظہار خیال** ضرورت ہے کہ یہ کتاب ہر
مسلمان کے گھر میں پہنچائی جائے۔

مذکورہ چند اخبارات و رسائل کی رائے اس امر کی ضامن ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں
کیلئے بیحد ضروری اور مطالعہ کے قابل ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصولڈاک

دوسری تقریر سیرت مولانا کی یہ دوسری تقریر سیرت وہ ہے جو آپ نے ناگپور میں کی تھی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی تبلیغی مشکلات اور مخالفین کے دردانگیز مظالم اور آپ کے صبر و تحمل کا دیگر انبیاء سابقین سے مقابلہ اس قدر دلچسپ اور دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس سلسلہ میں بعض احادیث کی تشریح و توضیح قرآنی آیات کی تفسیر اور بعض تفسیری شبہات کا حل و رصدہا نکات و لطائف اور تصوف کے مسائل اس خوبی سے عام فہم اردو میں بیان کئے گئے ہیں جنکی تفصیل اس مختصر اشتہار میں ظاہر نہیں کی جا سکتی مولانا نے باتوں باتوں میں بعض ایسے مسائل کو حل کیا ہے جن کا بڑی کتابوں میں بھی ملنا مشکل ہے۔

قیمت دو روپے چار آنہ (۲؍۴)

صلوٰۃ وسلام! حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے بیشمار فضائل ہیں۔ ان سے بہت کم لوگ واقف ہیں حضرت مولانا الحاج حافظ احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند نے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی وہ تمام ہدایات یکجا جمع فرمادی ہیں جو درود و سلام کے فضائل پر مشتمل ہیں۔ اس قسم کا مجموعہ اردو میں آجتک نہیں پیش کیا گیا۔ ترتیب اور عبارت عام فہم اردو زبان میں نہایت شگفتہ ہے۔ یہ کتاب مسلمان بچوں اور عورتوں کیلئے خاص طور پر مفید اور محبان رسول کیلئے حرز جان بنانے کے لائق ہے ضخامت ۶۴ صفحات۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔ قیمت بارہ آنہ ۱۲؍ علاوہ محصول

رسول کی باتیں! اس کتاب میں اٹھارہ ۱۸ عنوان ہیں۔ توحید۔ رسالت۔ قرآن۔ قیامت۔ عالم برزخ۔ قبر کا حساب۔ نکیرین کی پوچھ گچھ۔ تقدیر۔ کتب آسمانی اور ملائکہ۔ علم کے فضائل۔ طہارت کا صحیح طریقہ۔ مسواک وغیرہ غرض یہ ہے۔ تمام مسائل بمع تشریح کے اس میں ذکر کردیئے گئے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کیلئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ قیمت مجلد دو روپے چار آنہ (۲؍۴) علاوہ محصول ڈاک

پردہ کی باتیں! حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند

اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف مواقع پر اور مختلف موضوعات پر آل انڈیا ریڈیو کہیں جسکو ریڈیو سُننے والے حضرات نے بہت زیادہ پسند کیا۔

سب سے پہلی تقریر جس سے کتاب شروع ہوتی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ جو آپ نے ایک اچھوتے انداز میں پیش کی ہے۔ دوسری تقریر ہے شب برات کیا ہے۔ شب برات میں ہمکو کیا کرنا چاہیئے۔ تیسری تقریر ہے رمضان کی برکتیں، رمضان میں کیا کیا برکتیں خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہیں۔ چوتھی تقریر ہے عید مُبارک۔ مسلمانوں کو عید کی مُبارکباد پیش کیگئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ روزہ رکھنے کے بعد مسلمان عید کیوں مناتے ہیں۔ آپکی پانچویں تقریر ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کا مقصد یعنی حضور کا دُنیا میں تشریف لانے سے کیا مقصد تھا اور آپ اپنے مشن میں کس طرح کامیاب ہوئے کہ دُنیا کو حیرت ہوگئی۔ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا۔ جو قانون دُنیا کے سامنے پیش کیا وہ اتنا جامع اور مکمل تھا کہ دُنیا اس سے بہتر قانون پیش کرنے سے عاجز رہی اور عاجز ہے۔ آپ کی ایک تقریر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اُصول۔ اس تقریر میں آپنے موجودہ جنگی اُصول سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُصولوں کا مقابلہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام نے جنگ کرنے کے باوجود عورتوں اور معصوم بچوں اور بڈھوں اور بیماروں پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔

آپنے یہ بھی بتایا ہے کہ کسی کو قتل کر دینے کے بعد اسکے کان اور ناک کو کاٹا نہ جائے اور نہ کسی حصّہ کو داغا جائے۔ آخر میں آپنے یہ بھی فرمایا ہے کہ دُنیا نے باوجود کوشش کے جنگ کے سلسلے میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر قانون پیش نہیں کیا۔

آخر میں آپ کی ایک تقریر ہے جیل کی دلچسپیاں، اس میں آپنے اپنی سب سے پہلی گرفتاری کے حالات نفیس انداز سے بیان فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ خلافت کی تحریک میں ہمارے ساتھ جیل میں کیا معاملہ کیا گیا۔ اور ہم کو کس طرح رکھا گیا۔

کتاب اوّل سے آخر تک نہایت دلچسپ پڑھنے کے قابل ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ ہے۔

مضامین جس وقت آپ نظامت کے فرائض انجام دے رہے تھے اُسوقت آپکی نگرانی میں دہلی سے اخبار الجمعیۃ سہ روزہ شائع ہوتا تھا۔ اس میں کبھی کبھی حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ العلماء ہند کے عالمانہ مضامین بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔ اگرچہ اخبار کے بند ہونے اور اسکے فائل گم ہو جانے سے ایک بہت بڑا ذخیرہ مضامین کا ضائع ہو گیا۔ مگر اس وقت جتنے مضامین ہمکو مل سکے ان کو ترتیب دیکر کتابی شکل میں شائع کیا ہے سب سے پہلا مضمون جو آپنے گجرات جیل میں لکھکر اخبار کیلئے روانہ فرمایا تھا وہ ہے "شعبان اور اسراف" اسراف کی مذمت اور برائی قرآن شریف سے ثابت کی ہے اور بہت سی قرآن شریف کی آئتیں اسراف کی مذمت میں پیش کی ہیں۔ اسی طرح ایک مضمون ہے 'روزہ صوفی کی نظر میں' 'فطرت انسانی اور عید' مدینہ طیبہ کے یتیم کی عید' محمد رسول اللہ صلعم کا آخری خطبہ، حیات خلیل پر ایک مضمون، 'ایک مضمون ہے رحمۃ اللعالمین، 'شاہان مغلیہ کی اولاد' ان کے علاوہ اور کئی مضمون ہیں۔ محرم اور بقرعید وغیرہ پر آخری مضمون ہے اسلام میں عورت کا مرتبہ' اس میں تمام مذاہب سے مقابلہ کیا ہے' اور آخر میں یہ بتایا ہے کہ سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مضمون قرآن اور احادیث رسول اللہ صلعم کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ جابجا قرآن شریف کی آئتیں اور حدیثیں بھی نقل کی گئی ہیں۔ تمام مضمون نہایت دلچسپ اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ کتاب کی ضخامت دو سو صفحات سے بھی زائد ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنہ (عہ) علاوہ محصولڈاک

رسول اللہ نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح حیات جسکو حضرت مولانا نے خود اپنی نگرانی میں تصنیف کرایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جنگوں میں شرکت اور عدم شرکت دونوں قسم کے معرکہ لکھے ہیں، اور بتایا گیا ہے کہ آقائے نامدار نے کتنی جنگوں خود شرکت فرمائی اور کافروں کو خدا نے کس طرح ذلیل و خوار کیا۔ اس مختصر کتاب میں جو مستند حالات آپ کو مل سکتے ہیں، وہ بڑی بڑی سیرت کی کتابوں میں بھی ملنا مشکل ہیں۔

(قیمت الکروبہ آٹھ آنہ عہ علاوہ محصول)

پنجسورہ | حضرت مولانا کم وبیش آٹھ دس سال سے قرآن شریف کا عام فہم ترجمہ و تفسیر لکھ رہے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ ترجمہ تو پورا ہو گیا اور تفسیر اسوقت تک صرف تین پاروں کی لکھی جا چکی ہے۔ بعض حضرات کا یہ تقاضہ تھا کہ قرآن شریف بغیر تفسیر کے ہی شائع کیا جائے۔ چنانچہ یہ مناسب سمجھا گیا کہ حضرت مولانا کے عام فہم ترجمہ کا ایک پنجسورہ شائع کیا جائے اور اسکے بعد، پوری سورہ بقر مع تفسیر کے شائع کی جائے۔ چنانچہ یہ پنجسورہ حضرت مولانا کے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور ہر ایک سورۃ کا خواص جُدا اور اس کا نقش، اور تعبیر خواب بھی مزید شامل کر دیا گیا ہے تاکہ اس پنجسورہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنہ (عہ۸ر) مجلد، علاوہ محصولڈاک

تقاریر! | یہ حضرت مولانا کی کچھ سیاسی اور مذہبی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ جو آپ نے ہندوستان کے مختلف گوشوں میں کی ہیں زیادہ تر تقریریں ہندوستان کے آزاد کرانے کے سلسلہ میں ہیں۔ جس میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ آزادی ہندوستان کا پیدائشی حق ہے اور اسکو لاٹھیوں اور گولیوں اور جیل میں ڈالکر ہندوستان کو اس نعمت سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ جو لوگ جیل میں بھوک ہڑتال کر دیتے ہیں اس کا شرعی حکم۔ ریاست کشمیر کے مظالم کے خلاف اور مجلس احرار کی تحریک کی حمایت میں ایک تقریر ہے۔ آخری تقریر حضرت مولانا انوار شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر نہایت جامع تقریر ہے جس میں یہ بتایا ہے۔ آج ہم نے کتنی بڑی ہستی کو دفن کیا ہے۔ بہرکیف یہ بارہ چودہ تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اگر سیاسی معلومات کے ساتھ ساتھ مذہبی معلومات چاہتے ہیں تو اسکو ضرور منگا کر ملاحظہ فرمایئے۔ قیمت دو روپے چار آنہ مجلد (عہ۲ر) علاوہ محصول

شوکت آرا بیگم! | حضرت مولانا کا ایک مذہبی و سیاسی اور اخلاقی ناول جو اب سے بیس سال قبل خاموش تبلیغ کے نام سے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوا تھا اور ایک عرصہ سے نایاب تھا۔ اب اسکو دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔

اگر ہندو اور انگریزوں کی سازباز اور ظاہر و باطن معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ اس ناول میں بہت سے مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں جنکو حضرت مولنا نے نہایت خوبی کے ساتھ حل کیا ہے۔ قیمت دو روپے مجلد (عہ/) علاوہ محصول ڈاک

سفر نامہ اسیر مالٹا حضرت شیخ الہندؒ رحمۃ اللہ علیہ کا جو سفر نامہ جو روانگی دیوبند سے شروع ہوتا ہے اور کئی سال تک اسیر مالٹا میں نظر بند رہنے اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے اور کپڑے نہ ملنے اور گوشت کا انکار کرنے اور گورنر یوپی سے ملاقات کرنے اور گورنر کے سوال اور حضرت ۰۰۰۰۰ کے خادموں کے جواب مع سوال اور جواب کے درج ہیں۔ اور گورنر کا یہ پوچھنا کہ ریشمین رومال کا کیا واقعہ ہے اور حضرت کا اسکو منہ توڑ جواب دینا، اور مولوی عزیز گل صاحب کا اس سے سخت کلامی کرنا اور حکیم صاحب کا بیمار ہونا اور ہسپتال میں انتقال ہونا۔ اور حضرت کا نماز جنازہ پڑھنا، اور مالٹا کے قبرستان کا نقشہ اور اندھیری کوٹھریوں کا نقشہ وغیرہ بھی درج ہے۔ دیوبند سے روانگی سے واپسی تک کے حالات درج ہیں۔ اسکے متعلق صرف یہ لکھدینا ہی کافی ہوگا۔ اس سفر نامہ کو حضرت شیخ الہند کے جانشین حضرت علامہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر مدرس دار العلوم دیوبند و صدر جمعیتہ علماء ہند ہیں۔ حضرت کا نام آجانے کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ قیمت دو روپے

ازبلا اسپین کے ایک بڑے پادری کی لڑکی ہے۔ جوان ہوتے ہی اس نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے مسلمان ہونے کا بھی اعلان کیا۔ جب عیسائیوں کو اس کے مسلمان ہونیکی خبر لگی تو تمام پادریوں نے مل کر اس پر مظالم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے۔ مظالم اسقدر درد انگیز تھے کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ مگر وہ لڑکی اسلام پر ثابت قدم رہی۔ اور اس نے اعلان کیا کہ

کیا کہ اگر تم کو اسلام کی حقانیت پر شبہ ہو تو میں تم سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ ہمّت کرکے چند عیسائی میدان میں آئے۔

مناظرہ شروع ہوا۔ فضیلت اسلام پر جسقدر دلائل ممکن تھے وہ تائید الٰہی سے آزبلا نے پادریوں کے مقابلہ میں اس خوش اسلوبی سے پیش کئے کہ سامعین حیرت کے ساتھ اس مُنہ تکنے لگے۔ پادریوں سے کوئی جواب بن نہیں پڑا۔

مناظرہ کی پُوری کیفیت اس کتاب میں قلمبند کردی گئی ہے۔ اگر آپ عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت کے بیشمار دلائل سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی آرڈر لکھکر ہم سے "آزبلا" منگا لیجئے۔ قیمت ایکروپیہ بارہ آنہ (عہ ۱۲) ہے۔

بلاکشانِ اسلام

اس کتاب کو پہلی دفعہ منیجر متوتمر المصنفین دہلی نے شائع کیا تھا اور یہ مختصر کتاب تھی۔ بعض احباب یہ خواہش ظاہر کرتے تھے۔ اس میں کچھ اضافہ کراکے اسکو شائع کیا جائے۔ اس میں اُن چند صحابہ کو لیا گیا ہے جنہوں نے ابتدائے اسلام میں ہر قسم کی تکالیف کافروں کی برداشت کیں اور ثابت قدم رہے بعض نے اسلام کا نام بلند کرنے کے لئے اپنی جان تک کی قربانی پیش کردی۔ تپتے ہوئے ریت پر لٹایا جانا۔ کمر پر جلا کر کوئلہ رکھدینا۔ کان میں رسّی ڈال گھسیٹا جانا۔ کوڑے پٹنے پڑنے سے بیہوش ہو جانا۔ ہاتھ پیر باندھ کر دھوپ میں ڈالدینا۔ اس قسم کی تکالیف کو تو بہت سے صحابہ اور صحابیات نے اسلام کو بلند اور عزّت دار بنانے میں قربانیاں دی ہیں۔ اگر آپ اسلام کے سچّے سپاہیوں کے کارنامے پڑھنا چاہتے ہیں، جنہوں نے خود ہر قسم کی تکلیف برداشت کرکے ہمیشہ دوسروں کو آرام پہونچایا ہے تو آپ اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ جن کو حضرت مولانا اصلح حسینی فاضل دیوبند نے دیوبند کے عظیم الشان مدرسہ کی عظیم الشان لائبریری میں بیٹھ کر میری درخواست پر آپ نے اس کتاب کو قلمبند فرمایا ہے اور ہر ہر واقعہ کو مع حوالہ کے تفصیلی طور پر آپ نے پیش کیا ہے۔ قیمت ایکروپیہ بارہ آنہ عہ ۱۲